پہلی مجلس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ

میں نے جن و انسان کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ میری عبادت کریں کوئی کسی سے اگر اپنی اطاعت طلب کرے تو اس کیلیئے کوئی وجہ و علت و سبب ضروری ہے مثلاً یا تو اس کا احسان ہو یا وہ صاحب فضل ہو یا حق حکومت رکھتا ہو وغیرہ، ورنہ اطاعت دیوانگی و بے عقلی ہوگی۔

اور خدا میں وہ تمام وجوہ و اسباب پائے جاتے ہیں جو اطاعت کے داعی ہو سکتے ہیں اگر اطاعت احسان کیلیئے ہے تو اُس سے بڑھ کر محسن نہیں، اگر اطاعت لالچ کی خاطر ہے تو اس کے پاس جنت موجود ہے، اطاعت گزاروں کے لئے اگر اطاعت ڈر سے ہے تو نافرمانوں کے لئے اس کی سزا جہنم ہے، اسی طرح اسباب اطاعت میں سے طاقت.. جبر و قہر.. فضل و کمال وغیرہ سب اس کے پاس بدرجہ اتم موجود ہیں لہذا وہ اطاعت کا سزاوار تر ہے اور یہ سب کچھ تب ہو سکتا ہے جب اطاعت کرنے والا معرفت رکھتا ہو ورنہ سبب کی موجودگی کافی نہیں ہے مثلاً جو شخص حاکم وقت کو پہچانتا نہ ہو وہ کیسے اس کی اطاعت کرے گا؟ پس عبادت سے قبل خدا کی معرفت کا حاصل کرنا ضروری ہے اور جنہوں نے پہچانا ان کو عبادت میں اس قدر لذت محسوس ہوئی کہ ان کو کمی کی دعوت دی گئی لیکن وہ آگے ہی بڑھتے گئے:

طٰـہٰ مَـا اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰی اور سلطانِ اقلیم معرفت کا قول ہے کہ مَـا عَبَـدۡنَـاکَ خَـوۡفًـا مِّـنۡ نَّـارِکَ وَ لا طَـمۡعًا فِیۡ جَنَّتِکَ بَلۡ وَجَدۡتُکَ اَهۡلًا لِّلۡعِبَادَۃِ فَعَبَدۡتُکَ میں نے تیری عبادت دوزخ کے ڈر سے نہیں کی (کیونکہ یہ غلامانہ عبادت ہے) اور نہ ہی جنت کے طمع سے کی (کیونکہ یہ مزدور کی عبادت ہے) بلکہ میں نے تجھے عبادت کے لائق پایا ہے اس لئے تیری عبادت کی ہے۔

حالانکہ جنت کے طمع یا دوزخ کے ڈر سے عبادت کرنا بھی باعث قربت ہے لیکن معرفت کی منزل بہت آگے ہے... معرفت سے لذت پیدا ہوتی ہے جبھی تو امام حسینؑ آخری وقت میں فرما رہے ہیں:

تَـرَکۡـتُ الۡـخَلۡقَ طُـرًّا فِیۡ هَوَاکَ
وَ اَیۡتَـمۡـتُ الۡـعِیَـالَ لِکَیۡ اَرَاکَ

میں نے تیری محبت کی خاطر تمام مخلوق سے قطع تعلق کر لیا اور عیال کو یتیم کیا تا کہ تیرا دیدار کر سکوں۔

اور سچ ہے کہ لذت جس قدر بڑھتی جاتی ہے وہ اپنے سے کمزور تکلیفوں کے احساس کو ختم کر دیتی ہے مثلاً سر دردی کے مریض کو بیٹے کی رہائی کی خبر ملنے پر اس کی سر دردی ختم ہو جائے گی، یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ کی ظاہری تکالیف پر لذتِ وصالِ خداوندی غالب تھی کہ جسمانی تکالیف بلکہ اعزا و اقرباؑ کی شہادت بھی امامؑ کے قدموں میں لغزش کا باعث نہ بن سکی اور قدم آگے بڑھتا ہی گیا۔

پس معرفت خداوندی سے عبادت میں لذت آ جاتی ہے اور حدیث میں ہے کہ مومن کی سزا میں سے ہے کہ اس کے دل سے عبادت کی لذت اُٹھا لی جاتی ہے کیونکہ عبادت کی لذت کا ختم ہونا محبت کی کمزوری کی علامت ہے اور واضح رہے کہ

طرفین کی محبت باہمی مکالمہ کی لذت کی موجب ہوتی ہے اور جب مکالمہ میں لذت نہ رہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ محبت میں فرق آ گیا ہے، خداوند کریم ہمیں اپنی عبادت کی لذت عنایت فرمائے..آمین۔

جناب زینب عالیہؑ کی عظمت

یہ بی بی سالکہ منزلِ عرفان تھی جبھی تو مصائب کو پاؤں کے نیچے روندتی ہوئی آگے بڑھتی گئی... کجا زینبؑ کجا کوفہ کجا زینبؑ کجا شام؟

جب کربلا و شام کے مصائب جھیل کر واپس آئی تو سگا بھائی محمد بن حنفیہ نہ پہچان سکا...حالانکہ بقولے فقط تین اونٹ کی سواریاں تھیں جب معلوم ہوا کہ میرا ایک بھائی محمد بن حنفیہ مجھے ملنے آیا ہے تو بھائی کی گردن میں باہیں ڈال کر روئی بھائی نے پوچھا ہوگا کیا گزری تو بی بی کیا بیان کرتی؟ کیونکہ عورت اپنے مخصوص مصائب صرف ماں یا شوہر کو ہی بتا سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ ماں کی قبر پر آئی تو سب کچھ بتایا کہ میں قید گزار کر آ گئی ہوں وغیرہ۔

دوسری مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ

میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر عبادت کیلیئے، جس کیلیئے کوئی کام کیا جائے وہ اس کام کی غرض بن جاتی ہے اور غرض صاحب غرض میں موجب تکمیل ہوتی ہے... نیز صاحب الغرض مجنون کا مقولہ بھی مشہور ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا کے افعال معلّل بالاغراض نہیں اور نہ وہ صاحب غرض ہے ورنہ اس کی ذات میں نقص لازم آئے گا اور وہ مستکمل بالغیر ہوگا اور یہ محال ہے۔

بلکہ خدا وہ ہے جس کو نہ اطاعت کی غرض اور نہ وہ اطاعت گزاروں کا محتاج نہ اس کو عبادت کی حاجت اور نہ وہ عبادت گزاروں کا نیازمند... کوئی اس کی اطاعت کرے یا نہ کرے کوئی اس کی عبادت کرے یا نہ کرے اس کی خدائی میں فرق نہیں پڑتا اطاعت و عبادت اس کو بڑھا نہیں سکتی اور نافرمانی اس کو کم نہیں کرسکتی نہ ملائکہ، انبیأ و اوصیأ کی عبادت اس کو فائدہ بخشتی ہے اور نہ ابلیس و شیطان کی سرکشی اس کو نقصان پہنچاتی ہے... وہ مطلق بے نیاز اور غنی ہے اس کو بذات خود کسی فرشتہ یا نبی یا ولی کی عبادت کی احتیاج نہیں ہے، نبیوں کے زمانِ عبادت میں جس قدر خدا تھا ان کے بعد بھی اسی قدر خدا ہے وہ لوگوں کی تخلیق سے پہلے ہراساں اور پریشان نہ تھا نہ کوئی دوسری کمی اس کو لاحق تھی جس کا مخلوق کے پیدا کرنے کے بعد ازالہ ہوا ہو.. اگر ایسا ہو تو تغیر لازم آتا ہے جو اس کی ذات میں محال ہے۔

پھر عبادت کی دعوت کیوں ملی؟ تو اس کا جواب ہے تقاضائے محبت، کیونکہ ہر رشتہ وقرب داعی محبت ہوتا ہے اور غلامی وآقائی کا رشتہ سب رشتوں سے قریب تر ہے لہذا یہ رشتہ مضبوط ترین سبب محبت ہے کیونکہ مثلاً بیٹا وہی محبوب تر ہوگا جو غلام ہو گا باپ کا، بھائی وہی پیارا ہوگا جو اپنے بھائی کا وفادار ہوگا، پس قریبی رشتہ دار نافرمانی سے بیگانہ ہوسکتا ہے اور بیگانہ غلامی کے دائرہ میں آکر اپنا ہوجایا کرتا ہے، دیکھئے حضرت نوحؑ کا بیٹا آل سے کٹ گیا اور جناب سلمان کو اہل بیتؑ میں شامل کر لیا گیا ''اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَھلَ الْبَیْتِ''

ماں باپ اولاد کے لئے ترستے ہیں منتوں دعاؤں کے بعد ان کی گود آباد ہوتی ہے خوش ہوتے ہیں... پھر انکی تمنائیں بڑھتی جاتیں ہیں اور "ہر تمنا کی تکمیل ایک نئی تمنا کو جنم دیتی ہے" وہ ترستے ہیں کہ کیا اپنی پیاری اور میٹھی زبان سے ہمیں بابا یا اماں کے لفظ سے یاد کرے گا؟ اور جب لفظ بنانے کی کوشش کرتا ہے اور آخر اس کے پیارے منہ سے لفظ "اماں" نکلتا ہے تو ماں جی جی کر کے تھکتی نہیں اور اس کی خوشی کا اندازہ سوائے پروردگار کے اور کوئی کر ہی نہیں سکتا اسی طرح وہ خدا جس کی محبت ماں باپ کی محبت سے کامل تر ہے وہ بھی چاہتا ہے کہ میرا بندہ مجھے اپنی پیاری زبان سے کہے ''یَـا اَلـلّٰـہ'' اور میں اس کو جواب دوں ''لَبَّیْکَ یَا عَبْـــدِیْ'' اور یہ کلمہ اس کی ذات کو اس قدر محبوب ہے کہ ملائکہ پر بھی مباہات فرماتا ہے۔

بچہ جب اماں کہہ کر ماں سے جی کی داد لیتا ہے اور بے انداز محبت و پیار کا ظہور دیکھتا ہے تو وہ اماں کے لفظ کو دہراتا ہے پھر ماں پیار کرتی ہے وعلی ہذا القیاس بچہ کو ماں کا لفظ یاد ہوجاتا ہے اور پھر ہر ایک موقعہ پر یہی لفظ استعمال کرتا ہے لیکن جب دوسری عورتوں سے وہ محبت نہیں پاتا تو اپنی غلطی محسوس کرتا ہے اور دوسرے

لفظوں کی تلاش کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ مناسب الفاظ ڈھونڈ کر آخر اُن سے بھی پیار و محبت کی داد لے لیا کرتا ہے....اسی طرح بابا ماموں وغیرہ کے الفاظ یاد کرتا ہے یہ ایک فطری درسگاہ ہے جس سے بچہ مادری زبان سیکھتا ہے اور یہ یادر ہے کہ ماں بار بار بچے کے ورد سے بعض اوقات تھک جاتی ہے اور بعض اوقات باپ بھی کوفت محسوس کرتا ہے حتیٰ کہ وہ دونوں چاہتے ہیں کہ بچہ اب کوئی دوسری بات کرے لیکن قربان محبت خالق کے کہ انسان جس قدر اس کو پکارتا جائے اس کی محبت میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا وہ کبھی مخلوق کی یاد سے تھکتا نہیں بلکہ منازل قرب میں ترقی ہی دیتا رہتا ہے۔

بعض اوقات بچہ کی نافرمانی ماں باپ سے دائمی قطع تعلقی کی موجب بن جاتی ہے کیونکہ ماں باپ کی محبت اغراض کی ماتحت تھی اور زمان بچپن میں وہ اندھی محبت کرتے تھے اور بچہ کی جوانی سے کچھ توقعات وابستہ رکھتے تھے اب ان توقعات کے پورا نہ ہو سکنے پر بعض اوقات بچہ کو عاق کر دیتے ہیں...خدا کی محبت چونکہ حقیقی ہے اور غنی عنِ الاغراض ہے اور پیدا کرنا اس کا احسان محض ہے لہذا وہ کبھی اپنے بندہ کو اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا اگر انسان نافرمانی کرے تو وہ اس کے سامنے سے توبہ کا دروازہ بند نہیں کرتا بلکہ مدت کے بعد توبہ کرنے والے بھی اس کی جانب سے خطاب آتا ہے اَیۡنَ کُنۡتَ فِیۡ ھٰذِہِ الۡمُدَّۃِ اتنی مدت تک تو کہاں رہا؟

اس مہربان خدا نے تو فرعون جیسوں کو بھی اپنی رحمت سے مایوس نہیں کیا یہ اور بات ہے کہ فرعون نے خود اس کی طرف آنا پسند نہیں کیا..دیکھئے کمزور کا حق ہے کہ بڑے کو منت کرے لیکن اللہ کی محبت کی یہ شان ہے کہ علیٰ کل شی قدیر ہوتے ہوئے منت بھی کرتا ہے میلہ بھی اور خط و کتابت بھی..چنانچہ فرعون کی طرف حضرات موسیٰعؑ و ہارونؑ کو بھی بھیجا اور تورات جیسی کتاب بھی ساتھ دی اور اس کی دعوت عام ہے ’’فَاذۡکُرُوۡنِیۡ اَذۡکُرۡکُمۡ‘‘ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں اور ساتھ اس کے

جنت کے انعام کی پیشکش بھی کرتا ہے اسلیئے ماں باپ بچے کی نافرمانی سے ناراض ہوتے ہیں اوراس کی اطاعت سے خوش رہتے ہیں حالانکہ بحثیت ماں باپ کے ان کو نہ فائدہ ہے اور نہ نقصان ہے اگر بیٹا باپ کو باپ نہ کہے تو باپ کو کیا خسارہ ہے؟ اور کہے تو باپ کو کیا فائدہ؟ ہاں... باپ کی محبت کا تقاضا ہے کہ باپ کہہ کروہ حلالی کہلائے گا اور نہ کہہ کر وہ حرامی کا خطاب پائے گا محبت چاہتی ہے کہ میرا ہوکر حرامی نہ کہلائے اسی طرح انسان کی عبادت خالق کو فائدہ نہیں دیتی اور نہ اس کی نافرمانی اس کو نقصان دیتی ہے بلکہ اس کی محبت حقیقی کا تقاضا یہ ہے کہ میرا ہوکر شیطان کا نہ کہلائے بس اسی وجہ سے اس نے مخلوق کو عبادت کی دعوت عام دی ہے ورنہ اس کو کوئی غرض نہیں تھی۔

اسی طرح جملہ عبادات سے اس کو منفعت نہیں ہے اور گناہوں سے اس کو خسارہ نہیں اور باوجود اس کے وہ عبادت سے خوشنود اور گناہوں سے ناراض ہوتا ہے، صرف تقاضائے محبت ہے کہ انسان عاقل ہوکر بے عقلوں کی طرح ذلت کی وادی میں نہ گرے..نیز دکھ سکھ، بیماری وتندرستی بھی اس تنبیہ کی خاطر اس نے مقرر کی ہیں۔

آیئے! کربلا والوں سے درس لیں، امام حسینؑ کی بے آس بہن..امام حسینؑ کی سراپا حسرت بہن نے کونسا درد نہیں دیکھا؟ لیکن قربان جاؤں اس مخدومہ کی عبادت کی شان پر کہ پُر خطر اور پُر درد سفر میں اونٹ کی کوہان پر خدا معلوم وضو سے یا تیمّم سے نماز واجب تو بجائے خود تہجد بھی قضا نہ کی اور شام کے زندان میں بیٹھ کر فرائض ادا کیئے.. ہائے دنیا کی تمام شریف زادیاں قید ہوجاتیں لیکن بی بی زینبؑ قید نہ ہوتی، تمام شریف زادیوں کے برقعے بی بی کی چادر کی ایک تار کی قیمت نہیں اور تمام شریف زادیاں بی بی کے قدموں کی خاک پر نثار ہوجائیں۔

سچ ہے پردے کا وقار ختم ہوگیا جب سے امام حسینؑ کی بہن تشہیر ہوکر بازارِ

شام گئی.. جناب زینبؑ کو حسرت کا مجموعہ اسلئے میں نے کہا کہ مرد میدان میں جاتا ہے زخم کھاتا ہے لیکن اس کے دل میں حسرت نہیں ہوتی کیونکہ زخم مارتا بھی ہے اور کھاتا بھی ہے قتل کرتا بھی ہے اور قتل ہوتا بھی ہے... لیکن عورت کے پاس سوائے حسرت کے اور کچھ نہیں ہوتا جب مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں تو دل ہی دل میں کہتی ہے کاش میں مرد ہوتی تو ان کا مقابلہ کرسکتی اب اس کو دُگنا درد ہوتا ہے.. ایک مصیبت کا دوسرا حسرت کا؟ کربلا کی مخدومہ پر کئی درد جمع تھے قید کا درد.. پیاس کا درد.. اعزأ کی شہادت کا درد.. بچوں کی یتیمی کا درد.. بیواؤں کے لاوارث ہونے کا درد.. امام سجادؑ کی بیماری کا درد اور با ایں ہمہ ہر طرف سے حسرت و یاس کا درد!

اسلئے میں کہتا ہوں مرتبہ شہادت میں گو امام حسینؑ کا حصہ زیادہ ہے لیکن مقام درد میں زینبؑ عالیہ بھائی سے آگے ہے.. اسی طرح مقام صبر و استقلال میں بھی زینبؑ عالیہ کا حصہ زیادہ ہے، باوجودیکہ عورت تھی لیکن مردانہ وار مصائب کو روند دینا اسی مخدومہ کا حصہ تھا... امام حسینؑ نبوت کی لاج تھے اور زینبؑ عالیہ امام حسینؑ کی لاج تھی.. اگر امام حسینؑ نہ ہوتے تو نبوت کی تعلیم ختم ہو جاتی لیکن اگر زینبؑ عالیہ نہ ہوتی تو حسینیت ختم ہو جاتی۔

امام حسینؑ کے پاس شہادت کے بعد بھی دونوں شہزادے قریب موجود ہیں لیکن ہائے زینبؑ عالیہ وفات کے بعد بھی اپنی اولاد کا قرب نصیب نہ ہوا؟

امام حسینؑ چند بھائیوں سے جدا ہیں تو چند پاس موجود ہیں لیکن زینبؑ عالیہ تمام بہن بھائیوں سے جدا ہیں؟!

اے بی بی! ہم تیرے عزادار آج تو بہتی ہوئی آنکھوں سے تیرا اسلام کرتے ہیں، تیرا ذکر کرتے ہیں اور اپنوں کا مجمع آنکھیں بند کر کے تیرے مصائب پر روتا ہے لیکن وہ کیا وقت ہوگا جب تیرا محمل درمیان میں تھا اور تماشائیوں کا ہر طرف سے

ہجوم تھا؟ آج تیرے نام کے سامنے مومنوں کے سر جھک جاتے ہیں ہائے دربارشام میں جب تیرانام لیاجاتا تولوگ خوشیاں مناتے اورتالیاں بجاتے تھے!؟ ہائے شرابی کا دربار کجااور زینبؑ جیسی پردہ دار کجا؟ بس ہمیں دو ہی باتیں رُلاتی ہیں ماں کا دربار میں جانااور بیٹی کا بازار میں آنا...ماں دربار سے روتی آئی اور بیٹی بازار سے روتی گئی۔

مخدومہ دوعالم دی کیوں وچ دربار بلائی گئی
بازار دے وچ بنت علی دی کیوں تشہیر کرائی گئی
کیوں دھی مظلوم مسافر دی ہک چولے وچ دفنائی گئی
جیڑھی ٹرناہی سگدی گھر دے وچ کیوں نونومیل ٹرائی گئی

تیسری مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ

خداوند کریم نے انسان کو عبدیت کی دعوت دی ہے..عبد وہ ہوا کرتا ہے جو کسی شئے کا حتی کہ اپنے وجود کا بھی مالک نہ ہو اور اپنے وجود کے تمام تر منافع اپنے مولا پر وقف کردے، انسان بھی خدا کا سچا عبد تب ہوگا کہ اپنا تمام مال ومتاع بلکہ وجودی اعضاٗ اپنے مولا کی رضا کیلئے وقف کردے، اس کے ہاتھ پاؤں اور جملہ اعضاٗ اُس کی مرضی کے مطابق استعمال ہوں، ہاں جنہوں نے اپنی عبدیت کا دل سے اعتراف کیا بلکہ دعا مانگی:

وَجَدۡتُکَ رَبًّا کَمَا ارۡتَضِیۡ فَاجۡعَلۡنِیۡ عَبۡدًا کَمَا تَرۡتَضِیۡ ''اے اللہ میں نے تجھے ویسے ربّ پایا ہے جس طرح میں چاہتا ہوں تو بھی مجھے ایسا عبد بنا جس طرح تو چاہتا ہے'' اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

کَفٰی بِیۡ عِزًّا اَنۡ اَکُوۡنَ لَکَ عَبۡدًا وَکَفٰی بِیۡ فَخۡرًا اَنۡ تَکُوۡنَ لِیۡ رَبًّا ''میری عزت کیلئے کافی ہے کہ تیرا عبد ہوں اور میرے فخر کے لئے کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے''

پس عبدیت کی ایسی شان دکھائی کہ تمام عباد کو حیران کردیا... ہاتھ اپنا تھا لیکن رضائے خدا میں ایسا وقف کیا کہ یَدُاللّٰہ کہلایا، کان اپنے تھے لیکن اپنے پروردگار کی رضامندی کے لئے ایسے وقف کردیئے کہ اُذنُ اللّٰہ کہلائے اسی طرح آنکھ عَیۡنُ

اللہ زبان لِسَانُ اللّٰہ اور چہرہ وَجۡہُ اللّٰہ کہلائے حتیٰ کہ نفس نَفۡسُ اللّٰہ کہلایا۔

عبدیت کا معنی صرف نماز نہیں بلکہ نماز عبدیت کا پہلا زینہ ہے..عبدیت کے فرائض اس سے آگے ہیں، جس طرح سکول میں لڑکوں کی حاضری کے بعد کورس کی تدریس ہوتی ہے پس صف میں کھڑے ہو کر حاضری دینا اور لبیک کہنا اور ہے اور کمرہ میں اپنے کورس کو نبھانا اور شئے ہے..بس ایسا ہی سمجھئے کہ نماز صف میں کھڑے ہو کر حاضری دینے اور اپنے عبد ہونے کا اعتراف ہے اور عبدیت کا کورس اس کے ماسوا کچھ اور ہے..اور خلاصہ یہ کہ اپنے وجود کو رضائے پروردگار کے لئے استعمال کرے اپنی مرضی سے اس کے جسم کا کوئی حصہ حرکت وسکون سے متصف نہ ہو۔

لا اِلٰہ الاّ اللہ اور یا علیؑ زبان سے کہنا کافی نہیں بلکہ بدن کا ہر عضو یا علیؑ پکارے ورنہ اڑھائی من کا وجود دشمن علیؑ کی سیرت کا آئینہ اور فرعونیت کا مظہر ہو اور صرف ایک تولہ کی زبان کلمہ توحید یا نعرہ حیدری کی طرف آئے تو اس کا کیا فائدہ؟ اور کاش کہ یہی زبان ہی یا علیؑ پکارتی! انصاف تو یہ ہے کہ اس کا یا علیؑ پکارنا بھی صرف ایک تھوڑے سے وقت کیلئے ہوتا ہے ورنہ پورے چوبیس گھنٹے یہ زبان صرف آوارگی کا مظہر رہتی ہے مومن کا شکوہ اسی زبان سے..کسی کو دشنام دینا اسی زبان سے..خدا کی ناشکری اسی زبان سے..دھوکہ ٹھگی وغیرہ اسی زبان سے؟ خدا پناہ!

دیکھئے....دودھ نجس برتن میں ڈالا جائے تو وہ شریفوں کے پینے کے قابل نہیں رہتا بلکہ جس برتن کو کتا چاٹ جائے پھر اس میں دودھ ڈالا جائے تو وہ کتے ہی کے کام کا ہوگا جس آنکھ میں غم حسینؑ کا آنسو موتی بنتا ہے تو اس ظرف کو کتے سے محفوظ رکھنا بھی ہمارا فرض ہے، اس کان میں غم حسینؑ کو جگہ دینی ہے تو کتے یعنی شیطان سے اس کو بچانا ہم پر واجب ہے، اسی طرح اگر زبان سے وردِ علیؑ کرنا ہے تو لغویات سے اس کی حفاظت ہمارا فرض ہے ورنہ ذکرِ اہل بیتؑ اپنے مقام پر

مقدس رہے گا لیکن نجس برتن میں ڈالنے سے ہمیں فائدہ نہ دے گا اسی طرح اگر دل میں امام حسینؑ کی قبر ہے تو اس دل کو مومن کی عداوت، حسد، بغض وغیرہ سے پاک کرنا ضروری ہے۔

آیئے.... ہمیں دنیا میں غلام بن کر رہنا ہے آزاد بن کر نہیں رہنا، حضرت امام موسیٰ کاظمؑ ایک گلی سے گزرے تو گانے کی آواز آرہی تھی آپؑ نے اس گھر کی کنیز سے پوچھا کہ کس کا گھر ہے، آزاد کا یا غلام کا؟ تو جواب ملا کہ یہ ایک آزاد کا گھر ہے غلام کا نہیں، پس آپؑ نے فرمایا بیشک اگر غلام کا گھر ہوتا تو یہ آزادی نہ ہوتی، جب کنیز نے واپس جا کر اپنے آقا کو امامؑ کے یہ کلمات سنائے تو وہ شخص تائب ہو گیا۔

نیک نصیب ہے وہ انسان جو بروز قیامت یہ کہنے کی جرأت رکھے کہ میرے اللہ میں نے اپنے اعضأ کو تیری غلامی میں استعمال کیا تھا اور بدنصیب ہوگا وہ جس کے پاس یہ جواب نہ ہوگا۔

بعض غلام اپنے آقا کے سو فیصدی غلام، بعض اَسّی فیصدی بعض اس سے کم اور بعض صفر فیصدی غلام ہوا کرتے ہیں..پس سو فیصدی غلام حلال رزق کھاتے ہیں باقی تھوڑے یا بہت حرام خور ہی رہتے ہیں، ہم اپنے اندر جھانکیں کہ ہم اللہ کے عبد کس نسبت سے ہیں؟ بیشک جو غلام غلاموں میں سے سو فیصدی غلام ہو وہ باقی غلاموں کا سردار ہے یہی وجہ ہے حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام چونکہ مقام عبدیت میں سو فیصدی کی حیثیت رکھتے ہیں حتی کہ ان سے ترکِ اَولیٰ بھی نہیں ہوا تو **لَولاکَ لَماخَلَقتُ الاَفلاک** کے خطاب سے خدا نے اُن کو نوازا اور تمام جہان کی سرداری عنایت فرمائی اور حضورؐ نے فرمایا: **لَمْ یُبْعَثْ نَبِیٌّ قَطُّ اِلَّا بِوِلایَۃِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْطَالِب** کوئی نبی نبی نہیں بن سکا جب تک ولایت علیؑ کا اقرار نہیں کیا، شب معراج رسالتمآبؐ نے تمام ارواحِ انبیأ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم

سے تین اقرار لیے گئے: توحید خدا، رسالت محمدؐ، ولایت علیؑ (برہان)

کیسا آباد دنیا میں صحن فاطمی ہوا
کس کی نظر لگی کہ یہ گھر ماتمی ہوا

اسی تبلیغِ عبدیت کیلئے سادانیاں جنگلوں، پہاڑوں میں ماری ماری پھرتی رہیں، ممالک اسلامیہ میں کوئی پہاڑ.. جنگل.. آبادی.. ویرانہ ایسا نہیں جہاں کسی غریب اور مسافر سید یا سیدزادی کی مزار نہ ہو، دیکھئے کجا مشہد.. کجا مدینہ.. کجا قم.. کجا مدینہ؟

امام موسیٰ کاظمؑ کی پینتیس اولادوں میں سے کہیں بھی دو کی مزاریں اکٹھی نظر نہیں آتیں؟ ہائے غریب بغداد کی شہزادی فاطمہ! خدا معلوم قم المقدسہ کیسے پہنچی ہوگی؟ اور بی بی کو دفن کس نے کیا ہوگا؟ جب کہ اپنا محرم قریب موجود نہ تھا؟

شہر ساوہ میں پہنچ کر بیمار ہوگئیں اور یہاں سے پیغام بھجوایا پس موسیٰ بن خزرج ان کو قم لے گیا اور وہاں اٹھارہ یا اُنیس روز بیمار رہ کر داعی اجل کو لبیک کہا.. جب تجہیز و تکفین کر کے جنازہ پڑھا جا چکا تو دفن کا مسئلہ درپیش تھا، شہر کے ضعیف العمر عالم کو بلوا کر پوچھا گیا آخر کار سب نے بلندی پر جا کر دعا کی اور دو گھوڑے سوار نمودار ہوئے جنہوں نے بی بی کو دفن کیا.. بہت ممکن ہے کہ ایک حضرت امام رضاؑ ہوں اور دوسرے حضرت امام محمد تقیؑ ہوں۔

چوتھی مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ

عبدیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان مال وجان اس کی راہ میں قربان کردے نہ اپنے مال پر ملکیت کا دعویٰ رکھے اور نہ اپنے جسم پر ملکیت کا سکہ قائم کرے۔

دیکھیے..کسی کی حکومت کا عملی اعتراف اس حکومت کے سکہ کی مقبولیت سے ہوا کرتا ہے اگر ملک میں کسی حکومت کا سکہ رائج نہیں تو یقین ہوا کرتا ہے کہ وہ حکومت یہاں نہیں بلکہ حکومت اس کی ہے جس کا سکہ ہے...مملکت بدن میں اگر خدائی سکہ رائج ہوتو سمجھو کہ یہ خدائی ملک ہے ورنہ جس کا سکہ اس کا ملک، خدانہ کرے کہ ہمارے بدن میں ابلیس کی حکومت ہواور خدا نہ کرے کہ ہمارے مال ومتاع میں شیطان کوخراج ادا کیا جاتا ہو؟

پس ہمیں خدائی حقوق کا خیال رکھنا چاہیے اور اہل بیتؑ اطہار نے اپنے مال وجان میں خدائی حقوق کا عملی اعتراف کرکے دکھایا کہ عبدیت کی تفسیر یہ ہے خداوند ہمیں اُن کے اسوۂ حسنہ پرگامزن ہونے کی توفیق دے(آمین)

اسی طرح خداوند حدیث قدسی میں فرماتا ہے عَبۡدِیۡ کُنۡ لِیۡ اَکُنۡ لَکَ اے بندہ تو میرا ہوجاتو میں تیرا ہوجاوں گا، عَبۡدِیۡ اَطِعۡنِیۡ اَجۡعَلُکَ مَثَلِی اے بندہ تو میری اطاعت کرتو میں تجھ کواپنے جیسا بنادوں...اس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح میں چاہتا ہوں اور چیز ہوجایا کرتی ہے اے بندہ! اگرتو میری پوری

اطاعت کرے گا تو تجھے یہ طاقت دونگا کہ تو بھی کسی شئے کے متعلق ارادہ کرے گا تو وہ شئے بھی ہو جائے گی گویا تیرے قول و فعل کو تقدیر بنا دوں گا۔

یہی وجہ ہے کہ اہل بیتؑ نے ارادہ کیا اور وہ چیز ویسے ہو گئی مثلاً آنکھوں سے دیکھتے دیوار سونے کی ہو گئی، بتول عذرا نے وعدہ کیا اور ارادہ کیا تو لباس جنت سے آ گئے، آنے والے نے دروازے پر صدا دی کہ **اَنَا خِیَاطُ الْحَسَنَیْن** اپنے آپ کو نہ مَلک کہا اور نہ دربانِ جنت، گویا جو عبد ہو جائے تو ملائکہ کو بھی ان کے دروازے کی غلامی تمام عہدوں سے برتر نظر آتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک عبدیت سے اوپر کوئی منزل نہیں ہے۔

اسی بنا پر تو حضرت علیؑ نے بھی عبدیت کا مقام مانگا اور تشہد میں حضرت رسالتمآب کی عبدیت کی گواہی کو رسالت کی گواہی سے مقدم رکھا گیا اور شب معراج خدا نے تمام القاب میں سے لقب عبد کو پسند فرمایا **اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ** حضرت عیسیٰؑ نے اپنی نبوت و کتاب کے اظہار سے پہلے اپنی عبدیت کا اعلان فرمایا **اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَاب** پس مقصد یہ ہے کہ عبدیت ہی تمام خدائی عہدوں میں سے ممتاز ترین عہدہ ہے اور نبوت و امامت و رسالت و ولایت اس کے سامنے سرنگوں ہیں جو عبد نہیں وہ نہ نبی ہے نہ امام اور نہ رسول ہے نہ ولی۔

بیشک عبد ہونا عار ہے لیکن اس کا عبد ہونا جو خود عبد اور عاجز ہو... لیکن اس کا عبد ہونا جو مالک اور قادرِ مطلق ہو یہ انسان کیلئے باعث فخر ہے بلکہ اس سے بڑھ کر کوئی مقام عزت ہی نہیں ہے اور جو عبد پورا عبد ہو جائے تو مالک کا اگرچہ عبد ہو گا لیکن باقی عباد پر وہ حاکم ہو گا جیسا کہ عام قدردان سرداروں کا دستور یہی ہے کہ وفادار اور اطاعت شعار غلام کو باقی غلاموں کا سردار بنا دیتے ہیں پس وہ عبد باقی غلاموں پر جو حکم نافذ کرے وہ آقا کا حکم سمجھا جاتا ہے اور جس سے منع کرے وہ آقا کی نہی سمجھی جاتی ہے۔

چنانچہ خداوند کریم نے اپنے رسول کے متعلق صاف فرمایا کہ جو حکم دے وہ کرو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ اور رسالتمآب کے بعد آئمہ اہل بیتؑ کی بھی یہی شان ہے کیونکہ ان کی عبدیت کا مقام بلند تر ہے، پس کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر ان کی حکومت کا سکہ ہے یہی وجہ ہے کہ سورج نے دوبارہ پلٹ کر ان کو سلام کیا اور نجم نے اُتر کر ان کی چوکھٹ پر جبہ سائی کی اور ملائکہ نے اسی دروازہ پر آسیہ گردانی اور مہد جنبانی کے فرائض انجام دیئے اور ان کا وجود عالمین کیلئے باعث رحمت وفیض قرار دیا گیا۔

چنانچہ حضرت امام حسینؑ کی ولادت کی مبارکباد کیلئے فطرس یا دردائیل یا صلصائیل دوش جبریل پر حاضر ہوا اور امام حسینؑ کے جسم کے ساتھ جسم کو مس کر کے شفایاب ہوا اور واپس آسمان کی طرف فخر کرتا ہوا گیا **مَنْ مِثْلِیْ وَاَنَا عَتِیْقُ الْحُسَیْن** اب میرے برابر کون ہوسکتا ہے کہ میں امام حسینؑ کا آزاد کردہ غلام ہوں؟

حضرت نوحؑ کو امت پتھر مارتی تھی حتی کہ آپؑ پتھروں میں دب جاتے تھے پس جبریل آپؑ کے جسم سے پتھر ہٹاتا اور زخمی جسم پر اپنے پر مس کرتا اور آپؑ تندرست ہوتے تھے... نبی زخمی ہوں تو فرشتے کے پر مرہم بنیں اور اگر فرشتہ زخمی ہو تو امام حسینؑ کا جسم مرہم!

ہائے وہ کیسے مسلمان تھے جنہوں نے امام حسینؑ کو پیاسا شہید کیا؟ امام حسینؑ پہلے پیاسے تھے چنانچہ قبل از ولادت بھی **اَنَا عَطْشَانٌ** شکم مادر سے آواز دیتے تھے پھر ماں ہر رات کو ٹھنڈے پانی کا انتظام فرماتی تھیں اور بوقت شہادت بنا برقول جناب زینبؑ کو وصیت کر گئی تھیں کہ بھائی کے سرہانے ہر رات ٹھنڈے پانی کا جام رکھ دینا.. ہائے آج کربلا میں امام حسینؑ کی پیاس بڑھ گئی.. دھوپ کی شدت.. مصائب کی بھر مار.. زمین گرم.. ہوا گرم.. پانی کی بندش.. پھر عزیزوں

کی موت کا صدمہ.. پردہ داروں کا فکر اور جسم پر تیروں کی برسات؟

ہائے بہن نے کس حوصلہ سے دیکھا ہوگا کہ خشک لبوں پر زبان پھیر رہے تھے لیکن واہ رے استقلال امام حسینؑ! ممکن ہے بہن نے کہا ہو بھائی جان پیاس کا کیا حال ہے؟ کیونکہ آج تیسری شب سے پانی کا انتظام نہیں ہوسکا؟ اور بنابر روایت آخر وقت شمر کو فرمایا میرے بھائی کو پیاسا نہ مار اور عمر سعد سے کہا کیا تو دیکھتا ہے اور میرا بھائی پیاسا مارا جا رہا ہے؟

ہائے امام حسینؑ کی پیاس کا بچوں کو کس قدر صدمہ تھا کہ گھوڑے کی زین کو خالی دیکھا تو ہاتھوں سے پانی کے خالی جام زمین پر پھینک دیئے کیونکہ اب یقین ہوگیا کہ پانی لانے والا کوئی نہیں رہا۔

گل نازک چمن رسالت دے جڈاں جھنڑ پئے وچ صحرائے
ہک ریت گرم بیا گرم ہوا گئے اکثر گل کملائے
بہوں غنچے برگ و برگ تھئے جڈاں گھوڑیاں قدم ودھائے
پا رات دا برقعہ نکھڑیاں کلیاں رہی چنڑدی عون دی مائے

پانچویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ

میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں یا مجھے پہچانیں..عبادت فرع ہے معرفت کی اور پھر جس قدر معرفت ہوگی اسی قدر عبادت ہوگی مثلاً جو شخص شیر کو نہیں پہچانتا اس سے نہیں ڈرتا اور جب پہچان لیتا ہے تو خوف اس کے اندر آجاتا ہے اسی طرح اگر حکومت کا وعدہ ہو کہ فلاں عمل پر اس قدر انعام ہوگا اور فلاں جرم کی اس قدر سزا ہوگی تو یقین حاصل کرنے کے بعد انعام کی طرف قدم بڑھے گا اور جرم سے طبیعت کنارہ کش ہوگی حالانکہ دنیاوی حکومت میں خلاف وعدہ کا احتمال بھی ہوا کرتا ہے لیکن خدا میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ خلاف وعدہ کے لئے کوئی داعی چاہیئے کہ خزانہ کی کمی کا خطرہ، تہی دستی کا بہانہ یا کوئی مجبوری لیکن وہاں کوئی خطرہ نہیں وہ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡر ہے، نہ اس کی سزا سے کوئی بچاؤ ممکن ہے اور نہ اس کی جزا سے کوئی رکاوٹ ہوسکتی ہے اور وعدہ بھی بار بار کیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ انسان اس کی اطاعت کی طرف قدم نہیں اُٹھاتا؟ پس سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی ذات کی معرفت نہیں ہے۔

سب سے پہلے انسان سوچے کہ مجھے جو اس نے پیدا کیا ہے کیا یہ اس کا لطف وکرم اور احسان نہیں ہے؟ اس اللہ کو کیا ضرورت تھی؟ نہ اس کو دشمن کا خوف، نہ ملک کے سلب ہونے کا ڈر، نہ وحشت وتنہائی کا خطرہ اور نہ قوت وفوج حاصل کرنے کا طمع

حتی کہ نہ عبادت واطاعت کی ہوس و تشنگی... کیونکہ اس سب کچھ کے بغیر بھی وہ جامع جمیع صفاتِ کمال تھا اور اب بھی ہے پس صرف احسان و فضل سے سب مخلوق کو پیدا کیا اور جس طرح پیدا کرنے میں وہ کسی کا محتاج نہیں اب سب مخلوق کے باقی رکھنے میں بھی وہ کسی کا پابند نہیں ہے اور نہ مجبور ہے بلکہ جس طرح اس کو پیدا کرنے میں دیر نہیں لگی اسی طرح فنا میں دیر نہیں لگے گی یعنی جس طرح کُنْ سے ایجاد واقع ہوئی اسی طرح وہ کُنْ سے فنا بھی کرسکتا ہے اور خداوند کریم نے اپنی عبادت کی تحریک کیلئے تین ذرائع بیان فرمائے ہیں: احسان کا ذکر، اطاعت کے بدلہ میں جنت کی پیشکش، نافرمانی کی سزا جہنم کا ذکر.

دیکھئے اس نے تین ظلمتوں میں انسان کی تصویر کشی کی.... چنانچہ فرمایا: فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ اپنا پردہ، رحم کا پردہ، شکم کا پردہ

اس تاریک در تاریک مقام میں تصویر اتنی کامل کہ کوئی نقص نکالنے کی جرأت نہ کرسکے حالانکہ فوٹو کیلئے روشنی کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور لطف یہ کہ منہ کے تھوڑے سے رقبہ میں کروڑہا شکلیں بنائیں کہ ایک دوسری کے مشابہ نہیں بلکہ ہر عضو انسانی دوسرے انسان کے اس عضو سے جدا شکل میں خلق فرمایا اور انسان اگر اپنی بدنی کیفیات میں دھیان دے تو اسے ہر کیفیت اپنے خالق و مدبر کا پتہ دیتی ہے، بدن کے ایک حصہ میں درد کھڑا ہو جائے تو یہ انسان اس کے ختم کرنے کے لئے ہزار جتن کرتا ہے خود کوشش کرتا ہے، پیر و مرشد سے دم کراتا ہے، مسجد و روضہ کا طواف کرتا ہے اور پھر بھی اس کی تکلیف ساری کائناتِ جسم کے لئے جان لیوا بنی رہتی ہے تو انسان کے لئے تنبیہ ہے کہ یہ عضو تیری ملکیت میں نہیں کیونکہ اگر تیرا مملوک ہوتا تو تجھے اس قدر ذلیل نہ کرتا؟ پس وہ اپنی زبانِ بے زبانی سے صاف پکار رہا ہوتا ہے کہ یہ خدا کی ملکیت ہے وہ جو چاہیے اس میں تصرف کرسکتا ہے

اورانسان کی ملکیت صرف زبردستی اور تحکم کی حیثیت رکھتی ہے۔

لطف تب ہے کہ انسان اپنے اختیار سے پہلے اپنے اعضاؑ کو خدا کی ملکیت قرار دے..آنکھ آنکھ رہ کر اس کی ہو جائے ورنہ نابینا ہونے کے بعد توبہ کرنے کا کیا فائدہ؟اسی طرح ہاتھ.. پاؤں..کان..زبان..وغیرہ بحالت تندرستی اس کی اطاعت کا دم بھریں تو لطف ہے:

در جوانی توبہ کردن شیواء پیغمبری

وہ اللہ جس نے کتم عدم سے انسان کو خلعت وجود عطا فرمایا، انسان کی دنیا میں آمد سے قبل اس کے ماں باپ کو رحیم دل عطا فرمایا جو مدت سے اس نووارد مہمان کی انتظار میں شب و روز گھڑیاں گن رہے تھے..آرام کیلئے ماں کی نرم گود موجود، خدمت کے لئے باپ کی توانائی حاضر، محبت کے لئے اقرباؑ کا رحیم دل موجود، غذا کیلئے اس کی طبیعت کے موافق و معقول انتظام موجود، غرضیکہ اس نووارد کو ذرّہ بھر تکلیف نہیں کرنی پڑتی اور بسم اللہ پڑھ کے بلانے والے پہلے سے موجود ہوتے ہیں...شکم مادر میں خون جو بچہ کی خوراک بنتا ہے اس کو بصورت دودھ ماں کے سینے کی دونہروں سے خدا طاہر فرما دیتا ہے تا کہ جس ماحول سے آیا ہے اسی ماحول کی غذا کچھ عرصہ تک کھائے اور اس پاکیزہ زندگی میں پہلے سے زبان کو دودھ جیسی پاک غذا کا عادی بنائے کیونکہ وہ دنیا کی سخت غذاؤں کا متحمل نہیں ہوسکتا، نیز یہ بھی اشارہ ہے کہ آئندہ چل کر اس منہ کو ناپاک غذاؤں کا عادی نہ بنائے اور منہ کو پاک رکھنے کی ابتداً خاک شفا یا شہد سے کرائی جاتی ہے تا کہ بعد میں اس کو طہارت کا احساس رہے اور پھر ماں کے سینے سے اس کی غذا کا سلسلہ جاری ہوتا ہے جو اس کی طبیعت کے لئے موزوں و مناسب ہوتا ہے۔

امام علی رضاؑ کے طبی اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسافر اگر دورانِ سفر

اپنے وطن کی مٹی ساتھ رکھے اور پانی میں ذرّہ بھر ملا کر اس کو پیتا رہے تو مخالف آب وہوا کا اس پر اثر نہ ہوگا۔

خداوند کریم نے بچے کی سابقہ غذا (خون) کو دودھ کی شکل میں تبدیل کر کے یہاں مہیا کیا ہے تا کہ اس ماحول کی آب وہوا اس کی مخالف نہ ہو...پھر رفتہ رفتہ جب ماحول سے مانوس ہو چکتا ہے تو آہستہ آہستہ دنیاوی غذاؤں کا عادی بنایا جاتا ہے۔

ابتدأ میں اس کا نازک حلق چونکہ دودھ کی تیز دھار کے برداشت کے قابل نہیں ہوتا اسلئے خداوند کریم نے اپنی حکمت کاملہ سے دودھ کی ہر نہر کو سولہ سولہ سوراخوں میں منقسم کر دیا ہے تا کہ مناسب مقدار میں مناسب رفتار سے دودھ خارج ہو اور بچے کا نازک حلق اس کو آسانی سے برداشت کر سکے اور رفتہ رفتہ جب بچہ دنیا کی سخت غذاؤں کو ہضم کرنے کے قابل ہوتا ہے تو خدا اس کے منہ میں دانت پیدا کرتا ہے تا کہ سخت غذاؤں کو نرم بنا سکے ظاہری دانت کاٹنے کیلئے اور پہلو والے چبانے کیلئے ہوتے ہیں تا کہ غذا کا معدہ پر بوجھ نہ پڑے پس اس کی خلقت کی لطافت و دقت پر نظر دوڑانے سے خالق حکیم کی عظمت کا پتہ چلتا ہے اور یہ چیز انسان کو اپنے خالق کے سامنے جھکنے پر مجبور کرتی ہے۔

لیکن وائے ہو انسان پر کہ وہ حسن کے سامنے جھک جاتا ہے، طاقت کے سامنے جھک جاتا ہے، معمولی سے معمولی فائدہ کے سامنے جھک جاتا ہے اور اس محسن حقیقی کے سامنے نہیں جھکتا جس نے کتم عدم سے خلعت وجود سے نوازا؟

قدم قدم پر سالکہ منزل عرفان جناب زینب کی منازل درد کا تصور سامنے آجاتا ہے...اللہ رے اس مخدومہ کی عظمت بھائی کی لاش سے ہٹ کر کہہ رہی ہے **اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا ھٰذَا الْقَلِیْلَ الْقُرْبَان** اے اللہ زینب کی اس مختصر سی قربانی کو منظور فرما۔

ہائے پر ارمان بی بی! میں کہا کرتا ہوں بھائی جوان عزیز ہوتے ہیں لیکن

جوان بہن شرفا کو زیادہ عزیز ہوتی ہے اگر بھائی کو کوئی جھڑک دے تو دل برداشت کرلیا کرتا ہے لیکن بہن....؟ ہائے مولا حسینؑ یہ تیرا ہی کام تھا اسی طرح شریفوں کو جوان بیٹے سے جوان بیٹی زیادہ عزیز ہوا کرتی ہے... بیٹے کا جھڑکا جانا برداشت کیا جاتا ہے لیکن بیٹی کا جھڑکا جانا برداشت نہیں ہوتا ہائے امام حسینؑ نا معلوم سکینہ نے کس طرح فریاد کی ہوگی اور تو نے کس طرح برداشت کیا ہوگا؟ شب یازدہم شہزادی نے بابا کی لاش پر پہنچ کر کیسے کہا ہوگا بابا تیرے بعد مجھے ظالم جھڑکتے ہیں میرے دُرّ کانوں سے اتار لئے گئے ہیں؟

امام سجادؑ کیوں نہ روتے کسی کے پردہ دار بازار سے گزر کر دیکھیں تو پتہ چلے؟ خدا کی قسم ہزار قسم کے پردہ کے انتظامات ہوتے ہیں کاروں میں تانگوں میں لیکن پھر بھی شریف کا دل برداشت نہیں کرسکتا وہ چاہتا ہے کہ کوئی نظر اٹھا کر نہ دیکھے حالانکہ انتظامات موجود ہوتے ہیں ہائے زینب.. نہ چادر.. نہ مقنعہ اور ہاتھ بھی رسن بستہ اور ہر طرف اعدا کا مجمع؟

ایک مرتبہ کسی نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا حضور آپؑ روتے کیوں ہیں؟ حالانکہ قتل ہونا تو آپ کا فخر ہے؟ آپؑ نے فرمایا تو نے انصاف نہیں کیا بے شک قتل ہونا تو ہمارا ورثہ اور ہمارے لئے باعث فخر ہے لیکن کیا ماؤں، بہنوں، پھوپھیوں، بیٹیوں کا قید کر کے بے پردہ در بدر پھرایا جانا بھی ہمارا فخر ہے؟

چھٹی مجلس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنَ

جس قدر معرفت خدا ہوگی اسی قدر عبادت ہوگی اور عبادات کی مقبولیت کا دارومدار بھی معرفت پر ہی ہے نیز خدائی احکام کا بوجھ بھی معرفت کے درجات کے موافق ہے اور جزاوسزا بھی اسی سے وابستہ ہیں۔

فرشتوں نے جزیرہ میں ایک عابد کو دیکھا اور خدا سے اس کی جزا دیکھنے کا سوال کیا چنانچہ جب دکھائی گئی تو وہ کم تھی پس ان کو اس عابد کی عبادت کا قریب سے جائزہ لینے کا حکم دیا.. چنانچہ فرشتے آئے اور عابد سے بات چیت ہوئی تو عابد نے کہا دل اس جزیرہ میں بہت خوش ہے اور عبادت پر بڑا راضی ہوں لیکن افسوس ہے کہ سب گھاس ضائع ہورہا ہے اگر خدا کا کوئی گدھا ہوتا تو اس میں چراتا اور یہ گھاس ضائع نہ ہوتا پس فرشتوں نے واپس آکر عرض کیا اے پالنے والے تیرا فیصلہ حق ہے۔

حضرت موسیٰ کا ایک عابد سے گزر ہوا اس کی عبادت کو کمزور پایا اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا تو خطاب ہوا جس کو جس قدر معرفت دیتا ہوں اس پر عبادت کا اُتنا ہی بوجھ رکھتا ہوں تیری عبادت تیری معرفت کے لحاظ سے ہے اور اس کی عبادت اس کی معرفت کے لحاظ سے..اور اگر تو بھی مجھے اس طرح پہنچانتا جس طرح میں خود اپنے آپ کو پہنچانتا ہوں تو تجھے اپنی موجودہ عبادت حقیر معلوم ہوتی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نمازیں ٹکّریں ہیں پس ہم نماز نہیں پڑھتے چونکہ ٹکّر کا کیا فائدہ؟ ایسے لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ نماز اُن لوگوں کی ٹکّر ہے جو وِلائے علیؑ کو نہیں پہچانتے...پس ولائے علیؑ کی موجودگی میں جو شخص اپنی نماز کو ٹکّر سمجھے اس نے درحقیقت ولائے علیؑ کو نہیں پہچانا۔

دیکھئے...جس طرح زمین کے زرخیز کرنے کیلئے کھاد کی ضرورت ہوا کرتی ہے اس طرح زمین عمل کو علیؑ کی وِلا زرخیز بناتی ہے اور علیؑ کی وِلا کی موجودگی میں کوئی عمل برباد نہیں ہوتا ارمان ان لوگوں پر جو زمین زرخیز بنائے بغیر بیج عمل کو ضائع کرتے ہیں اور ارمان ان لوگوں پر جو زمین زرخیز کی موجودگی میں عمل کا بیج کاشت نہیں کرتے اور بروز محشر یہ دونوں حسرت وافسوس کا ہاتھ ملیں گے وہ کہیں گے کاش ولائے علیؑ کے ذریعہ سے زمین عمل کو زرخیز بنایا ہوتا اور یہ کہیں گے کاش زمین عمل زرخیز تھی اور اس میں عمل کا بیج بویا ہوتا!؟

بیج کامل ہے یعنی قرآنی آیات اور زمین بھی کامل ہے یعنی انسانی وجود اور کاشتکار اس کے محمد آل محمد علیہم السلام ہیں..نیز زمین زرخیز پر جتنی محنت ہو گی وہ اتنا زیادہ پھل دے گی کیونکہ ایک کا دس گنا تو بہر کیف ضروری ہے پھر اگر زیادہ محنت ہو تو ایک کا ایک سو اور اس سے زیادہ ہو تو ایک کا سات سو پھر ایک کا ایک ہزار پھر ایک کا ایک لاکھ اور بعض اوقات ایک کے بدلہ میں اتنا پھل ہو گا کہ جنّ وملک وانسان اس کو تا قیامت شمار بھی نہ کر سکیں گے (یہاں محنت سے مراد خضوع و خشوع واخلاص ہے)

دیکھئے جن کی نماز باعث مسرت ہے وہ پڑھتے نہیں اور جو پڑھتے ہیں ان کی قبول نہیں ہوتی کیونکہ وِلائے علیؑ سے محروم ہیں اب انصاف سے بتایئے کہ قرآن کا پرسانِ حال کون ہو گا؟

اے اہل ایمان! قرآن کو سنبھالو کہ یہ تمہارے لئے ہے زرخیز زمین بیج کو ضائع نہیں کرتی البتہ جو فضول اور ردی خیالات دل میں گھس آتے ہیں وہ اس طرح ہیں جس طرح زرخیز زمین میں مزروعہ بیج کے علاوہ ردی اور فضول گھاس اُگ آتا ہے پس زمیندار فضول گھاس کے خطرہ سے زمین کو بنجر نہیں چھوڑتا کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ گھاس اپنے موسم پر خشک ہو کر گل سڑ جائے گا اور مزروعہ فصل اپنے موسم پر تیار ہو جائے گا اسی طرح نماز پڑھنے والے کے دل میں اگر ردی خیالات آ جائیں تو گھبرائے نہیں کیونکہ یہ ردی گھاس کی طرح ہیں وقت سے پہلے یہ ختم ہو جائیں گے اور نماز صحیح وسالم بچ جائے گی اور موجب جزا ہو گی۔

نیز یہ خیال نہ کرو کہ حبیب بن مظاہر کی نماز کی طرح ہم نماز نہیں پڑھ سکتے کیونکہ جس قدر کسی کی معرفت ہو گی اسی قدر عمل کی برتری ہو گی.. یا یوں سمجھئے سو مربعہ والا سو مربعہ کا فصل اٹھائے گا لیکن ایک مربعہ والا ایک مربعہ کا فصل اٹھائے گا، ایک مربعہ والا بڑے زمیندار کی ضد سے اپنے تھوڑے رقبہ کو چھوڑ نہیں دیا کرتا اسی طرح اگر حبیب کیلئے اپنی معرفت کے لحاظ سے اعمال کا صلہ ہو گا تو تم کو بھی اپنی معرفت کے لحاظ سے اپنے اعمال کا صلہ ملے گا لیکن ملے گا ضرور...حبیب پہلی صف کا امام کا مقتدی ہے تو ہم کم از کم آخری صف میں تو کھڑے ہوئے نظر آئیں حبیب امام حسینؑ کا وفادار اور جانثار صحابی ہے جس نے اپنے آپ کو حسینیت کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔

آہ...خواب میں کسی نے حبیب بن مظاہر کو باغ جنت میں غمزدہ دیکھا اور سبب پوچھا تو جواب دیا کہ امام حسینؑ کے ماتم دار جب صف ماتم بچھاتے ہیں تو میرے دل میں درد آتا ہے کہ خدا ایک دفعہ زندگی دے تا کہ دنیا میں جا کر صفِ عزائے امام حسینؑ بچھاؤں۔

امام حسینؑ کی پر ارمان بہن کو بھائی کے غم میں جی بھر کر رونے کا موقعہ نہ ملا؟ جس بہن کے سامنے بھائی دم توڑ رہا ہو وہ بہن بھائی سے دور نہیں رہ سکتی، لیکن ہائے زینب امام حسینؑ کے پاس نہ جاسکی اور پاس جانا تو بجائے خود بھائی کی شہادت کے بعد بھی لاش کو جی بھر کر دیکھ نہ سکی نہ ماتم کر سکی نہ ہاتھ پاؤں کو جوڑ سکی؟ حتی کہ جب مقتل گاہ میں آئی تو بروایت مزامیر ایک بلند جگہ دیکھی اور وہ تیروں، تلواروں، نیزوں کی اَنیوں اور پتھروں کا انبار تھا کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اُن کو ہٹایا تو بھائی کی لاش پر نظر پڑی بوسہ کا ارادہ کیا تو جسم خستہ نظر آیا آخر پُر ارمان بہن نے یہی کہا:

جائے یک بوسۂ من در ہمہ اعضائے تو نیست

اے بھائی...زخموں کی کثرت کی وجہ سے تیرے جسم کے کسی حصہ کو بہن بوسہ نہیں دے سکتی؟

لتھی ودھ ودھ ظلم دی اتنی بارش دل اہل قلم دے ہل گئے
مخدوم زمانے سارے دے ہر لہندے ظلم کو جھل گئے
وچ شام دے کڑکی ظلم دی بجلی یکسر حالات بدل گئے
لتھی ایجیہاں بارش بالاں دے بے وس کُرلاٹ نکل گئے

ساتویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ

اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو زبردستی اپنی طرف جھکا تا لیکن اس نے انسان کو اپنے اختیارات سے عبادت کا حکم دیا ہے وہ اتنا جابر و قادر ہے اگر چاہے تو کنکر سے پہاڑ کو اُڑا دے.. اگر چاہے تو ذرّہ سے عالم کو تباہ کر دے.. اگر چاہے تو مچھر سے نمرود جیسے طاغوت سرکش کو سزا دے.. اور اگر چاہے تو ابابیل جیسے چھوٹے پرندوں سے ہاتھیوں کی فوج کا منہ موڑ دے، لیکن بایں ہمہ اس نے اپنے کمال فضل وکرم سے انسان پر کوئی زبردستی نہیں کی اور پورا اختیار دے رکھا ہے چاہے جنت کا راستہ لے چاہے دوزخ کا راستہ لے۔

خداوند نے انسان کو دوزخ کیلئے نہیں بنایا کیونکہ کوئی صاحب عقل ایک عالی شان محل کو ہزار ہا محنت ومشقت سے بنانے کے بعد اُسے نذر آتش نہیں کرتا تو خدا نے انسان کو نہایت احسن تقویم میں پیدا کر کے کیونکر دوزخ کیلئے بنایا ہے؟ نہیں اس نے جنت کے لئے اس کو بنایا ہے اور انسان خواہ مخواہ شیطان کا پیچھا نہیں چھوڑتا!

خداوندا گر چاہتا تو نافرمانی پر فوری گرفت کرتا لیکن یہ اس کا کام ہے جس کو ڈر ہو کہ آج موقعہ ہاتھ سے نکل گیا تو ممکن ہے کل دشمن ہاتھ میں نہ آئے؟ نیز بعض اوقات جذبات کی تکمیل مجبور کرتی ہے اور خداوند جذبات سے پاک ہے اور عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡر ہے اس کے ہاتھ سے کوئی نکل کر کہیں جا نہیں سکتا لہذا اُس نے

اپنے کمال و فضل سے انسان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا تا کہ وہ جس وقت رجوع کرنا چاہے رکاوٹ نہ ہو۔

امام زین العابدینؑ سے کسی نے اپنے گناہوں کا شکوہ کیا تو آپؑ نے فرمایا چند کام کرو اور پھر بے شک گناہ کرتے پھرو:

- خداوند کی زمین سے نکل جاؤ اور بے شک گناہ کرو۔
- اس کے آسمان کے سایہ سے باہر ہو جاؤ اور جو جی چاہے کرتے پھرو۔
- اس کا رزق نہ کھاؤ اور ہر گناہ کرو۔
- اگر طاقت ہو کہ جب اس کا قاصد آئے تو اس کو ہٹا دو یعنی ملک الموت کو دور کر دو تو جو جی چاہے گناہ کرو۔

اس نے عرض کیا حضور یہ تو نہیں ہو سکتا؟ آپؑ نے فرمایا پھر خدا کی نافرمانی سے شرم کرو اور اپنے نفس پر کنٹرول کرو۔۔خداوند تو اس قدر مہربان ہے کہ چار سو برس کی سرکشی اور ردائے ربوبیت میں ہاتھ ڈالنے والے فرعون کے سامنے بھی اس نے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ حضرات موسیٰؑ و ہارونؑ کو تورات دے کر خصوصی دعوت کے لیے روانہ فرمایا اور نرم لہجہ میں گفتگو کرنے کی فہمائش کی۔۔یہ فرعون کی بدبختی تھی کہ اس نے اپنے رحیم پروردگار کی دعوت کو ٹھکرا کر خدائی راگ الاپنے سے باز نہ آیا اور آخر کار لقمہ عذاب ہو کر رہا۔

قارون نے زکواۃ کے حکم سے سرتابی کی اور سردارانِ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ متفق کیا۔۔۔ایک بدمعاش عورت کو لالچ دیا جب حضرت موسیٰؑ پر اس عورت نے اتہام کی کوشش کی اس کی زبان بند ہو گئی اور تین دفعہ ایسا ہونے کے بعد عورت نے توبہ کر لی اور حضرت موسیٰؑ کو راز بتا دیا تو حضرت موسیٰ قارون پر خفا ہوئے اور اس کیلئے عذاب کی دعا مانگی خداوند کریم نے زمین ان کے تابع کر دی چنانچہ زمین

قارون کو نگلتی گئی اور وہ بھی ہر بار معافی مانگتا رہا لیکن حضرت موسیٰؑ نے معافی نہ دی اور وہ آخر کار زمین میں غرق ہوگیا پس غالباً چالیس روز تک سلسلہ کلام بند رہا اور آخر کار آواز آئی... اے موسیٰؑ اگر وہ بدبخت مجھے خطاب کر کے معافی مانگ لیتا تو میں اب بھی اس کو معاف کر دیتا۔

ایک گناہگار کو شہر والوں نے جلاوطن کر دیا اور حضرت موسیٰؑ نے بھی اس کو شہر بدر کر دیا تو وہ مارا مارا پھرتا رہا آخر پہاڑ کے دامن میں آیا اور بیمار ہوا عالم بیماری میں اس نے خدا سے مناجات کی:

اے اللہ! مجھے شہر والوں نے حتی کہ تیرے موسیٰ نبی نے بھی اپنے شہر سے نکال دیا ہے اگر تو بھی مجھے اپنی حدود سے باہر کر دے تو میرا کوئی ٹھکانہ نہیں پس گڑگڑا کر اور رو رو کر توبہ کی.

تو خداوند عالم نے اس کے اعزا و اقربأ کی شکل میں چند فرشتے اس کی تیمارداری کیلئے بھیجے وہ ان کو دیکھ کر حیران ہوگیا تو انہوں نے کہا ہم وہ نہیں جو تو نے سمجھا ہے بلکہ ہم ملائکہ ہیں اور تیری توبہ کی وجہ سے خدا نے ہم کو تیری تیمارداری کے لئے معین فرمایا ہے اور وہ فرماتا ہے **اَیْنَ کُنْتَ فِیْ هٰذِهِ الْمُدَّة** یعنی اتنی طویل مدت تو مجھ سے کیوں دور رہا؟ حالانکہ میں تیرا مہربان خدا ہوں۔

اب ایسے رحیم و کریم بادشاہ سے منہ پھیرنا کس قدر بے حیائی ہے اگر ایک انسان دوسرے پر ذرّہ بھر بھی احسان کر دے مثلاً روٹی کھلا دے تو روٹی کھانے والا اس کا ممنون و احسان مند رہا کرتا ہے اگر وہ روٹی بھی کھلائے مکان اور زمین بھی دے پھر تو وہ اور بھی زیادہ زیر احسان ہوگا اب اس کی ناشناسی انتہائی بے شرمی اور ناقابل عفو جرم ہوگا... پس دیکھئے خداوند کریم نے ہماری آمد سے قبل ہمارے لئے سب کچھ بنایا اور ہر وقت اپنے رزق سے نوازا اور پھر عمر بھر نعمتوں کی بوچھاڑ رہی

لیکن انسان پھر بھی شیطان کا ہو جائے تو افسوس صد افسوس۔

فطری دستور ہے کہ اپنے سے بڑا اگر شرف باریابی دے تو انسان خوشی محسوس کرتا ہے مثلاً کسی کی گورنر سے یا صدر سے ملاقات ہو جائے تو وہ پھولا نہیں سماتا اور ایسی ملاقات کے لئے ہر ممکن قربانی کے لیے تیار ہو جاتا ہے لیکن بغیر کسی کوشش کے اور بغیر کسی خرچ کے خداوند کریم اپنے بندوں کو روزانہ پانچ مرتبہ اپنی بارگاہ میں شرفیابی کا موقعہ دیتا ہے اور اس کی طرف سے بلانے والا دعوت عام بلند مقام پر کھڑے ہو کر دیتا ہے لیکن اس کی آواز کو کوئی کان دھر کر سنتا ہی نہیں ہائے معرفت کے کان ہوں اور عارف دل ہو تو آواز کیوں نہ سنائی دے؟

امام حسینؑ نے آواز توحید سنی اور اس کی طرف کھچتے گئے یزید چاہتا تھا آواز خالق کو دبا دوں اور امام حسینؑ نے عزم صمیم کر لیا تھا کہ سب کچھ لٹا دونگا لیکن متاعِ توحید نہ لٹنے دوں گا..سر کٹ جائے گا لیکن جادۂ حق سے قدم نہ ہٹے گا، یزید نے چاہا کہ اسلام کے سر سے وقار کی چادر چھین لوں اور ناموس اسلام کو بے نقاب کر دوں لیکن امام حسینؑ کی شیر دل اور سراپا عرفان بہن نے للکار کر جواب دیا اے کمینہ تیرا خیال خام ہے میں اپنی چادر لٹا دوں گی اسلام اور اسلام والوں کے سر پر ناموس و وقار کی چادر چھوڑ جاؤں گی۔

حضرت ایوبؑ کی زوجہ کے سر سے برقعہ کسی نے چھینا نہیں تھا بلکہ ہاتھ تک کس نے نہیں لگایا تھا تاہم حضرت ایوبؑ کا جام صبر لبریز ہو گیا تھا اور زوجہ ایوبؑ بھی اس کی تابِ برداشت نہ لا سکی تھی۔

قربان ہمت واستقلال زینب عالیہ! چادر چھن گئی ہر طرف سے طعنہ زنی کی صدائیں بلند ہوئیں تماشائی شہر بہ شہر موجود تھے لیکن پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور آخر کار اپنی صداقت کا لوہا منوا کے رہی اور بھائی حسین کی بے گناہی سے

یزیدیت و بربریت کا غبار ہٹا کے رہی...اس بی بی کو معلوم تھا کہ جس عظیم الشان قربانی کے پیچھے کوئی زبردست محافل عوام میں اس کا پرچار نہ کرے تو حاسد اور ظالم اس قربانی کی عظمت کو کم کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس قربانی کے وجود سے انکار کر جاتے ہیں اور بی بی کو تجربہ تھا کہ آج سے قبل میرے محسن بھائی کی قربانی اور میری ماں زہراؑ کا حق بھی ظلم واستبداد کی نذر ہو گیا کیونکہ اس کا پرچار کرنے والا کوئی نہ تھا اس لئے بی بی نے اب ہر مصیبت کو برداشت کیا لیکن امام حسینؑ کے ناحق خون کو نہ دبنے دیا اور اس کو اس قدر اُبھارا کہ اب قیامت تک اُبھرتا چلا جائے گا۔

عزیزوں کی شہادت اور عزت واحترام کے لٹ جانے اور بے آس ہونے کے بعد ناممکن ہے کہ کسی مرد کے ہوش ٹھکانے رہیں لیکن مستور ہو کر اس فاتحہ مصائب اور فاتحہ کرب و بلا خاتون کا جگر تھا کہ ہر مرحلہ پر امام حسینؑ کی صداقت کی شہادت دیتی گئی...اور ابن زیاد اور یزید جیسے فراعنہ وقت کے درباروں میں بلا جھجھک اپنی شان کے ایسے خطبے پڑھے کہ سننے والوں کو لہجہ امیر المومنینؑ یاد آیا اور لوگ کلیجہ تھام کر روتے تھے... یہانتک کہ امام حسینؑ کی بے گناہی اور مظلومی کا لوگوں کے دلوں میں نشان قائم ہو گیا۔

یہ مجلسیں اسی مخدومہ بی بی کے خطبوں کی یادگار ہیں اور ہمارے جلوسِ عزا اسی طرح اسی مخدومہ کے جلوس کی شبیہ ہیں جو تا قیام قیامت قائم رہیں گے۔

خدا کی قسم بی بی نے بازار کوفہ میں اپنے بے گناہ بھائی کی عظمت کی گواہی میں وہ مجلس پڑھی کہ یکبار سناٹا چھا گیا اور لوگ چیخیں مار کر رو رہے تھے.. ہائے حسینؑ!

آٹھویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ

عبدیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اپنے مولا کے رنگ میں رنگ دے..مولا کو جو چیز پسند آئے اسے اختیار کرے اور مولا کو جس چیز سے نفرت ہو اُسے ترک کر دے....اور عبدیت کا بلند پہلو یہ ہے کہ مولا کو حکم کرنے کی حاجت نہ ہو بلکہ اس کے ارادہ کو بھانپ کر خود اقدام کرے اور جب انسان **تَخَلَّقُوۡا بِأَخۡلَاقِ اللّٰہ** کا مصداق بنتا ہے تو خدا بھی اس بندے کا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں حضرت داؤدؑ کو خطاب ہوا میرے لیے گھر صاف کرو عرض کیا اے پروردگار! تو گھر سے بے نیاز ہے کونسا گھر صاف کروں؟ ارشاد ہوا میں آسمان و زمین میں نہیں سما سکتا بلکہ اگر کہیں سما سکتا ہوں تو وہ مومن کا دل ہے پس مومن کا دل کاشانۂ توحید ہے اس میں غیر کا قدم نہ آئے تو لطف ہے۔

لطیفہ

جس طرح مملکت بدن میں دل کی حیثیت ہے اسی طرح پوری روئے زمین پر کعبہ زمین کا دل ہے اور ظاہری کعبہ غیروں سے صاف ہوا جب حضرت علیؑ کا قدم آیا...پس انسان کا کعبہ دل بھی درحقیقت صحیح معنوں میں اس وقت اغیار کی کثافت سے صاف ہوگا جب مولا علیؑ کی وِلا اس میں آئے گی..پس ولائے علیؑ سے دل کاشانۂ توحید بننے کے قابل ہوگا...چنانچہ اس مطلب پر ایک حدیث شاہد ہے:

حُبُّ عَلِيٍّ يَأْكُلُ الذُّنُوبَ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَب حضرت علیؑ کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح خشک لکڑی کو آگ کھا جاتی ہے۔

لوگ اس حدیث سے غلط استنباط کر کے عوام کو دھوکے میں ڈالتے ہیں اور مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی محبت کے بعد بیشک گناہ کرتے پھرو کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت علیؑ کی محبت ان سب کو کھا جائے گی..حالانکہ یہ بالکل غلط ہے حضرت علیؑ کی وِلا اور محبت اس طرح گناہوں کو کھانے والی نہیں جس طرح کوئی بَلا ہر حلال وحرام کو ہضم کر جاتی ہے بلکہ آگ کے خشک لکڑیوں کو کھانے سے تشبیہ دے کر واضح کر دیا گیا ہے کہ جس طرح آگ آنے سے پہلے لکڑیاں جمع ہوتی ہیں اور آگ ان سب کو کھا جاتی ہے پھر جب تک آگ وہاں رہتی ہے دوسری لکڑی قطعاً پیدا ہو ہی نہیں سکتی اس طرح انسان میں حضرت علیؑ کی وِلا سے پہلے جس قدر گناہ تھے حضرت علیؑ کی وِلا ان کو جلا دے گی اور جب تک وِلا کا ٹھکانہ وہاں ہوگا دوسرا گناہ نئے سرے سے وہاں پیدا نہ ہو سکے گا اور آگ کا کام ہے موجودہ لکڑیوں کو بھی جلانا اور باہر سے اگر کوئی لکڑی آ جائے تو ان کو بھی جلانا لیکن اپنے مقام پر دوسری لکڑی کو نہ پیدا ہونے دینا اسی طرح وِلائے علیؑ کا کام ہے انسان کے اندر کی پہلے کی خرابیوں کو جلانا اور نئی خرابی کو نہ پیدا ہونے دینا...اور اگر کوئی باہر سے دوسرا گنہگار اس کے پاس آئے تو اس کے گناہوں کو بھی جلانا یعنی اپنے اخلاق اور نصیحت آمیز بیانات کے ذریعے اس کو توبہ کی طرف مائل کرنا۔

یہ بات ناقابل تسلیم ہے کہ حضرت علیؑ کی وِلا بھی ہو اور گناہوں سے گریز بھی نہ ہو کیونکہ حضرت علیؑ تو امام المتقین ہیں اور جس طرح ہم بدمعاش کو اپنا امام نہیں بنانا چاہتے وہ بھی بدمعاشوں کو اپنا مقتدی نہیں دیکھنا چاہتے اگر ہمیں امام تلاش کرنا آتا ہے تو ان کو بھی مقتدی تلاش کرنا آتا ہے۔

شبِ عاشور امام حسینؑ نے ایک رات کی مہلت لی تھی نہ زندگی بڑھانے کیلئے، نہ وداع کیلئے اور نہ عبادت کی کمی کو پورا کرنے کیلئے بلکہ اسلئے کہ اتمامِ حجت ہو جائے اور باہر کے کھرے قریب ہو جائیں اور قریب کے کھوٹے باہر نکل جائیں۔

ہر جنگجو اپنی فوج میں زیادہ بھرتی چاہتا ہے لیکن امام حسینؑ کی فوج علَم توحید کو بلند کرنے کی خواہاں تھی..امام حسینؑ زیادہ بھرتی نہیں چاہتے تھے بلکہ اسی غرض سے تو چراغ کو بجھا دیا گیا کہ جانے والے شرم محسوس نہ کریں بلکہ جو بھی کھوٹا ہو وہ نکل جائے اور یہاں بچے تو صرف وہی جو حبیب بن مظاہر، زہیر بن قین اور بریر بن خضیر کی طرح حق پر کوہِ گراں کی طرح جم جائے بلکہ پہاڑ اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو ممکن ہے لیکن اس کے قدم نہ لڑکھڑائیں۔

معرفت کا یہ عالم تھا کہ امام حسینؑ کے دو صحابہ صبح عاشور بات چیت کر رہے تھے کہ ایک کی مسکراہٹ عیاں ہوئی...دوسرے نے کہا اب مسکرانے کا وقت نہیں تو اس نے کہا میری قوم میری جوانی و بڑھاپے کو جانتی ہے کہ مجھے ہنسنے کی عادت نہیں لیکن اب اپنی خوش قسمتی پر ہنس رہا ہوں کہ اب ہمارے اور حورانِ جنت کے درمیان صرف تیر و تلوار کھانے کی مدت باقی رہ گئی ہے۔

امام حسینؑ نے تیروں، تلواروں، نیزوں اور پتھروں کی برسات میں نماز قائم کر کے علَم توحید کو اس طرح بلند کیا کہ اس کو قیامت تک سرنگوں نہیں کیا جا سکتا۔

دیکھئے...جناب رسالتمآبؐ نے ۲۳ سالہ محنت سے علَم توحید بلند کیا اور پرچم اسلام کی بلندی کیلئے سب کچھ سہا..مردوں اور عورتوں کی خدمات ان کو حاصل تھیں، مردوں میں سے سرفہرست حضرت ابو طالبؑ اور حضرت علیؑ تھے اور عورتوں میں سرفہرست امّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور جناب خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراؑ تھیں....اور ۲۳ سالہ محنت شاقہ کے بعد جب دنیا سے چل دیئے تو

لوگوں کے دلوں سے اسلامی نقوش فوراً اُترنا شروع ہوگئے حتیٰ کہ دورِ یزیدی تک اسلام برائے نام بچ گیا اور شعائر اسلامی کی مخالفت برسرعام شروع ہوگئی حتیٰ کہ اسلامی تعلیمات کو ذلیل نگاہوں سے دیکھا جانے لگا اور مسندِ خلافت بدمعاشی کا اڈہ بن چکی تھی۔

یہ یقینی بات ہے کہ کسی تحریک کی ابتدا آسان ہوتی ہے اور اس کی بقا مشکل ہوتی ہے.. نیز تحریک اُٹھانا آسان ہوتا ہے اور اس تحریک کے کچلے جانے کے بعد اس کو ازسرنو زندگی دینا مشکل ہوتا ہے...اب اسلام کو بقا کی نہیں بلکہ نئی زندگی کی ضرورت تھی اور باغی ذہنوں کو دوبارہ اسلام سے روشناس کرانا تھا جس پر انتہائی محنت ومشقت کی ضرورت تھی..لیکن کس کی مجال تھی کہ اس طرف اقدام کرے؟

امام حسینؑ تیرے استقلال پر نثار اور زینب عالیہؑ تیری ہمت کے صدقے! یہ دونوں بہن بھائی بقائے دین کا عزم لے کر اُٹھے..حضرت ابوطالبؑ اور مولا علیؑ کا ورثہ دار امام حسینؑ اور جناب خدیجہؑ اور بتول عذرؑا کی ورثہ دار زینب عالیہؑ۔

خدا کی قسم...ابتدائے تحریک میں ۲۳ سالہ محنت تھی اور پچاس برس تک نہ چل سکی لیکن ان دونوں بہن بھائیوں کی پر اخلاص قربانیوں نے اسلام کو حیات نوبخشی اور ان کو عرصہ کتنا لگا؟ خدا کی قسم نہ ۲۳ سال نہ ۲۳ ماہ نہ ۲۳ دن حتی کہ نہ ۲۳ گھنٹے ہاں صرف چھ گھنٹے اور وہ طلوعِ آفتاب سے زوالِ آفتاب تک...حتیٰ کہ معین الدین چشتی نے امام حسینؑ کو بانی لا الہ الاّ اللہ کا خطاب دے دیا:

شاہ است حسینؑ پادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

بھائی اور بہن کی کربلا میں قربانی چیلنج کر کے گئی کہ بے شک ایک یزید اسلام کیلئے خطرناک ثابت ہوالیکن اب ہم اسلام کی بنیادوں کو محکم کر چلے ہیں، اس میں علی اکبرؑ کی جوانی، علی اصغرؑ کا خون، عباس علمدارؑ کے بازو، بہتّر شہداءؑ کی پیاس، امام حسینؑ کی قربانی، یتیم بچوں کی نالہ وفریاد، بیواؤں کا لٹنا، خانوادۂ عصمت کی شہزادیوں کی اسیری اور تشہیر سب شامل ہیں.... جس میں سے ایک ایک بھی بقائے کلمہ توحید کے لئے کافی تھیں بے شک اب گھر گھر سے ایک ایک یزید بھی اٹھ کھڑا ہو اور قیامت تک استبداد اور قہر وغلبہ استعمال ہوتا رہے تب بھی اسلام اور حسینیت کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔

سچ پوچھئے تو اب صرف امام حسینؑ موجود نہیں ورنہ یزید کی روحیں بستی بستی میں ہیں اور کسی کے مٹانے کیلئے پروپیگنڈا، دولت اور قوت جیسے تین حربوں میں سے ایک کافی ہوا کرتا ہے اور یزید کے طرفدار ہر دور میں ان تین حربوں کو بے دریغ استعمال کرتے رہے لیکن نتیجہ کے لحاظ سے پہلے کی طرح ہر دور کا یزید ذلیل ہو کر واصل جہنم ہوتا رہا ہے اور حسینیت کا پرچم ہر دور میں بلند سے بلند تر ہوتا رہا ہے جناب زینب عالیہؑ نے بھائی کے ماتم کی ابتدا شام سے کی تھی اور یہ ماتم صبح قیامت تک جاری رہے گا.... حسینیت زندہ باد

عصمت دی سردار تے آیا جڈاں پیو سردار دا صدمہ
پیو سردار دے صدمے تو ہا ودھ دربار دا صدمہ
کہیں صاحب عزت دی عزت کنوں نہیں ودھ تلوار دا صدمہ
گئی ما حسین دی قبر تائیں گھن در دیوار دا صدمہ

نویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنَ

عبدوہ ہے جس کے اندر اپنے مالک کے فرامین کا اثر اور اس کے وجود پر معبود کی تجلیات کا پرتو ہو...اور یقین جانئے کہ خداوند کریم کے اسمائے عظمی اور صفاتِ علیا میں سے ایک اسم اعظم یا ایک صفت کامل کا پرتو اگر کسی بندے پر پڑ جائے تو وہ بندہ کائنات عالم میں اپنی حکومت کا سکہ قائم کرسکتا ہے اللہ کے اسما وصفات کا زبانی ورد کمال حاصل کرنے کیلئے ناکافی ہے جب تک کہ انسان اس صفت میں رَچ بس نہ جائے اور اس صفت کا سراپا ہونہ جائے مثلاً کبریائی اللہ کی صفت ہے اور اس کی ردا ہے اگر بندہ اپنے مولا میں یہ صفت تسلیم کرتا ہے اس کا مطلب صرف زبانی وردِ اللہ اکبرنہیں بلکہ اپنے وجود سے پوری طرح سے کبریائی ختم کردے نہ اس کی زبان میں تکبر رہے نہ اس کے ہاتھ میں کبریائی رہے نہ اس کی آنکھ میں بڑاپن ہو بلکہ کھانے میں انکساری، پہننے میں عاجزی، چلنے میں خضوع، اس طرح سفر وحضر میں فروتنی کا مرقع بن جائے کسی وقت وہ تکبر کی خواہش نہ کرے اور متکبر صرف اللہ کو ہی تسلیم کرے جب اس طرح تکبر اپنے پورے وجود سے عادات واطوار سے اور اعمال و کردار سے نکال دے گا تو اس کے بدن کے خون کا قطرہ قطرہ اور جسم کی رگ رگ خدا کی کبریائی کی قائل ہوگی اب اس مرحلہ میں پہنچ کر اس کے لئے کبریائی کا نعرہ اللہ اکبر اسم اعظم کا کام دے گا اور اس کے افعال تقدیر بن کر ظاہر ہوں گے اس

طرح اگر خدا صادق ہے تو اس کو اپنے لئے اسم اعظم تب ہی بنا سکتا ہے کہ زبان اور اس کے علاوہ تمام اعضأ میں صداقت کا پرتو ہو۔

علی ھٰذ القیاس... خدا ستّار ہے تو بندہ اپنے اندر ستّاریّت کی صفت پیدا کرے وہ غفور ہے تو بندہ اپنے اندر معاف کرنے کی صفت پیدا کرے وغیرہ (اس کی تفصیل تفسیر انوار النجف کی جلد ۶ میں اسمائے حسنیٰ کی بحث میں ملاحظہ فرمائیں)

ہاں... بیشک اللہ والے یہی شان رکھتے ہیں حضرت مالک اشتر کا گزر بازار کوفہ سے ہوا تو کسی نا اہل نے ان کی نقل اتاری اور لوگوں کو ہنسایا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص مالک اشتر تھا تو نقل اُتارنے والا فوراً معافی کیلئے دوڑا دیکھا تو حضرت مالک اشتر محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں جب فارغ ہوئے تو اس نے معافی چاہی حضرت مالک نے جواب دیا میں نے دو رکعت نفل بھی تیری بخشش کیلئے پڑھی ہے اور دعا بھی تیرے لیے کر رہا ہوں کہ خدا تجھے معاف کرے اور گناہ سے توبہ کی توفیق دے۔

امام زین العابدین کو کسی نے برا بھلا کہا تو آپ چند صحابہ کو ساتھ لیکر اس کے گھر گئے دروازہ کھٹکھٹایا اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئے وہ شخص شرمسار ہوا تو آپ نے فرمایا جو کلمات تو نے مجھے کہے ہیں اگر ان کا سزاوار ہوں تو خدا سے معافی چاہتا ہوں اور تجھ سے بھی معافی مانگتا ہوں اور اگر میں سزاوار نہیں بلکہ تیری غلطی ہے تو میں تم کو معاف کرتا ہوں اور خدا سے تیری معافی کی درخواست کرتا ہوں۔

امام حسنؑ کو ایک شامی نے ناسزا الفاظ کہے تو آپ نے فرمایا اگر تو بھوکا ہے تو میں کھانا کھلاؤں.. اگر پیاسا ہے تو پانی دوں.. اگر برہنہ ہے تو لباس دوں.. اگر مکان نہیں تو مکان بنوا دوں.. اگر کنوارہ ہے تو شادی کرا دوں.. غرضیکہ جو حاجت ہو بیان کرو خواہ مخواہ ناراض کیوں ہو؟ وہ شخص فوراً یہ اخلاق دیکھ کر قدموں پر گر پڑا اور نعمت ایمان سے مالا مال ہوا۔

ہم میں سے اگر کوئی شخص بڑا ہوجائے اور پیسہ زیادہ ہوجائے تو وہ غریب طبقہ کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کو اپنے پاس بٹھانا پسند نہیں کرتا لیکن خانوادہ عصمت کی یہ شان تھی کہ مساکین کو پاس بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے.... حضرت امام رضاؑ نے خراسان جاتے ہوئے کھانے کے وقت غلاموں کو بلایا تو انہوں نے عرض کیا آقا ہم آپ کا پس خوردہ کھالیں گے آپؑ نے فرمایا یہ اسلامی تعلیم نہیں بلکہ اکھٹے مل کر کھانا سنت نبوی ہے۔

حدیث میں ہے بدترین ہے وہ آدمی جس کے پیچھے جوتوں کی آہٹ ہو اور وہ اس پر خوش ہو؟ ضروری نہیں کہ تکبر کی بدعادت صرف پیسہ والوں کو ہو بلکہ ہر طبقہ میں اپنی حیثیت کے موافق تکبر ہوا کرتا ہے، ذاکر میں ذاکری کا تکبر..واعظ میں وعظ کا تکبر..عالم میں علم کا تکبر..مومن میں ایمان کا تکبر.نمازی میں نماز کا تکبر..بہر کیف کوئی تکبر اچھا نہیں بلکہ انسان کو نعمت خداوندی پر شکر بجالانا چاہیے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ایوبؑ نے عرض کیا بارالہا! اس زمین پر میں بڑا عبادت گزار ہوں میرا یہ امتحان ختم کردے کہ لوگ طعنہ زنی کرتے ہیں؟ تو سر کے اوپر سے بادلوں کے ٹکڑے سے آواز آئی اے ایوبؑ! تو اپنی عبادت مجھے جتلاتا ہے یہ بتا تجھے عابد کس نے بنایا؟

ایک مرتبہ حضرت رسالتمآبؐ نے بچوں کی اچھی عادات میں سے بھی بیان فرمایا کہ بچے زمین پر بیٹھنا معیوب نہیں سمجھے نیز بچوں میں کینہ نہیں ہے اگر لڑتے ہیں تو ایک دوسرے سے خود بخود راضی ہوجاتے ہیں آپ کی مناجات تھی: اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ

اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکینی کی موت دے اور بروز محشر مسکینوں کے زمرہ میں محشور فرما۔

حضرت امیر المومنینؑ مملکت اسلامیہ کے تاجدار غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے صحابہ کے ہمراہ زمین پر تشریف رکھتے تھے اور اپنے کپڑوں کو خود دھویا کرتے تھے... چنانچہ ابوسحاق سبیعی روایت کرتا ہے کہ میں بچپنے میں اپنے باپ کے کندھوں پر سوار تھا مسجد کوفہ میں حضرت علیؑ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا کہ آستین کو حرکت دے رہے تھے تو میں نے باپ سے اس کی وجہ دریافت کی کہ کیا حضرت علیؑ کو گرمی ہو رہی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت علیؑ کو گرمی یا سردی تکلیف نہیں دیتی بلکہ آج جمعہ کا روز ہے اور لباس تازہ دھو کر تشریف لائے ہیں اور دوسری قمیص نہیں تھی جس کو پہن کر آتے بس آستین کو حرکت دے کر اس کو خشک کر رہے ہیں (فرسان الھیجا در حالات بُریر)

ہم بدن پر پیوند لگا کپڑا توہین محسوس کرتے ہیں لیکن آپؑ فرماتے ہیں میں نے اپنی قمیص کو اس قدر پیوند لگائے ہیں کہ اب درزی سے شرم محسوس ہوتی ہے اور فرمایا خدا کی قسم اس پیوندار قمیص کے علاوہ میرے پاس دوسری قمیص نہیں ہے۔

چہل حدیث میں علامہ مجلسی نے حضرت رسالتمآبؐ سے نقل کیا کہ فرمایا: یا علیؑ کسی کو بگڑے ہوئے نام سے نہ بلایا کرو اس میں تکبر کا شائبہ ہے اور اس کی توہین ہے..نیز آپؑ کا ارشاد ہے اگر چاہوں تو کھانے کیلئے خالص شہد اور پہننے کیلئے ریشمی لباس استعمال کرسکتا ہوں لیکن ھَیْھَاتَ اِنْ غَلَبَنِیْ ھَوَایَ یعنی ناممکن ہے کہ علیؑ کو خواہش نفس دھوکا دے..میں جانتا ہوں میری بعض رعایا ایسی ہوگی جن کو کھانے کیلئے خشک آٹا بھی جی بھر کر میسر نہ ہوگا۔

حضرت امّ کلثومؑ نے اُنیسویں کی شب افطاری کے وقت جَو کی روٹی، دودھ کا پیالہ اور نمک حاضر کیا تو فرمایا بیٹی اس سے پہلے بھی کبھی تیرے باپ نے ایک وقت میں تین تین کھانے کھائے ہیں؟ یہ تھی حضرت علیؑ کی عبدیت....اب شیعانِ علیؑ ذرا

اپنے اندر جھانک کر دیکھیں حرام کھانا تو درکنار مولا علیؑ حلال غذا سے بھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے۔

باقی انبیاؑ کے پاس خدائی صفات میں سے ایک ایک یا دو دو تھیں اور حضرت علیؑ صفاتِ خداوندی کے پورے مظہر تھے...شاید یہ حدیث اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ جس نے آدمؑ کو علم میں..نوحؑ کو خشیت میں..ابراہیمؑ کو خلت میں..موسیٰؑ کو ہیبت میں..عیسیٰؑ کو زہد میں..ایوبؑ کو صبر میں..دیکھنا ہو وہ میرے بھائی علیؑ کے چہرہ کو دیکھے کیونکہ اس میں خصالِ انبیاؑ میں سے نوّے خصلتیں موجود ہیں۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ اپنے بابا کو دفن کر کے واپس آئے ایک خرابہ سے گزر ہوا تو رونے کی آواز کان میں آئی قدم رک گئے اور شہزادے اس طرف گئے دیکھا کہ ایک جھونپڑی میں ایک بیمار لاغر رو رہا ہے وجہ پوچھی تو کہا کہ میں آقا کے فراق میں رو رہا ہوں..آپؑ نے پوچھا وہ کون تھا؟ تو جواب دیا مجھے ایک برس ہوا ہے یہاں پہنچا ہوں ایک شخص میرے قریب بیٹھ گیا اور مجھے کھانا کھلایا اور اسی طرح میرے ساتھ پیار کیا جس طرح ماں بچے سے کرتی ہے اور یہ آواز دی: مِسْکِیْنٌ جَالَسَ مِسْکِیْنًا مسکین کو مسکین کی مجلس مل گئی اور مجھے فرمایا کہ جب تک میں ہوں تیری خبر گیری کرتا رہوں گا...امام حسینؑ نے پوچھا کوئی اور علامت بیان کرو تو اس نے جواب دیا زبان ذکرِ خدا سے ہر وقت معطر تھی، دونوں بھائی باپ کو یاد کر کے روئے اور امام حسنؑ نے فرمایا اے بندۂ خدا! میں اس کا فرزند ہوں اور وہ میرا باپ تھا لیکن تجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ رحلت فرما گئے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ ماہِ رمضان میں سحری کے وقت تشریف لاتے اور مجھے کھانا دیتے تھے پرسوں سے وہ تشریف نہیں لائے جس سے میں سمجھا ہوں کہ وہ دنیا سے چلے گئے ہیں، امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں بہت روئے.... غالباً بعض روایات میں ہے کہ اس نے

درخواست کی کہ مجھے مزار پر لے جاؤ.. چنانچہ شہزادوں نے حضرت امیرالمومنینؑ کی قبر پر پہنچایا اس نے سلام کہا اور قبر کے پاس سو کر عرض کیا اے آقا! تیرے بعد دنیاوی زندگی مجھے نامنظور ہے مجھے اپنے پاس بلائیں چنانچہ وہ وہیں مرگیا۔

یہ تھا سادات کا دستور کہ اپنا ماتم چھوڑ کر دوسروں کے غمگسار ہوتے تھے لیکن ہائے ان کے ساتھ مسلمانوں کا کیا دستور رہا؟ کہ مرنے کے بعد قبروں میں بھی ان کو چین سے نہ سونے دیا! چنانچہ بتولِ معظّمہ اپنی قبر میں اب بھی گریہ و ماتم میں مشغول ہیں اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ دورِ استبداد میں جب سادات کے کسی گھر سے ان کے بزرگ کا انتقال ہوتا تھا تو کسی پرسانِ حال کی آمد تو بجائے خود ظلم کے پنجے سے بچنے اور اپنی پردہ داری کو برقرار رکھنے کی فکر دامن گیر ہو جاتی تھی کیونکہ لوگوں نے جب بتولِ معظّمہ کے ساتھ یہی سلوک کیا تو کسی بتول زادی کی وہ کیوں پرواہ کرتے؟ اگر مسلمانوں میں احسان شناسی ہوتی تو بتول عذرؑا اپنے زخمی پہلو پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے نہ جاتی!

نونہہ خاتون معظّمہ دی اَتے ملک وفا دی سین اے
ناموس امامت سمجھ کرے ہا جیندا ادب حسین دی بھین اے
رہی سال برابر دھپ تے روندی کیتے قبر حسین تے وین اے
کیویں تسّہ دُھپ تے سم گیا ہوسیں زہرا دے دل دا چین اے

دسویں مجلس

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

مَا خَلَقتُ الجِنَّ وَ الاِنسَ اِلَّا لِیَعبُدُونَ

خداوند کریم نے حیوانوں کو عبدیت کی دعوت نہیں دی کیونکہ عبدیت عقل کا زیور ہے اور حیوان صفت عقل سے محروم ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن کے دل ہیں اور سوچتے نہیں آنکھیں ہیں اور دیکھتے نہیں اور کان ہیں اور سنتے نہیں ایسے لوگ چوپائے ہیں بلکہ ان سے بدتر ہیں..حیوانوں سے بدتر کیوں کہا؟ وہ اس لئے کہ بعض حیوانوں میں باوجود نجس العین ہونے کے وفا کا شعور ہے مثلاً کتا نجس جانور ہے لیکن اپنے مالک کا پکا وفادار ہے..تو جو انسان انسان ہو کر اپنے مالک سے بے وفائی کرے تو وہ کیوں نہ کتے سے بدتر ہو؟

ایک حکایت ہے کہ ایک عابد کے دل میں خیال گزرا کہ میں بہت عبادت گزار ہوں تو فوراً رزقِ غیبی بند ہو گیا تو تین دن تک انتظار کرنے کے بعد دامن کوہ میں ایک نصرانیوں کی بستی تھی وہاں جا کر بھیک مانگی ایک مکان کے دروازہ سے اس کو تین روٹیاں دستیاب ہوئیں...خوش ہو کر واپس پلٹا کہ مالک مکان کا کتا اس کے پیچھے ہو گیا چنانچہ اس نے ایک روٹی اس کو پھینکی کتا وہ روٹی کھا کر پھر اس کے پیچھے ہو لیا تو اس نے دوسری روٹی بھی پھینک دی...علیٰ ھٰذا القیاس تیسری روٹی بھی کتے کو دیدی پھر کتے کو مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تو بڑا بے حیا ہے! تیرے مالک کے دروازہ سے مجھے تین روٹیاں ملی تھیں وہ بھی تو نے مجھ سے لے لیں پس بقدرتِ خداوند

کتا گویا ہوا اور کہا کہ انصاف کرو کہ بے حیا تم ہو یا میں؟ مجھے عرصہ ہو گیا ہے اس مالک نصرانی کے دروازہ پر پڑا ہوں کبھی روٹی پوری نہیں ملتی لیکن مجھے غیرت اجازت نہیں دیتی کہ اپنے نصرانی مالک کا دروازہ چھوڑ کر کسی دوسرے کے دروازہ پر جاؤں اور تجھے مالک کی طرف سے آزمائش کے طور پر تین دن کھانا نہیں ملا تو اپنے مالک کو چھوڑ کر میرے مالک کے دروازہ پر آ گیا ہے؟

کہتے ہیں کہ کتا اگر بد دماغ بھی ہو جائے تو مالک یا اس کے بچوں کو پھر بھی نہیں کاٹتا بلکہ جب محسوس کرتا ہے کہ میرے دماغ میں فتور ہے تو گھر کو چھوڑ جاتا ہے مبادا مجھ سے مالک کی بے ادبی ہو جائے؟ لیکن یہ کمینہ انسان بعض اوقات اپنے دماغ میں فتور ہو تو اپنے آقا کے دماغ کو فتور سے تعبیر کرتا ہے!

اصحابِ کہف کے کتے نے مالکوں سے وفا کی خاطر اپنی عادت بھونکنے کی ترک کر دی تو قرآن میں اس کی مدح وارد ہوئی اور یہ انسان بعض اوقات اپنی کمینگی سے اپنے مالک کو پہچان کر اسے بھونکنے لگتا ہے؟ اسی بنأ پر تو ارشاد ہے کہ ایسے انسان حیوانوں سے بدتر ہیں...بس انسان جو اپنے مالک کو بھونکنے لگے تو بے شک وہ کتے سے بدتر ہوگا۔

کسی عارف سے پوچھا گیا کہ باوجود وفادار ہونے کے کتا نجس کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ اپنی قوم کا دشمن ہے مثلاً کتا اگر پُر شکم بھی ہو تب بھی دوسرے کتے کو کھاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا بلکہ دوسرے کتے کو ذلیل کرنا اس کا شیوا ہے! پس کتا، کتا ہو کر قوم دشمنی کرتا ہے لیکن اگر بندہ، بندہ ہو کر قوم دشمنی کی بد عادت کا مرتکب ہو تو وہ کتے سے بدتر ہوگا...پس مومن کو چاہیے کہ مومن کی خبر گیری کرے اور اپنے فالتو رزق سے غریب و نادار مومن کی امداد کرے..کتے کی طرح فالتو روٹی کے ٹکڑوں کو زمین میں دفن نہ کرے۔

خداوند کریم نے انسان کو زبان دی ہے تاکہ شکر پروردگار ادا کرے اور اپنے ایمانی بھائیوں، ہمسایوں اور غریبوں کی اپنی زبان سے مشکل کشائی کرے یا ان کو فائدہ پہنچائے لیکن یہ انسان نہ شکر کرتا ہے اور نہ اپنی زبان سے کسی دوسرے مومن کی بھلائی میں کوشاں ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات ناشکری، گالی گلوچ اور غیبت وعیب جوئی اس کا شیوا بن جاتا ہے..تو ایسے شخص کا بولنا، کلام کرنا نہیں ہوا کرتا بلکہ کتے کے بھونکنے سے بھی بدتر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ بے عقل تھا اور یہ عقل مند ہے باقی حیوانوں کو دیکھو ان کو چرنے کیلئے چھوڑا جاتا ہے اور ایک چرواہے کے حوالہ کیا جاتا ہے سارا دن جنگل میں مارے مارے پھرتے ہیں نہ معلوم ان کا پیٹ بھرتا ہے یا بھوکے واپس آتے ہیں؟ جب چرواہا شام کو ان سے اپنی گرفت ہٹاتا ہے اور وہ ضمیر میں اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں تو اپنے اپنے گھروں کا رُخ کرتے ہیں چرواہا کسی حیوان کو اپنے مالک کے گھر نہیں پہنچاتا بلکہ وہ شہر سے باہر ان کو آزاد کر دیتا ہے پس تمام حیوان اپنا اپنا راستہ لیتے ہیں اور راستہ میں آنے والا ہر پختہ و عالیشان مکان چھوڑتے ہوئے اپنے مالک کے پکے یا کچے مکان تک پہنچتے ہیں جہاں ان کے گلے میں دوبارہ رسی ڈال کر ان کو باندھ دیا جاتا ہے پھر ان میں انکار نہیں ہوتا خواہ مالک یا اس کا کوئی بچہ یا نوکر اس کو رسی سے باندھ دے وہ سر جھکا کر کھڑا رہے گا حیوان اپنے خداداد شعور سے اپنے مالک اور غیر کے گھر میں فرق کرتا ہے لیکن انسان اپنی قیمتی عقل کے باوجود مالک اور شیطان کے گھر میں فرق نہیں سمجھتا پس حیوان سے بدتر کیوں نہ ہو جو مسجد اور سینما میں فرق نہ کرے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے وہ جو جان پہچان کر اپنے مالک کے گھر (مسجد) سے پہلوتہی کر کے شیطان کے گھر (سینما) وغیرہ کو آباد کرے اور بڑے سے بڑا حیوان مثلاً اونٹ بھی جب گھر پر آئے اور مالک یا اس کا خوردہ سال بچہ اس کے ناک میں پڑی ہوئی مہار کو لے کر

کھینچے تو وہ انکار نہیں کرتا اور وہ جس طرف لے جائے یہ اس کے پیچھے چلا آتا ہے اگر وہ شرارت کرتا تو مالک یا اس کے بچہ کو نقصان پہنچا سکتا تھا لیکن فطرت نے اس کو سکھا رکھا ہے کہ مالک یا اس کی اولاد کی اطاعت کرنا فرض ہے پس بے عقل حیوان مالک کی اطاعت کو فرض سمجھے اور انسان عقل کے باوجود مالک کی اطاعت کی پرواہ نہ کرے؟ یعنی حیوان مالک کی بندگی کو اختیار کرے اور بندہ مالک کی بندگی سے سر تابی کرے وائے ہو انسان پر حیوان سمجھتا ہے کہ بڑی یا چھوٹی قد معیار حکومت نہیں بلکہ عقل و دانائی ہی معیار حکومت ہے اور بچہ اس لئے حاکم ہے کہ وہ صاحبان عقل کی اولاد ہے پس حیوان اپنے سے بالا صاحب عقل کی اطاعت کو فرض جانتے ہیں اور انسانوں میں سے ایسے انسان بھی ہوتے ہیں جو دوسرے کو اپنے سے افضل و اعلم بھی سمجھتے ہیں تاہم اس کی اطاعت تو بجائے خود اس کو اپنی اطاعت پر مجبور کرتے ہیں ایسے انسان حیوان سے بدتر ہیں۔

دیکھئے! خداوند کریم نے انسان کو تاجِ کرامت مرحمت فرما کر اس کو حاکم بنایا تو چاہیے تھا کہ سب کائناتی چیزیں اس کی اطاعت کرتیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ہر حیوان سے خوفزدہ ہوتا ہے وجہ صرف یہ ہے کہ اس نے اپنا لباس انسانیت پھاڑ دیا ہے.... مثال کے طور پر افسر اگر اپنی وردی میں ہو تو لوگ اس سے ڈرتے ہیں لیکن وردی اتار دے تو کوئی بھی نہیں ڈرتا یہ سب حیوان اپنے مقام پر جانتے ہیں کہ یہ انسان بھی ہم جیسا ہے.. کیونکہ نہ حیوان میں حلال و حرام کا فرق.. نہ اس میں اپنے بیگانے کی تمیز.. اگر حیوان میں درندگی ہے تو انسان میں اس سے کہیں زیادہ ہے اگر حیوان میں بے غیرتی و دیوثی ہے تو یہ اس سے بڑھ کر ہے.. اُس میں بے حیائی ہے تو یہ اس سے چند قدم آگے ہے.. اور حیوان میں مطمعِ نظر پیٹ بھر کر کھانا اور عیش کرنا ہے تو یہ اس سے بھی آگے ہے..... اس صورت حال کے ہوتے

ہوئے حیوان کیوں انسان کو اپنا حاکم تسلیم کریں؟ جبکہ اس میں کوئی فضیلت کی عادت ہی موجود نہیں! درندہ سمجھتا ہے کہ مجھ جیسا درندہ ہے، کتا سمجھتا ہے کہ یہ مجھ جیسا کتا ہے..سور سمجھتا ہے کہ مجھ جیسا سور ہے..سانپ اور بچھو جانتے ہیں کہ یہ بھی ہماری طرح دوسروں کو ڈنگ مارا کرتا ہے..لہٰذا وہ اس کی حکومت کی کیوں پرواہ کریں؟ اگر انسان پر انسانیت کی وردی ہوتی اور اپنے آپ کو حیوان سے ممتاز کر کے رکھتا تو حیوان کی کیا مجال کہ اس کی اطاعت نہ کرے؟

جناب سفینہ (غلام پیغمبر) ایک جزیرہ میں گئے تو شیر نے حملہ کرنا چاہا لیکن اس نے جناب رسالتمآب کی غلامی کا واسطہ دیا پس شیر نے سر جھکالیا اور سفینہ کو اپنے اوپر سوار کر کے لے گیا.. چند دن اس کی خدمت کی اور پھر کشتی آنے پر اس کو کشتی تک پہنچایا اور اپنی گستاخی کی معذرت خواہی کی۔

ایک دفعہ حضرت ابوطالبؑ بمعہ قافلہ قریش کہیں جارہے تھے کہ شیر نے حملہ کیا باقی لوگ بھاگ گئے اور حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا: خبردار! میں شیر خدا کے نور کا حامل ہوں تو شیر فوراً قدموں پر گر گیا۔

ہائے آل رسول کی حیوانوں نے قدر کی لیکن انسان نما درندوں نے آلِ رسول کی قدر بھلا دی؟ جب لاشوں پر گھوڑے دوڑانے کی تجویز ہوئی تو حضرت زینب عالیہؑ کی خدمت میں جناب فضہؑ نے عرض کیا سفینہ کا قدر شیر نے کیا تھا یہاں ایک شیر ہے میں اس کو واقعات سے آگاہ کرتی ہوں.. چنانچہ شیر کو بلایا گیا اور شیر نے لاشۂ سید الشہدؑا پر پہرہ دیا۔

بوقت روانگی اہل بیتؑ اُونٹ چیخیں مارتے اور روتے تھے اور مظلوم کربلا کے غم میں حیوانات روئے....امام علی رضاؑ نے دیکھا ایک شکاری ہرنی کو پکڑے ہوئے ہے ہرنی نے فریاد کی تو امامؑ نے اس کی ضمانت دی اور رہا کرا دیا کہ بچوں کو وداع کر

کے واپس آ جائے گی...جب انتظار میں دیر ہوئی تو شکاری نے کہا کہ مولا اس حیوان نے بے وفائی کی ہے آپؑ نے فرمایا اس کیلئے کوئی مجبوری ہو گی..پس دیکھا تو ہرنی نمودار ہوئی، امامؑ نے تاخیر کی وجہ پوچھی؟ اس نے جواب دیا میں نے بچوں کو دودھ پلا کر واپسی کا ارادہ کیا راستے میں دیکھا کہ میری قوم ایک جگہ اکٹھی تھی اور محو ماتم تھی میں نے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا آج محرم کی دسویں ہے ہم اپنے آقا مظلوم کا ماتم کر رہے ہیں..پس اے مولا! میں ان کے ساتھ شریک ماتم ہو گئی تھی اس لئے دیر ہو گئی معافی چاہتی ہوں، امامؑ یہ واقعہ سن کر بہت روئے اور شکاری نے جب سنا تو امامؑ کے قدموں پر گر پڑا اور ہرنی کو آزاد کر دیا۔

ہائے راہِ شام میں اونٹوں کو مارا جاتا تھا حتیٰ کہ چھوٹے بچے گر جاتے تھے اور مائیں ان کو سنبھال نہیں سکتی تھیں... کہتے ہیں کربلا سے بوقت تیاری اونٹوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے..ممکن ہے جناب فضہؑ نے پوچھا ہو کہ بی بیؑ یہ کیوں روتے ہیں؟ اور عالیہ بی بیؑ نے جواب دیا ہو کہ یہ جانتے ہیں کہ ہم پر آلِ رسول کی شہزادیاں سوار ہو رہی ہیں..پس ایک دوسرے کو آہستہ چلنے کی تلقین کر رہے ہیں اور سادانیوں کے لٹنے پر ماتم کر رہے ہیں۔

گیارہویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ

خداوند کریم نے زمین اوراس کی تمام تر پیداوار انسان کیلئے پیدا کی..چانداس کیلئے..سورج اس کیلئے..ستارے اسی کیلئے..ہوائیں اس کیلئے..گویا سب کچھ اس کیلئے ہے اوراس کودعوت دی ہے خَلَقۡتُ الۡخَلۡقَ لَکَ وَ خَلَقۡتُکَ لِی یعنی یہ ساری کائنات تیری عبد ہو اور تو میرا عبد بن جا۔

اس کی مفت وبلا قیمت ہوا کے مقابلہ میں زرخرید ہوا کا مقابلہ کیجئے تقریباً ایک گھنٹہ میں کروڑ ہا روپیہ کی ہوا خرچ ہوتی ہے لیکن بایں ہمہ قدرتی مفت ہوا کا مقابلہ نہیں کرسکتی..اس طرح کروڑ ہا روپیہ کی روزانہ کی مصنوعی روشنی اس کی ایک گھنٹہ کی مفت روشنی کا مقابلہ نہیں کرسکتی؟ اسلئے ذاتِ وحدانیت نے فرمایا ہے اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا اگر تم میری نعمتوں کوشمار کرنے لگو تو شمار نہیں کرسکو گے....پس معرفت ہی عبادت الٰہیہ کا زینہ ہے۔

ایک مرتبہ ایک سائل حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مولا! ایک ہزار درہم کا مقروض ہوں اور سوچا ہے کہ کسی کریم کا دروازہ کھٹکھٹاؤں، پس آپؑ نے فرمایا میں تم سے تین سوال کرتا ہوں اگر ایک سوال کا جواب دیا تو ایک تہائی تجھے دوں گا..اگر دو کا جواب دیا تو دو تہائی..اگر سب کا جواب دیا تو پورا مطالبہ دوں گا، اس نے عرض کیا حضور! میری کیا مجال کہ آپؑ کے سوالات کو حل

کرسکوں؟ آپؑ نے فرمایا میرے نانا کا فرمان ہے اَلْمَعْرُوْفُ بِقَدْرِ الْمَعْرِفَة یعنی نیکی اوراحسان منفعت کی مقدار سے ہونا چاہیے لہذا تیری معرفت کے اندازہ سے تجھ پراحسان کروں گا، اس نے کہا حضور سوالات کیجئے اگر معلوم ہوگا تو عرض کروں گا ورنہ آپؑ سے سیکھ کر جہالت کو دور کرلوں گا، آپؑ نے فرمایا سب عبادتوں سے افضل عبادت کونسی ہے؟ تو اس نے جواب دیا مَعْرِفَةُ اللّٰه ،آپؑ نے فرمایا مصیبت کے وقت سہارا کیا چیز ہوتی ہے؟ اس نے جواب دیا تَوَكُّلُ عَلَى اللّٰهِ آپؑ نے فرمایا انسان کی زینت کیا چیز ہے؟ تو جواب دیا عِلْمٌ مَعَ الْعَمَل آپؑ نے فرمایا اگر یہ نہ ہو تو؟ اس نے کہا اَلْغِنٰى مَعَ السَّخَا یعنی دولت مندی سخاوت کے ساتھ، آپؑ نے فرمایا اگر یہ نہ ہو تو؟ اس نے کہا اَلْفَقْرُ مَعَ الصَّبْر آپؑ نے فرمایا اگر یہ بھی ہو تو؟ اس نے کہا بجلی آسمان سے گرے اور اس کو ختم کردے، آپؑ نے فوراً اس کو منہ مانگے درہم عطا کیے اور ایک انگشتری انعام میں دی جس کے نگینے کی قیمت چار سو درہم تھی (بحارالانوار)

اسی بنا پر مولا امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں اَوَّلُ الدِّيْن مَعْرِفَتُه دین کا پہلا زینہ معرفت خداوندی ہے...اور خداوند کریم نے فرمایا ہے كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًا فَأَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَف فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِكَيْ اُعْرَف یعنی میں ایک مخفی خزانہ تھا اور میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس مخلوق کو پیدا کیا تا کہ پہچانا جاؤں...پس اس معرفت میں سب سے آگے نورِ محمدی ہے جبھی تو خطاب ہوا لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاك اگر تو نہ ہوتا تو افلاک نہ ہوتے...حضرت امیرالمومنینؑ اپنے مقام معرفت کو بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں لَوْ اِنْكَشَفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ يَقِيْنًا یعنی اگر حجاب ہائے قدرت ہٹ جائیں تو میری معرفت ویقین میں اضافہ نہ ہوگا حالانکہ تمام انبیا کا اس مقام پر اعتراف موجود ہے مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِك

یعنی ہم نے تیری معرفت حاصل نہیں کی جو معرفت کا حق تھا...پس وہ اپنی معرفت میں اضافہ کے خواہشمند تھے کیونکہ ان کے آگے منازلِ معرفت موجود تھیں اور حضرت علیؑ اپنی معرفت کے آگے کسی مزید منزل کے خواہاں نہیں تھے کیونکہ ان کی معرفت اس منزل تک تھی جس کے بعد کوئی منزل نہیں یعنی انسان کیلئے جس حد تک پہنچنا ممکن ہے حضرت علیؑ اس پر فائز تھے۔

معرفت کی منازل میں پہلا درجہ اسلام، دوسرا اِیمان، تیسرا اِیقان، چوتھا اطمینان ہیں... یا یوں سمجھئے کہ پہلا یقین، دوسرا علم الیقین، تیسرا عین الیقین اور چوتھا حق الیقین ہے، یہ اس طرح ہے کہ بلا دلیل بات کو مان لینا ہے اسلام یعنی جھک جانا لیکن اس قسم کا یقین پائیدار نہیں ہوتا..پھر جب دلیل و برہان سے ثابت ہو جائے تو اس پر یقین رکھنے کا نام ایمان یا علم الیقین ..اور آنکھوں سے مشاورہ کر لینے کا نام ہے عین الیقین اور چکھ لینے کا نام ہوا کرتا ہے حق الیقین، مثلاً پہلا درجہ آگ کو مان لینا دوسرا درجہ دھواں دیکھ کر یقین کرنا تیسرا درجہ شعلے کو دیکھ کر ماننا چوتھا درجہ ہے گرمی چکھ کر باور کرنا..اور ہر بعد والا درجہ پہلے سے محکم تر ہے اور ہر درجہ میں اسلام اور یقین کی شان الگ الگ ہے اور حق الیقین کی منزل پر محمد و آلِ محمد علیہم السلام فائز تھے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ جس اسلام کو مانگ رہے تھے **وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ** وہ اسلام کا پہلا درجہ نہیں تھا بلکہ نبوت و رسالت کی موجودگی میں جو درجہ تسلیم و رضا کا اس کے بعد تھا حضرت ابراہیمؑ اس کے خواہاں تھے..جس طرح پرندوں کو زندہ کر کے آنکھوں سے دیکھا اور اطمینان پیدا کیا حالانکہ پہلے بھی آپؑ کو یقین تھا پس وہ حق الیقین کے طالب تھے اور مولا علیؑ حق الیقین کے درجہ پر فائز تھے یہ حق الیقین کی منزل تھی کہ مصائب جس قدر ہجوم کر کے آ رہے ہیں امام حسینؑ کے استقلال اور ثبات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ایک جرمن مورّخ نے سچ کہا ہے کہ یزید کے بعد لاکھوں، کروڑوں یزید آئے لیکن امام حسینؑ کے بعد دوسرا حسینؑ نہ بن سکا؟ تو اس کی وجہ بھی خود بتاتا ہے کہ یزید کے دنیا سے چلے جانے کے بعد یزید کی ماں جیسی لاکھوں بلکہ کروڑوں بدکردار مائیں پیدا ہوئیں اسلئے لاکھوں، کروڑوں یزید پیدا ہو گئے..لیکن امام حسینؑ کی شہادت کے بعد امامؑ کی طیبہ و طاہرہ ماں جیسی نہ ماں پیدا ہوئی اور نہ امام حسینؑ جیسا فرزند پیدا ہوا.... یہ وہ ماں تھی جو شب جمعہ دونوں شہزادوں کو پہلو میں کھڑا کر لیا کرتی تھی اور فرماتی تھی بیٹے یہ درست نہیں کہ دنیا کی ماؤں کے بیٹے بھی شب جمعہ سو کر گزاریں اور تم زہراؑ کے بیٹے بھی سو کر گزار دو؟

ہائے نماز کی لذت کوئی امام حسینؑ سے پوچھے یا پھر جناب زینب عالیہؑ سے دریافت کرے جس نے اپنے بھائی کی نماز دیکھی... بے شک بے نماز کا شیعہ کہلوانا امام حسینؑ کو برا لگتا ہے اور امام حسینؑ کی روح کو شمر کی تلوار سے زیادہ زخم لگتا ہے شیعہ کا بے نماز ہونا..اور زینب عالیہؑ کی ماتم دار بیبیاں سوچیں کہ بے نماز خاتون زینب عالیہؑ کیلئے تیرِ جگر ہے جس نے ہر مصیبت کو برداشت کر کے نماز کو بچایا تھا۔

ہائے! یہ بی بیؑ ملکہ شرم و حیا تھی کہ اپنے بابا سے سوال کرنے میں شرم محسوس کرتی تھی، کہتے ہیں خاتونِ جنت کی وفات کے بعد دونوں بہنوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بابا سے اجازت لیکر جنت البقیع جائیں اور اپنی والدۂ معصومہ کی قبر کی زیارت کریں.. چنانچہ چند روز متواتر مشورہ کرتی رہیں لیکن موقعہ پر رعب و جلال مانع ہو جاتا تھا آخر کار حضرت امیر المومنینؑ نے خود پوچھ لیا تم کیا چاہتی ہو؟ پس دونوں نے عرض کیا بابا جان! ماں کی قبر کی زیارت کیلئے دل بے چین ہے، پس حضرت امیرؑ نے بعد از نمازِ عشا گلیوں سے شمعدان اور چراغ بجھوا دیئے اور دونوں شہزادیاں اپنے بھائیوں کے ہمراہ باپ کے سائے میں جنت البقیع گئیں اور اسی شان میں واپس پلٹیں.. ہائے!

اس مخدومہ نے اپنے بھائی کے قاتل کے سامنے کس طرح سوال کیا ہوگا؟

چنانچہ کہتے ہیں کہ کوفہ کے قریب یہ قافلہ پہنچا تو مخدومہ بی بیؑ نے جناب فضہؑ سے فرمایا ان ظالموں سے کہو ہم پردہ دار ہیں اور اس حالت میں بازار سے جانے کے قابل نہیں ہمیں شارع عام سے نہ لے جایا جائے اور اگر ایسا کرنا ہے تو پھر ہمیں سر ڈھاپنے کو چادریں دی جائیں تاکہ اپنا سر اور منہ نامحرموں سے چھپا سکیں؟ جناب فضہؑ نے شمر کو پیغام دیا تو اس شقی نے جواب دیا کہ اپنی مخدومہؑ سے کہو کہ تم اب کوفہ کی شہزادی نہیں ہو بلکہ ابن زیاد کی قیدن ہو لہٰذا تم کو اسی حال میں جانا پڑے گا۔

دربار پہنچ کر ایک کونہ میں جا کر بیٹھ گئیں تو کنیزیں سامنے بیٹھیں..نہ معلوم اس مخدومہ پر وہ وقت کیسے گذرا ہوگا جب دیکھا ہوگا کہ جس منبر پر چند سال قبل ہمارے بابا مولا مشکل کشاؑ جلوہ گر تھے آج اسی منبر پر ایک دشمن دین، شرابی اور حرامزدہ بیٹھا ہے؟ اور منبر کے نیچے اپنے بھائی کا خون آلودہ سر طشت طلا میں ہے؟ اور نہ معلوم دل پر کیا گذری ہوگی جب اس شقی نے دریافت کیا ہوگا کہ یہ حالِ پریشان چشمِ گریاں بی بی کون ہے جس کو کنیزوں نے احاطہ میں لئے ہوئے ہے؟ اور جواب دیا گیا ہوگا کہ یہی امام حسینؑ کی پُر ارمان بہن اور حضرت علیؑ کی غیور بیٹی زینبؑ ہے۔

ظالم نے اندازِ تکبر سے مخدومہ کو خطاب کر کے اپنے ظلم واستبداد پر ناز کیا اور امام حسینؑ کے قتل پر فخر کیا تو مولا علیؑ کی شیر دل شہزادی سے سہا نہ گیا اور فرمایا: اے کمینہ! میرے بھائی پر خدا کی طرف سے درود وسلام ہے..میرا بھائی مظلوم مارا گیا اور تم لوگوں نے ہم عترتِ رسول کو رسوا کیا کل بروز قیامت جوابدہی کی تیاری کرلو.

اپنے تعارف کا بی بی نے وہ خطبہ پڑھا کہ اہل کوفہ دنگ رہ گئے.. بی بی نے اس ظالم سے یہ سوال بھی کیا تھا کہ ہمیں اُس قید خانہ میں رکھا جائے جہاں غیر ملکی کنیزیں موجود ہوں اور وہاں ہم کو پہچاننے والا کوئی نہ ہو۔

بارہویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ

انسان کیلیۓ سوچنے کا مقام ہے کہ میں کیا تھا اور کیا ہوگیا؟ حضرت امیر المومنینؑ کا فرمان ہے **مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ** جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا...اور فرمایا **مَا لِبَنِیْ اٰدَمَ وَ الْفَخْرِ اَوَّلُهُ النُّطْفَةُ وَ اٰخِرُهٗ جِیْفَةٌ** انسان اور فخر کا کیا جوڑ ہے وہ انسان جس کی ابتدأ نجس پانی سے ہے اور انتہا نجس مردہ ہے؟ درمیانی منزل میں وہ تکبر اور فخر کیوں کرے؟ اسے تو اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہیۓ جس نے اس کو پستی سے نکال کر بلندی عطا فرمائی۔

خواہشاتِ نفس نے انسان کو اپنے اللہ کی راہ سے دور کر دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انسان کے ہر عمل پر خواہشات کی مہر لگی ہوئی ہے اور لوگ خوابِ غفلت میں سو رہے ہیں جب موت آئے گی تو پتہ چلے گا جیسا کہ آپ نے فرمایا **اَلنَّاسُ نِیَامٌ اِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَهُوْا** لوگ غفلت کی نیند میں سوئے ہیں جب موت آئے گی تو آنکھ کھلے گی، اگر کوئی مرنے کے بعد واپس آتا اور بعد کے حالات سے آگاہ کرتا تو ناممکن ہے کہ انسان سے اطاعت خدا میں کوتاہی ہوتی۔

حضرت امیر المومنینؑ کی طرف یہ شعر منسوب ہے:

لَهٗ مَلَکٌ یُّنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ
لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَ ابْنُوْ لِلْخَرَاب

یعنی ہر روز ایک فرشتہ صدا دیتا ہے اے انسانو! موت کیلئے بچے جنو اور خراب ہونے کیلئے مکانات تعمیر کرو۔

حضرت علیؑ ایک مرتبہ چند صحابہ کے ہمراہ وادی السلام میں تشریف لے گئے اور اہل قبور کو سلام کر کے فرمایا اے اہل قبور! تمہارے اونچے اونچے محلات اب غیروں کے قبضہ میں چلے گئے اور تمہاری بیویاں نئے شوہروں کے قبضہ میں آگئیں اور تمہاری جائیدادوں پر غیروں کا قبضہ ہے.. بتاؤ تمہارے ہاتھ بھی کچھ ہے؟ پھر صحابہ سے مخاطب ہو کر فرماتے تم جانتے ہو کہ ان کی طرف سے جواب کیا ہے؟ پھر خود فرماتے اگر ان کے بولنے کی اجازت ہوتی تو یہ کہتے اِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى اے لوگو! آخرت کیلئے بہترین زادِراہ تقویٰ ہے۔

انسان جب کشتی میں سوار ہو اور کشتی تلاطم میں آجائے تو اہل کشتی غمزدہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر ملاح کہہ دے کشتی والو! غمگین نہ رہو کیونکہ معمولی تلاطم ہے اس سے بڑے بڑے تلاطم میں ہم آجایا کرتے ہیں گھبرایئے نہیں تو سب سوار مطمئن ہوں گے... لیکن کیا حال ہوگا اس کشتی والوں کا جب کشتی کا ملاح ہتھیار ڈال دے اور سواریوں سے کہے خود خبردار رہو اور اپنے بچاؤ کا سامان تلاش کرو؟

آیئے! جس سفینہ پر تم سوار ہو یہ آلِ محمد کا سفینہ ہے اور اوّل سے آخر تک سب ملاح خبردار، خبردار کہتے گئے ہیں بلکہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو امام حسینؑ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا اور فرماتے تھے احکم الحاکمین کے دربار کی پیشی ہے..اور حضرت امیر المومنینؑ شب تاریک میں اپنی ریش کو پکڑ کر روتے تھے اور تڑپتے تھے جس طرح مار گزیدہ انسان تڑپتا ہے اور فرماتے تھے آهُ مِنْ قِلَّةِ الزَّادِ وَ بُعْدِ الطَّرِيْقِ وَ طُوْلِ السَّفَرِ ہائے زادِراہ کم ہے..راستہ دور ہے اور سفر لمبا ہے۔

آئمہ طاہرین علیہم السلام سے متعدد روایات منقول ہیں کہ جو نماز نہیں پڑھتا وہ

ہمارا نہیں... بلکہ ایک روایت میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جب تمہاری بدکرداریاں ہمارے سامنے آئیں تو ہمارے چہرے شرم سے جھک جاتے ہیں اور بدکردار کا جعفری کہلوانا ہمارے لیے باعث شرم ہے..لیکن اگر کوئی نیک کام کرے تو اس کا جعفری کہلوانا ہی ہمارے لیے باعث راحت ہے اور فرمایا اگر محلّہ میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ آباد ہوں اور ایک ہمارا شیعہ بھی آباد ہو پس پوچھنے والا شخص پوچھے کہ یہاں کوئی دیانت دار، نمازی اور امین موجود ہے تو سب لوگ اسی کی طرف اشارہ کریں اگر ایسا ہو تو ہمارا شیعہ ہے (تفسیر انوار النجف جلد۶)

اصول کافی میں اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں اور فرمایا اے شیعو! ہماری زینت بن کر رہو ہمارے لیے داغ نہ بنو...دیکھئے نالائق شاگرد کی وجہ سے استاد باعث ملامت بن جاتے ہیں اور نالائق اولاد کی وجہ سے ماں باپ باعث ملامت بن جاتے ہیں محمد وآلِ محمد علیہم السلام ہمارے آبا بھی ہیں چنانچہ حدیث نبوی میں ہے انَا وَعَلِیٌّ اَبَوَا ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ یعنی میں اور علیؑ اس امت کے باپ ہیں اور استاد بھی ہیں..لہذا شیعوں کی بدنامی ان کی بدنامی کی موجب ہے۔

دیکھئے ذاکر اور واعظ کا کام ہے یاد دِلانا..وہ اپنے کانوں کو بھی سناتا ہے اور حاضرین کے کانوں تک بھی اپنی آواز پہنچاتا ہے خداوند کریم کہنے سننے والوں کو توفیق توبہ مرحمت فرمائے (آمین)

آخر مرنا ہے اور یہی زمین پکار پکار کر کہتی ہے اے میری پشت پر چلنے والے انسان ہوش سنبھال؟ اگر بدکار اور گنہگار ہو تو کہتی ہے بے شک میری پشت پر اکڑ اکڑ کر چل پھر لے آخر ایک دن میرے شکم میں تجھے آنا ہوگا اور تجھ سے بڑے بڑوں کے تکبر میں نے مٹی میں ملا دیئے پھر تم کون ہو؟ اور اگر نیک آدمی اس کی پشت پر چلے تو آواز آتی ہے اے بندۂ مومن! چند روز تکلیف کی دنیا میں رہ کر گزار لے

مجھے تیری تکلیف کا احساس ہے تجھ سے بڑے بڑے اولیاءُ اللہ میری پشت پر صبر کر کے گزار گئے ہیں آخر ایک دن تو نے میرا مہمان ہونا ہے تو تجھے اس طرح اپنی گود میں سلاؤں گی کہ دنیا کی تمام تکالیف بھول جائیں گی۔

مروی ہے قبر میں جب انسان پہنچتا ہے تو عباداتِ الٰہیہ انوار بن کر اس کی حفاظت کرتے ہیں.. چنانچہ مرتے وقت تین چیزیں پیش آتی ہیں مال، رشتہ دار اور اعمال، مال کی طرف حسرت بھری نگاہ سے دیکھتا ہے تو جواب ملتا ہے اب میں تیری کوئی امداد نہیں کرسکتا مجھ سے صرف کفن ملے گا..اور رشتہ داروں کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھتا ہے تو جواب ملتا ہے ہم صرف قبر تک ہی لے جائیں گے اور بس اس کے علاوہ اور کوئی مدد نہیں ہوسکتی.. پھر اعمال کی طرف نگاہِ حسرت اُٹھاتا ہے تو جواب ملتا ہے اگرچہ دنیا میں تو نے ہمیں بددلی سے ادا کیا تاہم اب تیرا مشکل وقت ہے ہم قبر میں بھی تیرے ساتھ ہیں اور میدانِ محشر میں بھی تیرے ساتھ رہیں گے۔

قبر میں جب عبادات کے انوار موجود ہوں گے تو کنارہ قبر پر ایک نور جلوہ گر ہوگا پیشانی کے برابر کے نور سے پوچھے گا تو کون ہے؟ تو جواب ملے گا میں نماز مومن ہوں وہ پوچھے گا تو کمزور کیوں ہے؟ تو جواب دے گی اس مومن نے مجھے خشوع و خضوع کی خوراک سے محروم رکھا ہے اور جہاں محشر میں انبیأ، صلحاً اور اولیاً کی نماز میں موجود ہوں گی وہاں اس صف میں کھڑا ہونے سے ڈر لگتا ہے.. پھر منہ کے برابر کے نور سے پوچھے گا تو کون ہے؟ تو جواب ملے گا میں اس مومن کا روزہ ہوں اور پہلی قسم کے سوال و جواب ہوں گے..اسی طرح خمس، زکواۃ، حج وغیرہ سے سوال و جواب ہوگا تو آخر میں کہے گا تم بے خوف رہو میدانِ محشر کی پیشی کا ذمہ دار میں ہوں..وہ انوار پوچھیں گے تو کون ہے؟ تو جواب دے گا میرا نام ہے ولائے علیؑ۔

میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے قبر کے کنارے پر ایک اور نور بھی موجود

ہوگا جب سب احباب دفن کر کے واپس چلے جائیں گے اور رونے والے چپ ہوجائیں گے تو وہ اس کے سرہانے روتا ہے مومن پوچھتا ہے تو کون ہے؟ جب میرے رونے والے تھک چکے ہیں تو تیرا گریہ شروع ہورہا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا وہ مظلوم امامؑ ہوں جس کی یاد میں تو رویا کرتا تھا..بے شک امام حسینؑ اپنے عزاداروں کو بھلاتے نہیں اور امام حسینؑ کی ماں بتولِ عذرؑا بھی ممنونِ احسان ہوتی ہے اس کی جو غم حسینؑ میں آنسو بہائے۔

نجف اشرف کی عزادار کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہر سال صفِ عزا بچھاتی تھی ایک سال اس کے پاس کچھ نہ تھا وہ مایوس تھی اور محرم کا چاند نظر آیا تو اکیلی رو رہی تھی کہ دروازہ پر دستک ہوئی دروازہ کھولا تو سیاہ پوش مستور داخل ہوئی، پس صاحب خانہ کے ساتھ مل کر رات بھر ماتم کیا اور ہر رات یہی دستور رہا.. جب دسویں کی رات ہوئی تو وہ سیاہ پوش بی بی اس طرح روئی جیسے کسی کا جوان بیٹا آنکھوں کے سامنے دم توڑ کر مر گیا ہو..جب صبح کو رخصت ہونے لگی تو گھر کی مالکہ نے ایک گٹھری میں کچھ پارچہ جات لپیٹ کر پیش کئے اور کہا کہ اس سے زیادہ نذرانہ میں نہیں ادا کرسکتی اور معذرت چاہتی ہوں، اس سیاہ پوش بی بی نے منہ کربلا کی طرف کرلیا اور روتے ہوئے آواز دی اے بیٹا حسینؑ ! گواہ رہنا تیری عزادار تیری ماں کو تیرے ماتم کا نذرانہ پیش کررہی ہے۔

ایک دوسری عزادار کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ عشرہ کی مجالس کے بعد وہ اپنے بیٹے کی قبر پس حسب عادت آئی دیکھا تو اس کے بیٹے کی قبر کے سرہانے ایک سیاہ پوش مستور رو رہی ہے جیسا کہ اپنے بیٹے پر رویا جاتا ہے..اس بی بی نے اس کے قریب جا کر عرض کیا اے بی بی یہ تو میرے بیٹے کی قبر ہے تیرے بیٹے کی قبر کوئی اور ہوگی تو اس خاتون نے رو کر جواب دیا ارے میں حسینؑ کی دکھیاری ماں ہوں تو نے

میرے بیٹے کا ماتم کیا اور میں تیرے بیٹے کا ماتم کرنے آئی ہوں۔

حدیث میں ہے کہ شب جمعہ بتولِ معظمہ کربلا میں تشریف لاتی ہیں اور اپنے بیٹے کے عزاداروں کو جنت کی ٹکٹیں تقسیم فرماتی ہیں خداوند کریم یہ آنسو قبول فرمائے خاتونِ جنت کو مرنے کے بعد بھی آرام نہیں بلکہ قبر میں کبھی اٹھتی ہیں کبھی بیٹھتی ہیں۔

مروی ہے کہ حضرت حسن مجتبیٰؑ کی زہر آلود قمیص ایک کندھے پر اور امام حسینؑ کا خون آلود کرتہ دوسرے کندھے پر ہوتا ہے اور بابا کی مزار کی طرف منہ کر کے کہتی ہیں بابا تیری امت نے میرے بے گناہ بیٹوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟

نہ معلوم بی بی نے کہاں کہاں اپنی اولاد کا ماتم کیا؟ جنگلوں میں.. پہاڑوں میں..آبادیوں میں..ویرانوں میں..تلواروں کے نیچے..زندانوں میں.. بازاروں میں..دیواروں میں.. ہائے اولادِ بتول کو مسلمانوں نے کس قدر ستایا؟ کبھی بی بی نے خولی کے گھر بین کیئے تو کبھی دروازۂ شام پر گریہ کیا؟

کہتے ہیں ایک مرتبہ زندان بان نے پوچھا کہ آقائے بیمار تمہارا کوئی پردہ دار رات کو باہر رہ جاتا ہے لہذا احتیاط سے رات کو اپنے آدمیوں کی مردم شماری کر لیا کریں کیونکہ میں کئی راتوں سے دیکھتا ہوں درزندان پر ایک سیاہ پوش مستورہ روتی رہی ہوتی ہے امام نے فرمایا ہائے وہ میری جدۂ ماجدہ جناب فاطمہ زہراؑ ہے جو ساری روتی رہتی ہے۔

پارے مصحف ناطق دے جڈاں اُترے وچ صحرائے
باد سموم دی تیزی توں تھئے اکثر ورق جدائے
سرنامے ہر ہر آیت دے جڈاں رحل سنان تے آئے
تفسیر کھلی بازاراں وچ جڈاں خطبے سینڑ سنڑائے

تیرہویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ

خداوند کریم کا یہ فرمان دعوتِ عقل کی تائید کرتا ہے ورنہ اگر نہ بھی فرماتا تب بھی ازراہِ عقل خالق و محسن حکیم کی عبادت انسان پر واجب تھی اور منعم و محسن کا شکر ادا کرنا واجب ولازم تھا... یہ کہنا کہ نجات کیلئے صرف ولائے علیؑ کافی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اعمال کی ضرورت نہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ ولائے علیؑ کا دعویٰ اعمال صالحہ کے بغیر جھوٹا ہوتا ہے کیونکہ وہ دوست دوست نہیں جو دوست کی بات کی مخالفت کرے یا دوست کے فرمان کو پس پشت ڈال دے... حقیقت تو یہ ہے کہ محبوب کی ہر ادا محبوب ہوا کرتی ہے پس اگر حضرت علیؑ سے سچی محبت ہے تو اس کی ہر ادا سے محبت ہونی چاہیے.. حضرت علیؑ کو جو چیز محبوب تھی ہمیں وہ چیز محبوب ہونی چاہیے اور اُن کو جس چیز سے نفرت تھی ہمیں اس سے نفرت ہونی چاہیے، حضرت علیؑ کو حلال سے محبت تھی اور حرام سے نفرت تھی.. اسی طرح انہیں نماز سے محبت تھی اور بے نمازی سے نفرت تھی.... وعلیٰ ہذا القیاس۔

زبان سے علی علی کہنا اور اعمال سے مولا علیؑ کی مخالفت کرنا قطعاً زیب نہیں دیتا یہ تو اس طرح ہے کہ دو کا مقابلہ ہو اور ان میں سے ایک کو اپنی نفرت کا زبانی وعدہ دیا جائے لیکن مقام عمل میں اس کے مدمقابل کی تائید کی جائے تو اس سے بدترین دھوکا اور کیا ہے؟ پس مولا علیؑ کو دھوکا دیتے ہیں وہ لوگ جو منہ سے علی علی کرتے ہیں

اوراعمال میں ان کی مخالفت کرتے ہیں... اسی طرح خدا کی سچی محبت اس کی اطاعت سے ظاہر ہوگی ورنہ اگر زبان سے لا الہ الا اللہ کہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں پرستش وعبادت کے لائق سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں سمجھتا لیکن مقام عمل میں شیطان کی اطاعت کرے تو یہ بدترین دھوکا ہے اور یہ لوگ اللہ کو دھوکا نہیں دیتے بلکہ درحقیقت اپنے نفسوں کو دھوکا میں ڈالے ہوئے ہیں۔

مروی ہے معصومؑ نے فرمایا اگر انسان یہ معلوم کرنا چاہے کہ خدا کو میرے ساتھ کس طرح محبت ہے؟ تو اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے کہ میرے دل میں اس کے احکام کی کس قدر عظمت ہے؟ پس اللہ کے احکام کی جس قدر عظمت اس کے دل میں ہوگی تو سمجھ لے کہ اللہ کی محبت بھی اسی قدر ہے... اگر پوچھا جائے کہ تو خدا کا ہے یا شیطان کا؟ تو فوراً جواب ملے گا شیطان پر لعنت میں تو خدا کا ہوں..لیکن اگر ووٹ کئے جائیں تو بقول بعض مقررین کے اگر خدا وشیطان کا الیکشن ہوتا تو خدا کی ضمانت بھی ضبط ہو جاتی!

چنانچہ تجربہ کے طور پر سینما کے دروازہ پر شیطانیوں کا ہجوم اور مسجد کے دروازہ پر خداوالوں کا مجمع ہر روز نمایاں فرق کا اعلان ہے اور بقول کلمہ توحید کا دم بھرنے والے ووٹ کے مقام پر شیطان کو صرف ووٹ نہیں دیتے بلکہ ووٹ بھی دیتے ہیں اور نوٹ بھی دیتے ہیں اور خدا کو صرف ووٹ کوئی نہیں دیتا چہ جائیکہ نوٹ دیئے جائیں، عجیب ہے یہ انسان کہ ہر ایک کو جھکتا ہے اور نہیں جھکتا تو اپنے خالق کے آگے؟

بس علی علی کہنا عبادت ہے لیکن لطف یہ ہے کہ جسم کی رگ رگ اور خون کے قطرہ قطرہ سے صدائے علی علی بلند ہو.... ایک مرتبہ حضرت امیر المومنینؑ درِ مسجد پر آئے تو چند لوگوں نے سلام کیا اور عرض کیا حضور ہم آپ کے شیعہ ہیں تو آپ نے فرمایا مجھے تعجب ہے کہ تم لوگوں میں شیعوں کی کوئی علامت بھی موجود نہیں؟ انہوں

نے دریافت کیا وہ کونسی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا آنکھوں میں خوفِ خدا سے رونے کا ڈر ہو.. ہونٹوں پر ذکر خدا کا اثر ہو..اور پیٹ روزہ کی وجہ سے پشت سے ملا ہوا ہو وغیرہ (تفسیر انوار النجف جلد ۶ علاماتِ مومن)

علیؑ والوں کی یہ شان ہے کہ حکم امام سے سامنے سرِ تسلیم خم کریں اور اُف نہ کریں اور یہی ہے حقیقت عبدیت اور عبد مومن وہی ہے جو خدا اور رسول و امام کے حکم سے سرتابی نہ کرے۔

ایک شخص امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ہم لوگ آپ کے شیعہ ہیں آپ نے فرمایا شیعہ کی منزل بہت بلند ہے اس نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا اگر تیرا دعویٰ سچا ہے تو سامنے جلتے ہوئے تنور میں کود جاؤ اس نے اس عمل سے گریز کیا..اتنے میں ایک عبد مومن ہارون مکی تازہ حج سے واپس آیا خیال تھا کہ پہلے اپنے امام کو سلام کرلوں پھر بال بچوں کو ملوں گا ابھی گردِ سفر اس کے پاؤں پر تھی امام نے دیکھ کر فرمایا ہارون مکی اس سامنے کے جلتے ہوئے تنور میں کود جاؤ قربان شانِ مومن.. ہارون مکی نے تعمیل ارشاد میں توقف نہ کیا اور تنور پر جا کر اس میں چھلانگ لگا دی وہ شخص حیران و ششدر رہ گیا امام نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تو دل میں محسوس کر رہا ہے فوراً اس کو ہمراہ لے کر تنور پر آئے دیکھا تو وہ تسبیح خدا میں مشغول ہے...عبدیت کا تقاضا یہ ہے کہ منہ سے کیوں نہ نکلے اور معصومؑ نے صاف فرمایا ہے کہ ہم بغیر تقویٰ کے تمہارے ضامن نہیں ہیں...اس میں شک نہیں کہ ولائے علیؑ کلید بہشت ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ ولائے علیؑ کے بغیر کسی عامل کا عمل قبول نہیں ہوتا یہ مطلب نہیں کہ ولائے علیؑ کی موجودگی میں کسی عمل کی ضرورت نہیں۔

ایک دفعہ حضرت علیؑ مسجد کوفہ سے باہر آرہے تھے آپ کا غلام قنبر بھی ہمراہ تھا اس کو کچھ دیر ہوئی تو آپ نے پوچھا کیوں دیر کر دی؟ تو جواب دیا کہ ایک شخص کی

نماز مجھے پسند آئی کہ نہایت خلوص سے پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا اگر نبیوں کے اعمال ایک شخص کے اعمال نامے میں موجود ہوں لیکن میری وِلا نہ رکھتا ہوگا تو اس کو وہ سب اعمال ذرّہ بھر بھی فائدہ نہ دیں گے (مقدمہ تفسیر انوار النجف)

امام زین العابدینؑ نے ایک شخص سے پوچھا روئے زمین پر کونسی جگہ افضل ہے؟ تو اس نے جواب دیا خدا و رسول ہی بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا رکن اور مقام کے درمیان کا ٹکڑا.. پھر فرمایا اگر کوئی شخص دن بھر روزے رکھے اور رات بھر عبادت کرے حضرت نوحؑ کی عمر کے برابر عمر رکھتا ہو اور راہِ خدا میں اسی مقام پر شہید ہو جائے تا ہم اگر ہماری وِلا نہیں رکھتا تو اوندھے منہ جہنم میں داخل ہوگا، جنت ہے علیؑ والوں کی اور علیؑ والے ہیں جنت کے ..تو علیؑ والوں کا بھی فرض ہے کہ خود جنت کو پس پشت نہ کریں۔

ہم نے وِلائے محمد و آل محمد علیہم السلام کے متعلق بہت کچھ احادیث مقدمہ تفسیر انوار النجف اور باقی جلدوں میں اپنے اپنے موقعہ و محل سے ذکر کی ہیں ..فضائل آلِ محمد کے شائقین تفسیر کا مطالعہ کر کے اپنے ایمان کو تازہ کریں۔

دیکھئے.... دین اسلام میں دو چیزیں ہیں عقاید اور اعمال ..عقاید کو اصول کہا جاتا ہے اور اعمال کو فروغ، کوئی درخت صرف اصول سے پھل نہیں دیتا بلکہ ہر درخت فروغ یعنی شاخوں سے ہی پھل دیتا ہے اور درحقیقت زندگی کے تمام شعبہ جات میں یہی چیز کارفرما ہے بیمار کا ڈاکٹر کو جاننا ..ہسپتال کو پہچاننا وغیرہ اصولِ علاج ہیں اور ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کرنا اور مضر چیزوں کے استعمال سے بچنا فروعِ علاج ہیں اور تمام دنیا جانتی ہے کہ تندرستی حاصل کرنا اور بیماری سے جی چھڑانے کیلئے صرف ڈاکٹر کی معرفت کافی نہیں بلکہ علاج ضروری ہے۔

زبان سے اپنی صداقت کا اعلان کرنا ناکافی ہے جب تک کہ عمل میں

صداقت نہ ہوا گر کہا جائے کہ امام حسینؑ کے مذہب میں دیانتداری ہے تو دیانتدار بن کر مذہب کی صداقت کا اعلان کرنا ہوگا..اگر لوگوں کو حسینیت کی طرف بلایا جائے اور وہ پوچھیں کہ اس میں خوبیاں کیا ہیں تو صرف زبان سے گنوانا کافی نہیں ہوگا بلکہ عملاً تصدیق ضروری ہوگی، وہ پوچھے گا تم نے حسینیت سے کیا حاصل کیا؟ کیا تم نے حسینیت کے دامن میں آ کر نماز حاصل کرلی؟ شرافت لے لی؟ دیانت تمہارے پاس آ گئی؟ سننے والا صرف حضرت حرؔ کی نجات سن کر مطمئن نہ ہوگا بلکہ پوچھے گا امام حسینؑ کے پاس آ کر تم نے کونسی روحانی بیماری کا علاج کرایا؟ اگر دوسروں کو کسی ہسپتال میں داخل ہونے کا مشورہ دیا جائے تو وہ ضرور دریافت کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جو پہلے حسینی مشن میں داخل ہیں وہ کس قدر روحانی امراض سے شفایاب ہو چکے ہیں؟ دوسرے کے منہ پر داغ ہوں اور اسے صفائی کی دعوت دی جائے تو ضروری ہے کہ کم از کم پہلے اپنے منہ سے تو داغ دور کرلیں۔

حسینیو! حسینیت کے پرچم تلے پہلے خود جم کر آ جاؤ..تمہارا ماتم کرنا اور حسین حسین کرنا تب فائدہ مند ہوگا جب تمہارے اعمال حسینیت کا پتہ دیں گے۔

دیکھئے...دسویں کے دن ایک بڑے جلوس میں ہر جگہ امام حسینؑ کی نماز کو یاد کر کے رویا جاتا ہے لیکن اگر رونے والوں میں ایک آدمی بھی نماز نہیں پڑھتا تو اس قسم کے جلوس سے دنیا والے کیا سبق لیں گے؟ وہ ہرگز باور نہیں کریں گے کہ یہ حسینیوں کا گروہ ہے بلکہ وہ تو صاف کہیں گے یہ بے نماز لوگوں کی جماعت ہے جو منہ سے امام حسینؑ کا دم بھرتے ہیں اور عمل میں یزید کی پیروی کرتے ہیں لطف جب تھا کہ ماتم کرتا ہوا عزادار دستہ باوضو ہوتا اور جب اثنائے ماتم میں وقت نماز ہوتا تو انہی میں سے ایک شخص اذان شروع کر دیتا اور وہیں صفیں درست ہو جاتیں اور سارے ماتم دار باجماعت چلچلاتی دھوپ میں نماز قائم کرتے اور سلام کے بعد

پھر ہائے حسینؑ ہائے حسینؑ کی صدا بلند ہوتی پھر کیوں نہ لوگ دھڑا دھڑ حسینی پر چم کے نیچے جمع ہوتے؟ ان کو یقین ہوتا کہ واقعی یہ جلوس حسینوں کا ہے۔

ابوثمامہ صیداوی نے نماز کا مشورہ دیا تو امام پاک نے اس کو دعا دی **ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ جَعَلَکَ اللّٰہُ مِنَ الْمُصَلِّیْن** تو نے نماز یاد دلائی ہے خدا تجھے نمازیوں میں محشور فرمائے...حالانکہ میدان شہادت میں موت پر کمر بستہ ہیں امام نے یہ نہیں فرمایا کہ خدا تجھے شہیدوں میں جگہ دے بلکہ فرمایا خدا تجھے نمازیوں میں محشور فرمائے گویا امام نماز کی عظمت کو یاد دلا رہے ہیں اور سمجھا رہے ہیں کہ ہماری شہادت نماز کی بقا کی خاطر ہے۔

اسی نماز کو بچانے کیلئے امام حسینؑ نے کیا کیا قربانیاں دیں؟ اسلام انہی اصول وفروع کے مجموعہ کا نام تھا جنہیں امام حسینؑ نے بچالیا ہے اور سب کچھ دے کے بچایا جوان بیٹے دیئے.. بھائی عباس کی پرواہ نہ کی..حتی کہ علی اصغر شیر خوار کو قربان گاہ میں پیش کر دیا اور متاعِ شرافت و ناموس عصمت کی پرواہ نہ کی..وہ بی بی بازار گئی جس کے بچپنے میں گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنا کسی نے پسند نہیں کیا تھا۔

چنانچہ بتولِ معظّمہ کے جنازہ کے ہمراہ شب تار میں حضرت علیؑ کو معلوم ہوا تو حضرت علیؑ نے پاس بلا کر فرمایا بیٹی تم علیؑ کی شہزادی ہو تمہارا گھر سے باہر آنا ہمیں گوارا نہیں ہائے وہ بی بی کربلا میں خود لاشیں اُٹھاتی رہی اور یہ سب کچھ اس لئے برداشت کیا کہ اسلام بمعہ اصول وفروع کے محفوظ رہ جائے۔

ہائے اسلامی قوانین کی اس قدر پاسداری کہ بازار کوفہ میں لوگوں نے صدقہ کی کھجوریں پیش کیں تو سب بیبیوں نے بچوں کے منہ سے نکال کر پھینک دیں کہ ہم خانوادۂ عصمت پر صدقہ حرام ہے گویا اس مجمع میں بیبیوں کو اسلامی احکام کی بقا مطلوب تھی اور اسی اسلام کی بقا کی خاطر خانوادہ عصمت نے ہر دور میں مظالم

برداشت کیئے اور امام مظلوم نے آخری وقت میں بہن سے فرمایا تھا کہ بہن مجھے نماز شب میں نہ بھولنا **لَا تُنۡسِیۡنِیۡ فِیۡ صَلٰوۃِ اللَّیۡل** اور اپنے بیمار فرزند کو فرمایا بیٹا **عَلَیۡکَ بِالصَّلٰوۃِ** نماز کو فراموش نہ کرنا..ایک وصیت جناب سکینہ کو فرمائی جبکہ شب یازدہم لاش اطہر پر پہنچی تو گلوئے بریدہ سے صدا آرہی تھی:

شِیۡعَتِیۡ مَا اِنۡ شَرِبۡتُمۡ مَا عَذۡبٍ فَاذۡکُرُوۡنِیۡ
اَوۡ سَمِعۡتُمۡ بِغَرِیۡبٍ اَوۡ شَهِیۡدٍ فَانۡدُبُوۡنِیۡ

وَ اَنَا السِّبۡطُ الَّذِیۡ بِغَیۡرِ جُرۡمٍ قَتَلُوۡنِیۡ
وَ بِجُرۡدِ الۡخَیۡلِ بَعۡدَ الۡقَتۡلِ عَمۡدًا سَحَقُوۡنِیۡ

وَیۡلَهُمۡ قَدۡ جَرَحُوۡا قَلۡبَ الرَّسُوۡلِ الثَّقَلِیۡنِ
یَا لَرُزۡءٍ وَ مُصَابٍ هَدَّا اَرۡکَانَ الۡحَجُوۡنِ

لَیۡتَکُمۡ فِیۡ یَوۡمِ عَاشُوۡرَا جَمِیۡعًا تَنۡظُرُوۡنِیۡ
کَیۡفَ اَسۡتَسۡقِیۡ لِطِفۡلِیۡ فَأَبَوۡا اَنۡ یَّرۡحَمُوۡنِیۡ

وَ سَقَوۡهُ سَهۡمَ بَغۡیٍ عِوَضَ الۡمَاءَ الۡمَعِیۡنِ
فَالۡعَنُوۡهُمۡ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ شِیۡعَتِیۡ فِیۡ کُلِّ حِیۡنِ

چودھویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنَ

جب بھی اس موضوع پر بیان جاری کیا جائے تو لوگ کہتے ہیں یہ موضوع خشک ہے اوراس موضوع پر بیان کرنے سے مجلس میں خشکی آ جاتی ہے؟ اگر ایسا صحیح ہے تو پھر قرآن خشک..نبوی فرمان خشک..اور دین سارے کا سارا خشک..لیکن در حقیقت یہ سب کچھ تر ہے فقط انہیں خشک قرار دینے والے دماغ خشک ہیں۔

جو قرآنی احکام کے رائج کرنے کیلئے امام حسینؑ نے عظیم الشان قربانی دی تھی کہ جس امام مظلومؑ کا قصہ آجکل کے بیان کرنے والوں کیلئے لقمہ تر کا موجب ہے کیا وہ امام انہی خشک احکام کا مبلّغ تھا؟ اگر اُسی امام کا زمانہ اقتدار ہوتا تو بے نماز کو قتل کیا جاتا اور زانی کو رجم کیا جاتا..اس وقت دیکھیں کون کہتا ہے کہ حکومت خشک ہے؟

حضرت علیؑ امام برحق ہیں اور میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ خشک احکام ہیں ہی صرف ان لوگوں کیلئے جو حضرت علیؑ کو امام سمجھتے ہیں...ورنہ جو لوگ مولا علیؑ سے تعلق نہیں رکھتے ان کو تو اعمال سے فائدہ نہیں،قرآن میں ہر مقام پر ایمان کے بعد عمل کو قید لگا دی گئی ہے اور ایمان والوں کو اعمالِ صالحہ کی دولت دی گئی ہے اگر ایمان ولائے علیؑ کا نام ہے تو نماز ہے ہی مولا علیؑ والوں کیلئے....وعلیٰ ہذا القیاس

دیکھئے..زبان سے علی علی کہنا عبادت ہے لیکن حضرات یہ خیال رہے کہ باقی اعضا اس نعرہ کی مخالفت کر کے دشمن علیؑ کا نعرہ نہ لگانے لگ جائیں جناب رسالتمآبؐ

نے اہل بیتؑ کو کشتی نوحؑ کی مثال دی اوران کو کشتی نجات ٹھہرایا..اب کشتی نوحؑ سے علیحدگی کرنے والا اگرچہ فرزند ہے لیکن وہ غرق ہی ہوااور قرآن نے اس کی وجہ یہ بیان کی اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کہ اس کے اعمال خراب تھے یہ صاف اعلان ہے کہ بدعملی کشتی نجات سے دور کردیتی ہے خواہ کشتی والے کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو؟ اورنجات کے لئے صرف کشتی کی تعریف اور ملاحوں کی تعریف کافی نہیں جب تک ان کی ہدایت کے ماتحت انسان سوار نہ ہو..بس اہل بیتؑ کشتی نجات ہیں اوران کی ہدایت پرعمل کرنا موجب نجات ہے۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اعمال کا بروزِ محشر سوال ہی حضرت علیؑ والوں سے ہوگا کیونکہ جب پہلے موقف پر ایمان کا جائزہ لیا جائے گا تو توحید کے دشمن سے نماز کا سوال بے معنی ہے اور نبوت کے منکر سے عبادات کا سوال فضول ہے نیز ولایت کے دشمن سے بھی عبادات کی پرسش بیکار ہے کیونکہ توحید ونبوت اور ولایت کے دشمن تو بلاحساب جہنم میں داخل ہوں گے..ان کے جہنم کے داخلے کیلئے ان کا شرک کفراورنفاق ہی کافی ہے، کیونکہ ان کے باقی اعمال حبط وضائع قرار دیئے جائیں گے پس جب توحید..نبوت اور ولایت کے سوالات سے فارغ ہوکر مومن اگلے موقف پر پہنچے گا تو دریافت کیا جائے گا کہ نماز بھی پاس ہے یانہیں؟ توروزہ دار ہے یانہیں؟ وعلیٰ ہذاالقیاس

چنانچہ جب بہشتی اوردوزخی اپنے اپنے ٹھکانے لگ جائیں گے اوراپنے بعض جہنمیوں سے بہشتی لوگ ترس کھا کر پوچھیں گے تم جہنم میں کیسے آئے؟ تو وہ جہنمی یہی جواب دیں گے کہ کفروشرک ونفاق کی وجہ سے ہم جہنمی نہیں ہوئے بلکہ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ہم میں خامی یہ تھی کہ نماز نہیں پڑھتے تھےاور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے یعنی بصورت وجوب خمس وزکواۃ نہیں ادا کرتے تھے... یہ بہشتی لوگ خودولائے

علیؑ کے قائل ہوں گے تو جہنمیوں سے پوچھیں گے ورنہ مشرک و کافر و منافق کا جہنم میں جانا تو باعث تعجب ہی نہیں؟

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک پلیٹ فارم پر دو گاڑیاں بیک وقت جمع ہو جائیں اور ایک طرف کا ٹکٹ جیب میں ہو تو صرف ٹکٹ منزلِ مقصود تک پہنچانے کیلئے کافی نہیں جب تک اس گاڑی پر سوار نہ ہو جو اس منزل کی طرف جاتی ہے؟ اسی طرح اس دنیا میں جہنم اور جنت کی طرف دو گاڑیاں بیک وقت روانہ ہیں جنت کی طرف جانے والی گاڑی کے ڈرائیور امام حسینؑ ہیں اور جہنم کی طرف جانے والی گاڑی کا ڈرائیور یزید ہے..اب اگر چہ جنت کی ٹکٹ (ولائے علیؑ) آپ کے پاس ہے تب بھی ٹکٹ جنت تک لے جانے کیلئے کافی نہیں جب تک کہ گاڑی میں سوار نہ ہوں....اور علامتیں دونوں طرف موجود ہیں ایک طرف اسلام دوسری طرف نفاق ایک طرف دین دوسری طرف بے دینی....ایک اور مثال یوں سمجھئے کہ اگر کوئی سخی ہمارے دامن میں کوئی چیز ڈال دے تو اس کو باحفاظت منزل تک لے جانا ہمارا فرض ہے...اسی طرح امام حسینؑ نے قربانی دے کر دین اسلام اور قرآن و شریعت ہمارے دامن میں رکھ دیئے اب انہیں محفوظ لے کر آگے بڑھنا ہمارا فرض ہے۔

پس ذاکر اور واعظ کے بیان میں صرف یہی فرق ہے ورنہ مقصد دونوں کا ایک ہے ذاکر کہتا ہے کہ اسلام امام حسینؑ کے دروازہ سے ملتا ہے اور واعظ کہتا ہے کہ اس کو ضایع نہ کرنا بلکہ اس کی حفاظت کرنا...نیز ذاکر کہتا ہے کہ جنت کی ٹکٹ مولا علیؑ کے دروازہ سے ملتی ہے اور واعظ کہتا ہے کہ وہ ٹکٹ تو مل گیا اب ذرا مقامِ عمل میں بھول کر دوسری گاڑی پر سوار نہ ہونا؟

ہم نے دیکھا ہے جو بھی اس گاڑی پر سوار ہوئے وہ پار ہوئے.. ہمارے سامنے شہدائے کربلا کی طوالانی فہرست موجود ہے مرد تو بجائے خود اس قافلہ کی

مستورات نے جو جو قربانیاں پیش کیں مردوں کا دل ہلا دینے کیلئے کافی ہیں!
امام حسینؑ نے شب دہم جائزہ لیا تو دیکھا ہر بی بی اپنی قربانی کو تیار کر رہی تھی: جناب لیلیٰ اپنے لختِ جگر ہمشکل پیغمبر شہزادہ علی اکبر کو... حضرت امّ فروہ اپنے نورِ نظر شہزادہ امیر قاسم کو اسی طرح جناب زینب عالیہ اپنے دونوں شہزادوں عون و محمد کو تیار کر رہی تھیں... ہائے رے قسمت جناب امّ کلثوم؟ جیسا کہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ جناب امّ کلثوم اپنی قسمت پر رو رہی تھیں۔

نوحہ

ہائے مخدومہ دو عالم دی کیوں وچ دربار بلائی گئی ہے
بازاراں دے وچ بنت علی دی کیوں تشہیر کرائی گئی ہے
ڈسو آل نبی دا جرم ہا کیا کیوں شام دے وچ اے ظلم تھیا
کیوں دھی مظلوم مسافر دی ہک چولے وچ دفنائی گئی ہے
جنئیں شہر مدینہ ٹر نہ ڈٹھا اُکوں شہر دمشق اچ ٹرنا پیا
کیوں بنت علی بازاراں وچ ہر موڑ اُتے رکوائی گئی ہے
پچھیا عبداللہ ڈس بی بی کیوں گسنیاں تے ہن گس بی بی
فرمایا زینب قید رہی ہاں میکوں سخت زنجیر پوائی گئی ہے
بہوں دل وچ درد ہن کیا بولاں آوے مہدی راز سارے کھولاں
جیڑھی ٹرناھی سگدی گھر دے وچ کیوں نونو میل ٹرائی گئی ہے
ہے ملکہ ملک شرافت دی اَتے ناصرہ پاک شریعت دی
تائیں علم شبیر دی عظمت دا وچ شام دے نصب کرا گئی ہے

پندرھویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنَ

عقل کا تقاضا ہے کہ ہر ناقص کامل کے آگے جھکے اور ہر ادنیٰ اعلیٰ کی اطاعت کرے..پس اس لحاظ سے خالق اکبر کے سامنے جھکنا تو عقل کا بدیہی فیصلہ ہے ترتیب خلق میں ملاحظہ کیجئے کہ کس طرح ادنیٰ اپنے اعلیٰ کی نوکری و خدمت میں بلا چون و چرا مصروف ہے؟ سلسلہ جمادات..نباتات..حیوانات اور انسان میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ کا ادنیٰ سے خدمت لینا اس کا فطری و خلقی حق ہے۔

جمادات سے نباتات اعلیٰ ہیں کیونکہ جمادات میں جمود ہے اور ساتھ ہی ان میں مادّہ ترقی بھی نہیں اور نباتات میں برخلاف اس کے جوہر نموّ اور مادّہ ترقی موجود ہے..پس بے جوہر سے جوہر دار اور بے کمال سے صاحب کمال افضل ہے لہذا روحِ نباتی رکھنے والے موجودات جو نباتات کہلاتے ہیں بے روح اور مردہ موجودات سے افضل ہیں جن کو جماد کہا جاتا ہے کیوں کہ زندہ مردہ سے بہتر ہے۔

حیوانات..نباتات سے افضل ہیں کیونکہ حیوانات میں دو روح موجود ہیں جو اس کیلئے جوہر کمال ہیں، ایک روح نباتی جو نباتات میں موجود ہے اور دوسرا روح حیوانی جو اس کی حس و حرکت کا موجب ہے اور دوسرے روح کے اعتبار سے نباتات میں کیفیت مردنی موجود ہے پس حیوانات..نباتات سے بہتر ہیں کیونکہ دو جوہر رکھنے والا ایک جوہر والے سے افضل و بہتر ہے۔

انسان..حیوانات سے بہتر ہے کیونکہ اس میں روح نباتی اور روح حیوانی کے علاوہ روح انسانی موجود ہے جو نفس ناطقہ کہلاتا ہے اور انسان میں نشو ونما اور حس وحرکت کے علاوہ قوتِ گویائی اور دولت عقل موجود ہے جس سے باقی موجودات خالی ہیں..پس یہ انسان گزشتہ تینوں (جمادات،نباتات،حیوانات) سے افضل ہے اور پہلے تینوں ناقص اوراس چوتھے نمبر والے کامل کے مقابلہ مفضول ہیں کیونکہ بے کمال سے صاحب کمال بہتر ہوتا ہے۔

پس فطری حق کے لحاظ سے جماد ناقص اور نبات کامل..لہذا جماد خادم اور نبات اس کا مخدوم ہے اور مخدوم کو حق حاصل ہے کہ خادم پر حکومت کرے..لہذا زمین میں کوئی نباتی بیج بویا جائے تو زمین چونکہ فطرتاً خادم ہے وہ انکار نہیں کرسکتی اور نہ یہ عذر کرسکتی ہے کہ فلاں بیج کی خدمت کروں گی اور فلاں کی خدمت نہ کروں گی بلکہ اس کیلئے تلخ وشریں..اچھے برے سب نباتات حاکم ہیں،وہ جس طرح آدمؑ کی خدمت کرے گی اسی طرح آگ کی خدمت کرنا بھی اس کا فرض ہے اور جس طرح کماد کی جڑوں کو غذا پہنچاتی ہے اسی طرح مرچ کی جڑوں کو بھی غذا پہنچانا اس کا فرض ہے اور وہ اپنے اس فریضہ سے کبھی کوتاہی نہیں کرتی۔

اسی طرح حیوان اور نبات میں سے حیوان مخدوم اور نبات خادم ہے لہذا حیوان کو نبات پر حق حکومت حاصل ہے اور جماد پر بھی اس کو بدرجہ اَولیٰ حکومت کا حق ہے لہذا حیوان کیلئے نبات و جماد دونوں خادم ہیں..پس جو حیوان جس انگوری کو کھائے کسی نباتی فرد کیلئے مجال انکار نہیں کہ میں اس خدمت کو بجا نہیں لاتا اسی طرح زمین بھی حیوان کے پاؤں تلے رہنے اور حیوان کے اوپر چلنے پھرنے سے نہیں کتراتی بلکہ وہ حیوان کی خدمت اپنا فطری حق سمجھتی ہے۔

اسی ترتیب سے انسان چونکہ ان تمام سے کامل تر ہے لہذا وہ ان تینوں کا

مخدوم ہے اس لئے یہ تینوں اس کے خادم ہیں، پس وہ جماد پر حاکم..نبات پر حاکم اور حیوان پر بھی حاکم ہے...اسی لئے جس جماد سے جس حیوان سے اور جس نبات سے انسان جو خدمت چاہے لے سکتا ہے اور تسخیر موجودات میں جو آجکل کے انسان نے حیرت انگیز ترقی کی ہے اس سے انسان کا حق حکومت نہایت واضح ہو جاتا ہے، انسان کو حق حاصل ہے کہ کسی بھی حیوان پر سواری کرے یا کسی سے بار برداری کا کام لے اور کسی کو دودھ کیلئے استعمال کرے اور کسی کو ذبح کر کے کھا جائے..ان حیوانات میں سے کسی کو مجالِ انکار نہیں اور حیوان کو ذبح کرنے سے اس کو بھی درد ہوتا ہے اور وہ بھی اپنی زندگی کو چاہتا ہے کیونکہ وہ خدا کی زمین پر خدا کا رزق کھاتا تھا لیکن چونکہ وہ ادنیٰ تھا لہذا اعلیٰ کی خدمت سے جی چرانا اس کے لیے ناجائز تھا، پس وہ ہر قسم کی زیادتی برداشت کرلیا کرتا ہے اور بارگاہِ ربوبیت میں وہ انسان کے خلاف دعویٰ بھی دائر نہیں کرسکتا کیونکہ انسان کو اس پر حکومت کرنے کا فطری حق حاصل ہے جس طرح حیوان کو نبات پر اور نبات کو جماد پر حاصل تھا۔

اسی طرح شیر دار حیوان اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر انسان کو اپنا دودھ دیا کرتا ہے حالانکہ اپنے بچے اس کو بھی عزیز ہیں لیکن وہ سمجھتا ہے کہ اعلیٰ کی نوکری میں ادنیٰ پر ضروری ہے کہ اپنے بچے بھی قربان کر دے حتیٰ کہ اپنی جان تک بھی قربان کر دے اگر اعلیٰ کو ضرورت ہو.... اور اس قربانی سے ادنیٰ فنا نہیں ہوتا بلکہ اپنے موجودہ حال سے ترقی کر جاتا ہے، زمین کو جو حصہ درخت کیلئے قربانی پیش کرتا ہے وہ اجزائے زمین درحقیقت فنا نہیں بلکہ نبات کا جزو بنتے ہیں، اسی طرح جو نبات حیوان کی خوراک بنتے ہیں وہ مردہ نہیں ہوجاتے بلکہ حیوان کا خون و گوشت بن کر ترقی کر جاتے ہیں۔

اسی طرح جو حیوان انسان کی خوراک بنتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتے بلکہ اپنے

سے اعلیٰ کا حصہ جسم بن جاتے ہیں اگر چہ ظاہری صورت میں لوگ ان کو مردہ کہتے ہیں؟ پس درحقیقت وہ حیوانیت سے ترقی کر کے انسان کی جزو ہو جاتے ہیں۔

اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ جو انسان توحید کی بقا کیلئے اپنی جان قربان کردیں وہ درحقیقت مردہ نہیں بلکہ اپنے موجودہ حال سے انہیں ترقی نصیب ہوتی ہے اور وہ کلمہ توحید کی جزو ہو جاتے ہیں...ظاہراً اگر چہ انہیں مردہ کہا جاتا ہے لیکن باطنی طور پر وہ شہید اور زندہ ہوتے ہیں جس طرح کہ قرآن مجید ان کی زندگی کا گواہ ہے۔

بہر کیف انسان اپنے ماتحت کے تینوں ناقص موجودات کا مخدوم ہے اور اس کا حق ہے کہ ان سے خدمت حاصل کرے، لیکن اس کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جس عقل سے فیصلہ کی رو سے میں اپنے ماتحت کا مخدوم ہوں اور ان پر حق حکومت رکھتا ہوں اسی عقلی فیصلے کی رو سے میرا فطری فریضہ ہے کہ اپنے مافوق خالق کائنات اور اس کے فرستادہ نبی و امام کی اطاعت کروں اور ان کا حق حکومت اپنے اوپر تسلیم کروں، ورنہ فطرت اور عقل کا فیصلہ ہے کہ جو حاکم اپنے مافوق کی غلامی نہ کرے وہ اپنے ماتحت پر حق حکومت سے محروم کیا جاتا ہے..مثلاً جو تھانہ دار کپتان کی اطاعت نہ کرے وہ تھانہ میں سپاہیوں پر حکومت کرنے کے حق سے محروم کیا جاتا ہے یعنی وہ نوکری و ملازمت سے برطرف ہو جاتا ہے اور جو ضلعی حاکم صوبہ کے حاکم کا مطیع نہ ہو وہ ضلع پر حکومت کے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔

سلسلہ موجودات میں جو زمین نباتات، حیوانات اور انسان کی خدمت نہ کرے وہ نیلامی کے قابل ہوتی ہے اور کوئی مالک اس کو اپنی ملکیت میں رکھنا گوارا نہیں کرتا اور جو زمین اپنے مافوق کی زیادہ سے زیادہ خدمت کے قابل ہوتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ قیمتی ہوا کرتی ہے، اسی طرح جو نبات حیوان و انسان کے کام کے نہیں ہوتے وہ اپنے ماتحت زمین سے خدمت لینے کے حق سے محروم کر دیئے جاتے

ہیں اوران کوزمینوں سے کاٹ کر باہر پھینک دیا جاتا ہےاور جونبات حیوان وانسان کے لئے زیادہ سے زیادہ کارآمد ہوتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں اوراسی طرح جوحیوان انسان کی خدمت نہ کرسکے مثلاً سواری کے لئے خریدا تھا اوراب وہ سواری کے قابل نہ ہو یابار برداری کے لئے تھااوراب بار برداری کا کام نہ دے سکے وعلیٰ ہذاالقیاس..تو ایسے حیوانات کواپنی ملکیت سے ہٹا کر نیلام یا ذبح کیا جاتا ہےاور ماتحت سے خدمت لینے کےحق سےاس کومحروم کردیا جاتا ہےاور جو حیوان انسان کی زیادہ سےزیادہ خدمت کرے وہ زیادہ قیمتی اور پیارا ہوا کرتا ہے۔

پس اسی دستور فطری کی رو سے جوانسان اپنے سے اعلیٰ کی نوکری اوراطاعت کرے گا وہ عزت دار ہوگا اور جس قدر زیادہ اطاعت کرے گا اسی قدر زیادہ عزت پائے گا اور بخلاف اس کے جوانسان اپنے اعلیٰ کی اطاعت سے سرتابی کرے گا وہ ماتحت پرحکومت کرنے کےحق سے محروم کردیا جائے گا بلکہ حکومت الٰہیہ کے قانون کے مطابق وہ کاٹ دینے کے قابل ہوگا اور دنیا سے مٹا دینے کا سزاوار ہوگا۔

اپنے سے اعلیٰ کی اطاعت کا فطری حق یہ ہے کہ اپنا سب کچھ اعلیٰ کی خوشنودی کے لئے قربان کردیا جائے اوراس کا عملی نمونہ اگر دیکھنا ہوتو میدانِ کربلا کی طرف نظر کیجئے......اگر بیٹوں کی ضرورت ہوتو علی اکبرؑ جیسے جوان بیٹے کی قربانی سے دریغ نہیں کیا، اگر شیرخوار کی ضرورت ہوئی تو علی اصغرؑ کے گلوئے نازنین کو تیر کے سامنے پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا اور اگر جسم وجان کی بازی لگانے کا وقت آیا تو ایک ہزار نوسو اکاون (۱۹۵۱) زخم تن پر کھائے اور اُف تک نہ کی، نامعلوم یہ وقت امام مظلومؑ کی ہمشیرہ جناب زینب عالیہؑ نے کیسے دیکھا ہوگا؟ اسی لئے تو بنا بر حکایت بی بی نے پوچھا أَنْتَ الْحُسَيْن کیا توہی حسینؑ ہے؟

امام حسینؑ کواس عظیم قربانی کا جو دنیا میں ثمر ملا وہ تین چیزیں ہیں:

اَلْاِمَامَۃُ فِیُ وُلْدِہٖ وَ الشِّفَاءُ فِیُ تُرْبَتِہٖ وَ اِسْتِجَابَۃُ الدُّعَا تَحْتَ قُبَّتِہٖ

- امامت تا قیامت آپؑ کی نسل میں قرار دی گئی
- شفا آپؑ کی تربت میں رکھ دی گئی
- آپؑ کی روضے کے گنبد کے نیچے دعا مقبول ہوتی ہے۔

امام حسینؑ نے اپنا سب کچھ بقائے اسلام اور دین خداوندی پر نثار کر دیا اور خداوند کریم نے بھی ان کو اس قدر دیا جو اور کسی کو نہیں دیا....امام حسینؑ نے راہِ خدا میں ایسے جوان دیئے جن پر جوانی کو ناز تھا، بعض ذاکرین کا کلمہ مجھے بہت پیارا لگتا ہے کہ جوانی جوانی نہیں رہی جب سے امام حسینؑ کا جوان علی اکبرؑ خاکِ کربلا پر سویا۔

میں کہتا ہوں کہ تقریباً ۱۳سو برس سے عزادارانِ امام حسینؑ تلواروں چاقوؤں، زنجیروں اور سنگلیوں کا ماتم کرتے ہیں اور اپنے جسم کو زخمی کر ڈالتے ہیں اور ہر سال شیعہ جوان بارگاہِ شہزادہ علی اکبرؑ میں اپنے خون کا ہدیہ پیش کرتے ہیں میرا یہ عقیدہ ہے کہ صرف ایک محرم کا شیعہ نوجوانوں کے ماتم کا خون اگر اکٹھا کیا جائے تو ایک دریا پُر ہو کر بہہ نکلے اور ۱۳سو سال کا خون اگر کٹھا کیا جاتا تو شاید ایک موج مارتا ہوا سمندر بنتا؟ لیکن خدا کی قسم شیعہ نوجوانواں کے خون کا موج مارتا ہوا سمندر امام حسینؑ کے نوجوان شہزادے کے ناحق خون کے ایک قطرہ کے برابر نہیں ہوسکتا... جب امیر مختار کے سامنے عمر بن سعد اور اس کے بیٹے حفص کو پیش کیا گیا اور کہنے والوں نے کہا کہ عمر بن سعد امام حسینؑ کے بدلہ میں اور اس کا بیٹا حفص امام کے شہزادے علی اکبرؑ کے بدلہ میں ہوگا تو مختار ثقفی رو دیا اور کہا:

چہ نسبت خاک را بعالمِ پاک

مقصد یہ تھا اگر تمام دشمنانِ دین کو تہِ تیغ کر دیا جائے تب بھی علی اکبرؑ کا بدلہ نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ ایک عمر سعد امام حسینؑ کا بدلہ ہو؟ یہ امام حسینؑ کا وہ نوجوان تھا

جس کا حسن شہرۂ آفاق تھا اور خود حضرت امام حسینؑ اس نوجوان شہزادہ کے حسن کے معترف ہیں کہ آپؑ نے علی اکبرؑ کو بوقت رخصت حضرت رسالتمآبؐ سے تشبیہ دی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ ان تمام خوبیوں کا مالک تھا جو رسول خدا میں تھیں سوائے نبوت کے۔

شہزادہ کے حسن کے متعلق آقا شیخ ذبیح محلاتی نے فرسان الھیجا میں بیان کیا ہے کہ جب شہزادہ ابوالفضلؑ اور شہزادہ علی اکبرؑ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر گھر سے باہر تشریف لاتے تھے تو مدینہ کے زن و مرداُن کے حسن کا تماشہ دیکھتے تھے اور ایک دوسرے کو پکار پکار کر کہتے تھے کہ وہ دیکھو عباسؑ و علی اکبرؑ آرہے ہیں... شہزادہ علی اکبرؑ وہ حسین تھا جس کو ہر ماں حسین سمجھتی تھی، پھر ایسا خوبصورت شہزادہ ماں کو کیونکر پیارا نہ ہوگا؟

بلکہ میں کہا کرتا ہوں نیک نصیب ہے وہ ماں جس کے سامنے اس کا جوان بیٹا گھر کی رونق و زینت موجود ہو.. پس ایسی مائیں سسرال میں رہ کر ہر تکلیف و دکھ کا مقابلہ کرسکتی ہیں جن کی نظر میں جوان فرزند چلتا پھرتا موجود ہو اور سچ ہے کہ عورت کے دل پر ہزار ہا درد وان گنت طوفان ہوں تو بھی جب اس کے سامنے اپنا جوان فرزند آجائے تو دل کے ارمان اور درد ختم ہوجاتے ہیں۔

ہائے کیسی نیک نصیب تھی وہ ماں جس کو علی اکبرؑ جیسا نوجوان بیٹا سامنے آکر کہتا ہوگا اماں جان میرا اسلام قبول ہو.. جس ماں کے گھر کی رونق علی اکبرؑ جیسا فرزند ہو اس ماں کو اور کیا غم لاحق ہوسکتا ہے؟

چنانچہ کہنے والے کہتے ہیں تمام بیبیاں علی اکبرؑ کی وجہ سے جناب لیلیٰ کی عزت کرتی تھیں.. پس اندازہ کیجیئے کیسی باہمت تھی یہ ماں جس نے اپنا متاعِ حیات اور سرمایہ زندگی علی اکبرؑ جیسا نوجوان فرزند قربانی کے لئے پیش کیا؟ اس سے اندازہ

لگایا جا سکتا ہے کہ خاندانِ عصمت کی شہزادیاں معرفت کے کس زینہ پر فائز تھیں؟

یہ تھی معرفت امام ....خدا جانے امام حسینؑ نے اپنے نوجوان فرزند کی لاش کس طرح اُٹھائی ہوگی؟ اور دکھیاری ماں نے کس طرح اپنے بیٹے کی نورانی شکل کو خاک وخون میں غلطان دیکھا ہوگا؟ اور تاریخ گواہ ہے کسی شہید کے لئے پردہ داروں نے خیموں سے باہر قدم نہیں رکھا لیکن علی اکبرؑ کے گھوڑے سے گرنے کی خبر سن کر غالباً سب سادانیاں خیموں سے نکل کھڑی ہوئیں..حتی کہ زینب عالیہؑ لاش پر بھائی سے پہلے پہنچیں اور امام نے ان کو خیمہ تک واپس کیا۔

اندازہ کیجئے اس قدر زبردست صدمہ تھا کہ حضرت زینب خاتونؑ سے جب نہ رہا گیا تو باقی بیبیاں کیسے خیموں میں آرام کرسکتی تھیں؟ خصوصاً اس ماں کو کب آرام آتا ہوگا جس کی زندگی کا سہارا علی اکبرؑ تھا اور جس بی بی کا آلِ رسول سے رشتہ علی اکبرؑ کی موت کی وجہ سے ختم ہو رہا تھا.... ہائے حسینؑ

مجالس عشرہ چہلم (دوبئ، ابوظہبی، العین) ۱۹۸۷ء

سولہویں مجلس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے ابتدا کرتا ہوں جو رحمان و رحیم ہے...حدیث میں ہے کہ کُلُّ اَمۡرٍ ذِیۡ بَالٍ لَمۡ یُبۡدَ بِبِسۡمِ اللّٰہِ فَھُوَ اَبۡتَر یعنی جو بھی اہم اور مشکل کام اللہ کا نام لئے بغیر یعنی بسم اللہ پڑھے بغیر کیا جائے تو وہ بے نتیجہ اور نا تمام ہوگا۔

اس لئے مومن کو چاہیے کہ ہر جائز کام کو شروع کرنے سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھا کرے اور روایت میں مومن کی پانچ علامتیں بیان کی گئی ہیں:

- زیارت امام حسینؑ (زیارت اربعین ۲۰ صفر کو پڑھنا)
- اَلتَّخَتُّمُ بِالۡیَمِیۡن دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا خواہ نگینہ کوئی ہو.
- یومیہ اکاون رکعت نماز (۱۷ فریضہ، ۳۴ نوافل) پڑھنا.
- باآواز بلند ہر جائز کام کی ابتدا میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا پڑھنا.
- سجدہ شکر ادا کرنا... چنانچہ منقول ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ ہر نعمت کی آمد اور ہر تکلیف کی دوری پر سجدہ شکر بجالایا کرتے تھے.

روایت میں ہے کہ حضرت پیغمبرؐ نے شب معراج ملاحظہ فرمایا کہ جنت کی چار نہریں پانی..شراب..دودھ اور شہد کی بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے چار حروف سے نکلتی ہیں اور یہ اس شخص کو ملیں گی جو کثرت سے بسم اللہ کو پڑھتا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ یہ آیت مجیدہ برکات کا بیش بہا خزانہ ہے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے کہیں جاتے ہوئے راستہ میں ایک قبر پر عذاب کے فرشتے نازل ہوتے دیکھے لیکن واپسی پر وہی قبر ملائکہ رحمت کی آماجگاہ تھی.. پروردگار سے ملتجی ہوئے کہ کیا ماجرا ہے؟ تو وحی ہوئی اے عیسیٰؑ! یہ ایک گنہگار کی قبر ہے جب مرا تھا تو اس کی عورت حاملہ تھی اس کا بچہ پیدا ہوا تو آج اس کے بچے نے استاد سے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کا درس پڑھا مجھے شرم آتی ہے کہ جس کا بیٹا زمین پر میرا نام لے اس کے باپ کو کیسے عذاب میں مبتلا رکھوں؟ خداوند کریم تمام مومنین کو توفیق دے کہ ان کے بچے والدین کی مغفرت کا سبب بنیں..آمین

حدیث میں ہے کہ قرآن مجید کے تمام علوم سورہ فاتحہ میں ہیں اور اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے تو قرآن کے مضامین کے پانچ مراکز ہیں:

۱ توحید کا ذکر اور صفاتِ پروردگار بیان
۲ قیامت کا ذکر اور جنت و نار کا تفصیلی تذکرہ
۳ دعوت، عبادت اور معرفت
۴ اللہ کے نیک و اطاعت گزار بندوں کا ذکرِ خیر
۵ منافقون، مشرکوں اور کافروں کے قصے اور ان کا عبرتناک حشر

اور سورہ فاتحہ میں اجمالی طور پر یہ سب موجود ہے:

- توحید وصفاتِ پروردگار کا اجمالی ذکر پہلی تین آیتوں میں موجود ہے
- قیامت کا ذکر اور جزاٗ وسزا کی پیشکش کا اجمالی خاکہ آیت ۴ میں ہے
- عبادت اور استعانت کا ذکر پانچویں آیت میں ہے
- اس کے بعد صراط مستقیم پر چلنے والے اطاعت گزاروں ذکر ہے
- آخر میں کفار ومنافقین (جو مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ اور ضَآلِّيۡن ہیں) کا ذکر ہے

پس قرآن مجید کی تفصیلات سورہ فاتحہ میں اجمالاً موجود ہیں اور حدیث مذکورہ میں ہے کہ فاتحہ کے علوم بسم اللہ میں ہیں اور بسم اللہ کا اجمال بائے بسملہ ہے اور اس کا اجمال نقطہ با ہے اور حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ بائے بسملہ کا تحتانی نقطہ میں ہوں۔

حروفِ تہجی میں الف کو اوّلیت اور با کو ثانویت حاصل ہے جس طرح موجودات میں اوّلیت اللہ کیلئے اور ثانویت محمد مصطفیٰ کے لئے ہے، الف تنہا ہے اور با کو نقطہ کے ساتھ مقرون کر کے اس کی احتیاج کو ظاہر کیا گیا ہے، جس طرح موجودات میں اللہ ایک ہے اور اس کی اوّل مخلوق اَنَا وَ عَلِیٌّ مِنْ نُّوْرٍ وَّاحِدٍ کا مرکب ہے مقام موجود میں نقطہ تیسری جگہ موجود ہے پہلے الف پھر ب کا حرف پھر با کے نیچے کا نقطہ اور نقطے کا نیچے ہونا ظاہر کرتا ہے کہ وہ با کے ماتحت ہے۔

لیکن مقام ظہور و اظہار میں نقطہ کی حرکت حروف و الفاظ و عبارات کے وجود کی موجب ہے اسلئے کہ قلم کاغذ سے مس ہوتے ہی نقطہ کو تشکیل دیتی ہے اور نقطہ کی حرکت حروف و الفاظ بناتی ہے گویا نقطہ ہی مظہر تمام حروف ہے کیونکہ نقطہ حرکت نہ کرے تو نہ الف ظاہر ہوسکتا ہے نہ با اور نہ کوئی اور حرف؟

گویا حضرت علیؑ نے اپنے آپ کو نقطہ سے تشبیہ دے کو مقام ولایت کو ظاہر فرمایا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: کُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْق یعنی میں مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ پہچانا جاؤں، تو مقام وجود میں اللہ تعالیٰ قدیم اور سب سے پہلی مخلوق حضرت محمدؐ... لیکن مقام معرفت وظہور میں جب تک حضرت علیؑ کی معرفت نہ ہوگی اس وقت تک حضرت محمدؐ کی پہچان نہ ہوگی اور جب تک حضرت محمدؐ کی پہچان نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہوگی؟

جب انسان حضرت علیؑ کے مقام کو سمجھ لے گا تو خود سوچے گا کہ جب نائب

اتنا بلند ہے تو وہ جس کا نائب ہے وہ کتنا بلند ہوگا؟ اور پھر سوچے گا کہ ان کے خالق کا مقام کتنا عظیم ہوگا؟

اسی بنا پر حضور اکرمؐ نے فرمایا اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا وَ مَنْ اَرَادَ الْمَدِیْنَةَ فَلْیَأْتِ مِنَ الْبَاب میں شہر ہوں علم کا اور علیؑ اس کا دروازہ ہے اور شہر میں جو بھی آنا چاہے اسے دروازے سے گزرنا ہوگا...ایک حدیث میں یہ دعا تعلیم کی گئی ہے: اے اللہ! تو مجھے اپنی معرفت عطا فرما کیونکہ تیری معرفت کے بغیر تیرے نبی کی معرفت ناممکن ہے اور نبی کی معرفت عطا فرما کیونکہ نبی کی معرفت کے بغیر امام و حجت کی معرفت ناممکن ہے اور امام و حجت کی معرفت عطا فرما کیونکہ امام کی معرفت کے بغیر گمراہی کا ڈر ہے... یہ علت سے معلول تک پہنچنے کی صورت ہے۔

یعنی جب دلائل کی رو سے وجود خالق کا پتہ چل جائے تو عقل انسانی فیصلہ کرنے پر مجبور ہے کہ اس کے اور میرے درمیان اب کوئی واسطہ ضروری ہے جس کی بدولت اس کے احکامات کو سمجھ کر اس کی اطاعت کرسکوں..کیونکہ میرے اور اس کے درمیان کوئی اور رابطہ ہی نہیں، پس نبی کی پہچان ضروری ہے جو واسطہ ہے اور نبی کے فرمائشات حاصل کرنے کیلئے اس کے ایسے نائب کی تلاش ضروری ہے جو نبوی شریعت کی صحیح نشاندہی کرسکے اور وہ امام ہے....پس امام کی معرفت گمراہی سے بچنے کا ذریعہ ہے اس کو معقولات کی زبان میں ''دلیل اِنّی'' کہا جاتا ہے۔

لیکن مقامِ ارتقاء میں چونکہ انسان نیچے سے اُوپر کو جاتا ہے تو دین کی تلاش کیلئے پہلے امام کو پہنچانا ضروری ہے تاکہ شرعی احکامات اس سے حاصل کئے جائیں، پس امام نبی تک پہنچائے گا اور نبی خدا تک پہنچانے کا وسیلہ بنے گا اور اس کو معقولات کی زبان میں ''دلیل لِمّی'' کہا جاتا ہے..گویا مقام معرفت میں ''دلیل اِنّی'' سے کام لیا جاتا ہے اور مقام اطاعت میں ''دلیل لِمّی'' سے کام لیا جاتا ہے کیونکہ اللہ

تعالیٰ کی صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ کے سمجھنے کے بعد عقل کہتی ہے اس عظیم برتر خدا کی جانب سے نامزد مبلّغ وہ ہوسکتا ہے جو بے عیب اور صفاتِ کمالیہ کا تاحدِّ امکان جامع ہو اور نبی کی صفاتِ جمالیہ وجلالیہ سمجھنے کے بعد عقل فیصلہ کرتی ہے کہ وہ اپنے بعد ایسے شخص کو وصی نامزد فرمائیں گے جو اوصافِ نبوت کا حامل ہو اور یہ ہے علت سے معلول کی معرفت... ''دلیل لِمّی''

اور مقام اطاعت میں امام کا کردار رسول کے کردار کا کاشف اور رسول کا کردار رضائے پروردگار کا کاشف ہوتا ہے...پس امام کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی دلیل ہے اور یہ ہے معلول سے علت کی پہچان...''دلیل اِنّی''

گویا حضرت علیؑ کا اپنے آپ کو نقطہ سے تشبیہ دینا معلول سے علت کی طرف جانے کا ایک لطیف اشارہ ہے..جیسا کہ ظاہر میں ب کے نیچے کا نقطہ با کی پہچان کا ذریعہ ہے.....اور قرآن مجید کے علوم کا نقطے میں سمانا بھی غالباً اسی طرف اشارہ ہے کہ نقطے کی حرکت..حروف، الفاظ اور کلمات و کلام کی تشکیل کرتی چلی جاتی ہے جس سے آیات..رکوعات اور پارے عالم میں ظاہر ہوتے ہیں، بس سمٹا ہوا ہے تو ایک نقطہ ہے اور جب پھیل گیا تو پورا قرآن بن گیا....جس طرح بڑ کے چھوٹے سے بیج کے دانہ میں بَڑ کا تناور درخت پنہاں ہے جب مناسب زمین میں دفن ہوا تو عرصہ کے بعد عالم ظاہر میں ایک بہت بڑے درخت کا اس نے روپ دھارا..گویا وہ سمٹا ہوا ہے تو ایک رائی کے دانہ کے برابر ہے اور جب مناسب مقام پر اس کو پھیلنے کا موقعہ ملا تو وہ شاخوں، ٹہنیوں، پتوں، اور پھل سمیت ایک بڑا درخت ہے۔

اسی طرح پورا قرآن سمٹا تو نقطہ نظر آیا اور پھیلا تو قرآن کی شکل میں ظاہر ہوگیا اور حضرت علیؑ کا اپنے آپ کو نقطہ تحت الباٗ سے تشبیہ دینا اسی امر کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ یہ علوم جو قرآن میں ہیں سمٹ جائیں تو علیؑ میں ہیں اور پھیلیں تو پورا قرآن۔

گویا کتابِ خدا کاغذوں میں لکھا ہوا خاموش قرآن ہے اور علیؑ بولتا ہوا قرآن ہے...وہ قرآن کتابِ صامت ہے اور علیؑ کتابِ ناطق ہے۔

ہم نے شریعت محمدی یا ازواج سے یا اصحاب سے یا آل سے حاصل کرنی ہے لیکن اصحاب کا تعلق پیغمبرؐ کے گھر کے باہر سے ہے اور ازواج کا تعلق صرف گھر کے اندر تک محدود ہے..البتہ آل محمد وہ ہیں جو گھر کے اندر بھی ساتھ ہیں اور گھر سے باہر بھی ساتھ ہیں.....لہذا پیغمبرؐ کی زندگی اور کردار کی پوری ترجمانی نہ اصحاب کر سکتے تھے اور نہ ازواج کر سکتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق محدود ہے پس آلِ محمد ہی میں جو حضورؐ کی پوری شریعت کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا **یَنْحَدِرُ عَنِّیَ السَّیْل** یعنی علوم قرآنیہ مجھ سے سیلاب بن کر نکلتے ہیں.. یہ الفاظ نہج البلاغہ میں خطبہ شقشقیہ کے ہیں قرآن پاروں سے اور پارے رکوعوں سے اور رکوع آیات سے اور آیات الفاظ سے اور الفاظ حروف سے بنتے ہیں لیکن حروف مقام ظہور کتابی میں نہیں آتے جب تک نقطہ حرکت نہ کرے....پس کہا جا سکتا ہے کہ پارے نہ ہوں تو قرآن نہیں بنتا رکوع نہ ہوں تو پارے نہیں بنتے الفاظ نہ ہوں تو رکوع وآیات نہیں بنتے اور حروف نہ ہوں تو الفاظ معرض وجود میں نہیں آتے اور نقطہ سکون وسکوت میں رہے تو حروف نہیں بنتے۔

یہ بھی قابل غور ہے کہ نقطہ حس باصرہ کے ادراک کی آخری حدّ ہے زمین سے بہت بڑا جسم فضا میں پرواز کرے تو دور جا کر گھٹتے گھٹتے نقطہ تک جا پہنچتا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں نقطہ نہیں بلکہ ایک پھیلا ہوا لمبا چوڑا جسم ہے اب جو لوگ خدا کی رؤیت کے قائل ہیں ان کے لئے دعوت فکر ہے کہ جو حس کچھ دور جانے والے جسم کے متعلق دھوکا کھاتی ہے اور نقطہ وجسم میں تمیز نہیں کر سکتی وہی حس اُس اللہ کو کیسے دیکھ سکتی ہے؟ جو نہ نقطہ ہے نہ جسم بلکہ نقطہ وجسم دونوں کا خالق ہے؟

بس ادراک ظاہری کی آخری منزل میں جسم نقطہ نظر آنے لگتا ہے گویا حضرت علیؑ کا اپنے آپ کو نقطہ سے تشبیہ دینا اس طرف اشارہ ہے کہ میری حقیقت کا جائزہ لینے والو! جہاں تمہارے ادراک کی آخری حدّ وہ میری منزل ہے تو تم مجھے کیسے پا سکتے ہو؟

اس بنا پر خطبہ شقشقیہ کے الفاظ ہیں **لا یَرْقٰی اِلَیَّ الطَّیْر** یعنی تمہاری عقل کا بلند پرواز پرندہ میری منزل کو نہیں چھو سکتا اور لطف یہ کہ نقطہ ذرا اوپر چلا جائے تو نظروں سے اوجھل ہو کر غیب کے پردہ میں چلا جاتا ہے..اب ظاہر میں نگاہیں تو کہیں گی کہ فضا میں کچھ نہیں لیکن عقل کہے گی کہ ہے ضرور البتہ نظر نہیں آتا؟ غبارہ زمین سے اُڑانے والا جس کے ہاتھ میں تاگا ہے وہ تو ضرور کہے گا کہ پردہ غیب میں ہے البتہ جن کے ہاتھ میں یہ رشتہ نہیں وہ اس کے غائب وجود کا انکار کرے گا۔

اب حدیث ثقلین میں غور کرنے سے پتہ چلا کہ قرآن واہل بیتؑ جدا نہیں پس جن کا قرآن سے تمسک ہے وہ تو کہتے ہیں کہ اگر چہ امام غائب نظر نہیں آتا لیکن چونکہ قرآن موجود ہے لہذا آل کا کوئی فرد موجود ہے جو امامِ وقت ہے، پس آل کے وجود کا وہی انکار کر سکتے ہیں جن کا قرآن سے تمسک نہ ہو..کیونکہ قرآن رشتہ ہے جب یہ موجود ہے تو اس رشتہ کا جس سے تعلق ہے وہ کیسے موجود نہ ہوگا؟ شاید انہی وجوہات کی بنا پر امیر شام نے **بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ** کو نماز میں ہضم کر لیا جس کی آج تک سنت ورسم باقی ہے۔

آئمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو بسم اللہ کے جہر سے پڑھنے کی تاکید فرمائی تاکہ بسم اللہ کے نقطہ سے تمسک رکھنے والوں کو دوہرا ثواب ملتا رہے اور حاسدوں کا دل جلتا رہے۔

امیر شام نے صرف بسم اللہ کی چوری پر اکتفا نہیں کی بلکہ حضرت علیؑ کے واضح فضائل پر ڈاکہ ڈالنا اس کا دستور زندگی تھا.. چنانچہ جب حدیث سازی کا کاروبار

شروع ہوا تو ایسی احادیث جو دشمنانِ علیؑ کی شان میں وضع کی جائیں ان پر احادیث سازوں کو لاکھوں روپے بطور انعامات اور عہدوں کی پیشکش کی جانے لگی، اور دوسری طرف آلِ رسول بالخصوص حضرت علیؑ کی تنقیص پر عہدہ جات ومناصب کے علاوہ قربِ بارگاہ اور انعام واکرام کی بارش ہونے لگی تو بے دین، جاہ پرست اور لالچ وطمع لکھنے والے درباری راویوں نے اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے خوب سبقت لینے میں سعی بلیغ کی۔

چنانچہ ایک راوی نے جب امیر شام کے سامنے یہ موضوع روایت پیش کی کہ مَـنْ یَّشْـرِی والی آیت ایک دشمن علیؑ کے حق میں ہے اور اس سے پہلے والی آیت میں اَلَـدُّ الْخِصَام سے مراد علیؑ ہے یعنی واقع کے بالکل الٹ۔ تو امیر شام نے ایک لاکھ پھر دو لاکھ پھر تین لاکھ آخر کار راوی کے اصرار پر چار لاکھ کا سودا ہو گیا اور اسے چار لاکھ بیت المال سے دیکر رخصت کیا گیا۔

جس طرح کذّاب راویوں کو نعامات سے نوازا گیا سچے اور صحیح راویوں کو یعنی آل محمد بالخصوص حضرت علیؑ کے حق میں زبان کھولنے والوں کو سنگین سزائیں دلوائی گئیں حتیٰ کہ ان کو جملہ شہری حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا۔

میثم تمار جیسے مقدس مومن کا دلسوز واقعہ عبرت کیلئے کیا کم ہے؟ اسے سولی پر چڑھا دیا گیا اور ہاتھ پیر کاٹ دیئے گئے لیکن اس کی زبان نے فضائل علیؑ کے بیان کرنے سے توبہ نہ کی اور اس نے ظاہر کر دیا کہ سچے مومن کا سر کٹ سکتا ہے لیکن ہزار ہا تشدد کے باوجود محبت علیؑ کے راستہ سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا بلکہ اس کے ناحق خون کا ہر قطرہ قیامت تک آنے والی نسلوں کو درس دے گیا ہے کہ حق پر ڈٹ کر رہنا اور مصائب سہنا مومن کا طرّہ امتیاز ہے۔

کربلا والوں نے اپنے زمانے کی سپر پاور یزیدی حکومت کی دین اسلام پر

یلغار کو روکنے کے لئے کوہِ گراں کی طرح سینہ سپر ہو کر رہتی دنیا تک ایک مثال قائم کر دی کہ تشدد کی تلوار حق والوں کا خون بہا کر عارضی خوشی کے گن تو گا سکتی ہے لیکن حق کو دبا نہیں سکتی؟ اور اس کے خلاف حق والوں کے خون کا ہر قطرہ تشدد کی تلوار کو کند کرنے میں کافی ہے۔

چنانچہ جام شہادت نوش کرنے والے تا ابد زندہ ہیں اور ان کا ذکر درخشندہ ہے اور تشدد کی تلوار کو نتیجہ کے طور پر شرمندگی اور لعنت کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔

امام حسینؑ کی بہن اسیر ہوئی اور در بدر اس کی تشہیر کرائی گئی لیکن اس کی اسیری نے چہار سو یزیدیت کے پرخچے اُڑا دیئے اور حسینیت کا پرچم لہرا کر امام حسینؑ کی کامیابی کا لوہا منوا دیا.... یہ عزم واستقلال کی ملکہ مصائب کے کوہِ گراں کو پائے استحقاۓ سے روندتی ہوئی آگے بڑھتی گئی اور شام کے گلی کوچوں سے گزر کر حسینیت کے وقار کا ڈنکہ بجا دیا۔

میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ کربلا سے شام تک امام حسینؑ کی آنکھ کھلی رہی لیکن جب شام سے ایک یا تین فرسخ کے فاصلہ پر پیدل چلنے کا حکم ملا تو بھائی کے نیزے کی طرف رُخ کر کے کہا: اے حسینؑ! یہ تماشائیوں کا ہجوم بھی دیکھ اور میری خستہ حالی بھی دیکھ؟ چنانچہ روایات میں ہے **کَانَتْ فِيْ اَرْذَلِ ثِيَابِهَا** بی بی کے جسم پر لباس نہایت پرانا تھا..اور واعظ نجف کے بیان کے مطابق زرق برق لباس میں ملبوس کم وبیش ایک لاکھ تماشائیوں کا ہجوم تھا بس بہن کی آواز سن کر **فَانْغَمَضَتْ عَيْنَا اَبِيْ عَبْدِ اللهِ** امام حسینؑ نے آنکھیں بند کر لیں تو بی بی نے کہا **لَاتَغْمِضْ عَيْنَيْكَ وَ انْظُرْ اِلَيَّ** یعنی اب آنکھیں بند نہ کرو۔

شاید مقصد یہ ہو کہ جب تیرا امتحان تھا میں نے آنکھ بند نہیں کی تھی، تیرا ہمشکلِ پیغمبر زین سے زمین پر آیا میں نے آنکھ بند نہیں کی..تیرا زورِ کمر بازو کٹوا کر

خاکِ شفا پر آیا میں نے آنکھ بند نہیں کی.. تیرا جوانسال شہزادہ قاسم گھوڑوں کی ٹاپوں میں تقسیم ہوا میں نے آنکھ بند نہیں کی.. تیرا کمسن بیٹا تیرِ جفا سے شہید ہوا میں نے آنکھ بند نہیں کی.. تیرے حلق پر شمر ملعون نے خنجر چلایا میں نے آنکھ بند نہیں کی.. بھیا! جب تک تیرا امتحان تھا میں دیکھتی رہی اب میرے امتحان میں آپ بھی آنکھیں بند نہ کریں؟

شاید یہ بھی کہا ہو کہ بھیا! تیرے امتحان سے میرا امتحان سخت ہے کیونکہ تو مرد ہو کر مردوں سے لڑتا رہا اور میں پردہ دار ہوں سامنے بے غیرت لوگ ہیں یعنی تیرا امتحان تیری خاندانی روایات کے مطابق اور میرا امتحان میری خاندانی روایات کے مطابق نہیں ہے؟ تو نوکِ نیزہ پر قرآن پڑھتا جا اور میں ہر موڑ پر تیری بے گناہی کے خطبے پڑھ کر تیرے نام سے باغی کا لفظ نہ مٹاؤں تو زینبؑ نام نہیں؟

وَ سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ

میڈا پاک مبلّغ دین اللہ دا اینہ فکر کوں دل توں چا گھن
اج پئے نصرانی سنڑدے ہن انجیل قرآن سنڑا گھن
اج موقعہ ای تخت یزید اتے توں حق باطل سمجھا گھن
میں ودی نبھیساں خاک اتے توڑیں توں تاں منبر سہا گھن

سترہویں مجلس

جاءَ الُحَقُّ وَ زَھَقَ الُبَاطِلُ اِنَّ الُبَاطِلَ کَانَ زَھُوُقًا

حق آیا اور باطل گیا کیونکہ حق کے مقابلہ میں باطل کے قدم ہمیشہ اُکھڑ جایا کرتے ہیں، حق کا واقعہ سے تعلق اور صدق کا زبان سے تعلق...اگر واقعہ حق ہے تو زبان کا بیان صدق کہلائے گا اور واقعہ باطل تو بیان کذب ہوگا۔

اللہ ایک ہے یہ واقعہ ہے اور اَشُھَدُ اَنُ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ اس کا بیان ہے چونکہ واقعہ حق ہے لہذا اس کا بیان صدق ہے..اسی طرح محمد رسول اللہ واقعہ میں حق ہے تو اَشُھَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ رَّسُوُلُ اللّٰـہ بیان صادق ہے..اسی طرح علی ولی اللہ واقعہ میں حق تو اَشُھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰہ بیان صادق ہے۔

ظاہر ہے کہ واقعہ پہلے ہوگا اور بیان بعد میں ہوگا لہذا حق پہلے اور صدق بعد میں کیونکہ صدق جو ہے وہ حق کا ترجمان ہوا کرتا ہے پس یہ نہیں ہوسکتا کہ بیان پہلے ہو اور حق بعد میں ہو یا ترجمان پہلے ہو اور واقعہ کا ظہور بعد میں ہو؟

یہ ناممکن ہے کہ ہم لا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ پہلے کہیں اور توحید بعد میں ہو.. یا ہم محمدؐ کی رسالت کی گواہی پہلے دیں اور بعد میں وہ رسول ہوں.. یا ہم علی ولی اللہ پہلے کہیں اور وہ درجہ ولایت پر بعد میں فائز ہوں؟

لہذا ماننا پڑ گیا کہ صدق حق کے تابع ہے کیونکہ صدق کا تعلق بیان سے ہے اور حق کا تعلق واقعہ سے ہے اور واقعہ بیان سے پہلے ہوتا ہے اب پیغمبر اکرمؐ کے اس فرمان پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ عَلِـیٌّ مَّـعَ الُـحَقِّ وَالُـحَقُّ مَعَـہٗ

یَدُوْرُ حَیْثُمَا دَارَ یعنی علیؑ حق کے ساتھ ہے (حق کے پیچھے ہے) اور حق علیؑ کے ساتھ ہے (علیؑ کے پیچھے ہے) وہ اُدھر مڑتا ہے جدھر علیؑ مڑے۔

اس کا ایک حل تو یہ ہے کہ حق کا تقدم دلیل لمی کے طور پر ہے اور علیؑ کا تقدم دلیل انی کے طور پر ہے یعنی حق کا وجود علیؑ کے کردار کی علت ہے یعنی وہ حق تھا لہذا علیؑ کو اس کے ماتحت ایسا کرنا پڑا اور اس کے برعکس علیؑ کا کردار حق کی علت نہیں بلکہ حق کا کاشف ہے یعنی چونکہ علیؑ نے ایسا کیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ حق یہی تھا

جس طرح کہا جائے نبض کی تیزی بخار کی دلیل ہے اور بخار کا ہونا نبض کی تیزی کی دلیل ہے یہاں بخار نبض کی تیزی کی علت ہے اور نبض کی تیزی بخار کی کاشف ہے۔

لیکن پیغمبر کا دونوں کو مساوی حیثیت دینا اور آخر میں یہ فرمانا کہ حق، اس طرف جاتا ہے جس طرف علیؑ جاتا ہے یہ نہیں فرمایا کہ حق اس طرف ہوتا ہے جس طرف علیؑ جاتا ہے دونوں طرف سے علیت کو ظاہر کرتا ہے گویا جس طرح یہ حق کے تابع ہیں اسی طرح حق بھی ان کے تابع ہے اور اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں:

حضرت امام حسنؑ نے جب اپنا مقام ولایت بیان فرمایا اور کسی منافق نے شک کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے عوت مردوں کے مجمع سے نکل جا؟ یہاں امام کا فرمان جس واقعہ کا بیان ہے وہ پہلے موجود نہیں تھا تا کہ یہ حق کے تابع ہو بلکہ امام کے فرمانے پر واقعہ بن گیا پس واقعہ نے حق ہو کر گواہی دی کہ وہ ان کے تابع ہے۔

اسی طرح حضرت امیر المومنینؑ کا ایک شکی منافق کو فرمانا اے کتے نکل جاؤ حالانکہ وہ پہلے کتا نہیں تھا لیکن اب کتا بن گیا پس واقعہ نے حق بن کر ثبوت دے دیا کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے۔

اسی طرح اما موسیٰ کاظمؑ نے دیوار پر لٹکی ہوئی شیر کی تصویر کو حکم دیا کہ فلاں کو

نگل جاتو حق نے واقعہ کا لباس فوراً پہن لیا اور تصویر نے شیر بن کر دشمن کو ہڑپ کر لیا اور کپڑوں سمیت اس کو کھا گیا حالانکہ شیر کی فطرت گوشت خوری ہے نہ کہ لباس خوری؟

اسی طرح امام حسینؑ کے اشارہ سے دیوار کا سونا بن جانا ثابت کرتا ہے کہ ان کا بیان ہمیشہ حق کا ترجمان نہیں ہوتا بلکہ حق کی علت بھی ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح جب بچوں نے لباس طلب کیا تو فاطمہ زہراؑ نے فرما دیا تمہارا لباس درزی کے پاس ہے پس واقعہ بن گیا اور تھوڑی دیر بعد رضوان جنت نے درزی کی حیثیت ظاہر کر کے سلے ہوئے لباس پیش کر دیئے اور ثابت کر دیا کہ حق ان کے تابع ہے۔

ان کا مقام تو بہت بلند ہے ان کی کنیز نے پیغمبر کو مدعو کر لیا تو واقعاً کھانا تیار ہو گیا اور در پر پہنچ گیا۔

اسی طرح امام زین العابدینؑ کا بلخی زوار کو کہنا کہ یہ ہیرے موتی جواہر اٹھا لو حالانکہ پہلے پانی کے قطرات تھے پھر لعل و جواہر بن گئے اور ثابت ہو گیا جس طرح یہ واقعہ کے ترجمانی میں صادق ہیں تو واقعہ بھی ان کے قول کو حقیقت کا لباس دے کر حق بنتا ہے بس یہ حق کے ساتھ ہیں اسی طرح واقعہ ان کے بیان کو حق کا لباس دے کر ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

یہ واضح ہے کہ باطل تشدد سے دب جاتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کے برعکس حق تشدد کے بعد طاقت پکڑتا ہے اور زیادہ ابھرتا ہے حق میں تصنع نہیں اور باطل کا بغیر تصنع کے چارہ نہیں اس لیے کہ حق کے پاس دلائل ہوتے ہیں اور باطل تشدد کو استعمال کرتا ہے۔

طاقت حق نہیں حق طاقت ہے... طاقت میں حق نہیں حق میں طاقت ہے،

طاقت سے حق نہیں ملتا بلکہ حق سے طاقت ملتی ہے

حق و باطل کی جنگ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی لیکن جس طرح ہمیشہ باطل تشدد کو سامنے لاتا رہا اور حق کے سامنے نہ جھکا اس کے مقابلہ میں حق نے بھی ہر قسم کا تشدد برداشت کیا لیکن باطل کے سامنے جھکا نہیں؟

چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے آگ میں جانا قبول کر لیا لیکن باطل نمرود کے سامنے سرنگوں نہ ہوا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کا قتل کر کے حضرت شعیب کے پاس پناہ لی اور دس سال کے بعد حضرت شعیبؑ کی لڑکی صفورا سے شادی کر کے واپس پلٹے تو کوہ طور کے دامن سے گزر رہے تھے کہ دور سے آگ کو دیکھا بیوی کو وہاں روک کر خود تشریف لے گئے دیکھا تو درخت زیتون کی شاخوں سے آگ کے شعلے نمودار ہیں جب آگ والی شاخ کی طرف ہاتھ بڑھاتے تو وہ شاخ پیچھے ہٹ جاتی رات پر نم تھی سردی زوروں پر تھی آخر ندا آئی **ان اللہ رب العلمین** اللہ نے فرمایا فرعون کی طرف تبلیغ کیلئے جاؤ تو حضرت موسیٰ نے ۶ سوالات کئے:

۱ میں نے ان کا قتل کیا ہوا ہے اس کا کیا بنے گا؟

اللہ نے فرمایا اس کی فکر نہ کرو

۲ تبلیغ کے لئے دستاویز چاہئے؟

اللہ نے تورات عطا فرمادی

۳ میری زبان میں لکنت ہے؟

اللہ نے فرمایا اس کی پرواہ نہ کرو

۴ معجزہ چاہیے؟

اللہ نے فرمایا عصا کوڈ الواژدہا بنے گا

۵ کوئی اور معجزہ؟

فرمایا ہاتھ کو بغل میں ڈالو ید بیضا ہوگا

٦ میں اکیلا ہوں ساتھی عطا فرما؟

اللہ نے فرمایا جو چاہو

عرض کیا (یار نہیں) بھائی چاہیے

اللہ نے فرمایا ہارون کو ساتھ لو اور جاؤ

ایک مرتبہ ایک شخص نے معصوم سے یہی وجہ پوچھی کہ موسیٰ وحضرت ابراہیمؑ دونوں اولوالعزم پیغمبر تھے اور دشمن بھی دونوں کے سرکش تھے لیکن جب موسیٰ کو حکم ہوا کہ تبلیغ کے لئے جاؤ تو انہوں نے یکے بعد دیگرے ٦ دفعہ معذرت پیش کی اور اللہ نے تسلی کرائی تب گئے لیکن اس کے برعکس جب حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوتو فوراً عرض کیا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ اور عذر پیش نہ کیا آپ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ کی پیشانی میں محمد وآل محمد کا نور تھا

حضرت پیغمبر نے بھی ایک دفعہ علیؑ سے فرمایا یا علیؑ تیری جرأت کا کیا کہنا کہ سورۂ برأت کی تبلیغ کے لئے جب بھیجا گیا تو تو نے مکہ میں کوہِ صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اہل مکہ سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میں علیؑ بن ابیطالب ہوں (حالانکہ گھر گھر سے ان کے اکابر کو آپ قتل کر چکے تھے) اور پھر جرأت مندانہ انداز سے سورہ برأت کا پڑھنا یہ آپ کا ہی حصہ ہے اور منفرد کارنامہ ہے حالانکہ حضرت موسیٰ نے ایک ہی قتل کیا تھا اور فرعون کے پاس مبلّغ بن کر جانے سے ڈرتے رہے؟

اس سے مجھے ایک اور بات یاد آئی کہ فتح مکہ کے دن حضورؐ نے بعض لوگوں کے قتل کی عام اجازت دی تھی خواہ وہ استار کعبہ سے بھی چمٹے ہوئے ہوں تو دو آدمی جناب امّ ہانی کے گھر میں پناہ گزین تھے حضرت علیؑ نے کپڑے سے منہ لپیٹ کر

تلوار علم کر کے امّ ہانی کے گھر میں ان دونوں کو قتل کرنے کے لئے گھر میں داخل ہونا چاہا تو امّ ہانی نے بازو پکڑ لیا اور کہا کہ میں اندر نہ جانے دوں گی اور رسول اللہ سے تیری شکایت کروں گی علیؑ نے منہ سے کپڑا ہٹایا تو امّ ہانی نے پہچانتے ہوئے معافی مانگ لی اتنے میں وہ دونوں کافر فرار ہوئے اور جب رسول اللہ کے سامنے امّ ہانی نے یہ ماجرا بیان کیا تو پیغمبر نے علیؑ سے پوچھا حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ امّ ہانی نے اس زور سے میرا بازو پکڑا تھا کہ چھڑاتے چھڑاتے وہ دونوں کافر نکل کر بھاگ گئے پس پیغمبر نے فرمایا اگر تمام لوگ حضرت ابو طالب کی نسل سے ہوتے تو دنیا کا کوئی آدمی بزدل نہ ہوتا؟

بہر کیف حق بہت بڑی طاقت ہے اور تشدد و طاقت سے گردنیں جھکائی جاتی ہین لیکن حق دلوں کو جھکا لیتا ہے حضرت امام حسینؑ نے اعلان جنگ قبول کرنے کے بعد اپنی کم تعداد فوج کو چھٹی دے دی حالانکہ سلاطین کا قطعاً یہ دستور نہیں کیونکہ حسینؑ یہ یقین دہانی کرانا چاہتے تھے کہ حق کی جیت طاقت سے نہیں بلکہ دلائل سے ہوتی ہے اور باطل کی جیت ہمیشہ کثرت فوج اور طاقت کے استعمال سے ہوتی ہے۔

امام حسینؑ نے اپنا خواب بیان فرمایا کہ موت تیزی سے ہماری طرف آ رہی ہے تو علی اکبرؑ نے عرض کیا أَلَسْنَا عَلٰی الْحَقّ کیا ہم حق پر نہیں؟ امام نے فرمایا بے شک ہم حق پر ہیں تو علی اکبرؑ نے جواب دیا اِذَنْ لا نُبَالِیْ پھر ہمیں موت کی کوئی پرواہ نہیں۔

گویا شہزادے نے اپنے دادا کا جملہ دہرایا جب محمد بن حنفیہ نے پوچھا تھا کہ آپ باریک لباس میدان جنگ میں کیوں زیب تن فرماتے ہیں ہیں تو علیؑ نے جواب دیا تھا أَبُوکَ لا یُبَالِیْ وَقَعَ عَلٰی الْمَوْتِ اَمْ وَقَعَ عَلَیْهِ الْمَوْت یعنی اے فرزند تیرے باپ کو پرواہ نہیں کہ موت پر کود پڑے یا موت اس پر آ پڑے

جب شہزادہ قاسم سے امام نے دریافت کیا کہ موت کیسی چیز ہے؟ تو قاسم نے جواب دیا کہ **أحْلٰی مِنَ الْعَسَل** یعنی موت شہد سے بھی شریں تر ہے

حبیب بن مظاہر نے مسلم بن عوسجہ سے کہا اگر مجھے اپنی زندگی کا یقین ہوتا تو تجھ سے وصیت کی خواہش کرتا پس مسلم نے جواب دیا آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اگر مجھے آپ کی زندگی کا یقین ہوتا تو میں اپنے گھر والوں کی وصیت کرتا؟ ہرگز بلکہ **اُوْصِیْکَ لِھٰذَا الرَّجُلُ** میں تو اس شخص (حسینؑ) کی وصیت کرتا ہوں کہ اس کو نرغہ اعدائیں چھوڑ کر نہ جانا۔

مسلم بن عوسجہ کا غالباً نوعمر فرزند تھا جس نے امام کو قدموں پر سر رکھ کر رونا شروع کر دیا تو امام نے فرمایا اپنے باپ کی شہادت کے بعد مجھے اپنا باپ سمجھو بچے نے عرض کیا پرسہ لینے کی غرض سے میں حاضر نہیں ہوا بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے جہاد کا اذن عطا فرمائیں آپ نے فرمایا تیری بیوہ ماں تیرا داغِ مفارقت برداشت نہ کر سکے گی؟ تو بچے نے عرض کیا وہ سامنے خیمہ کے دروازہ پر میری ماں کھڑی ہے جس نے مجھے میدان جنگ کے لئے تیار کر کے بھیجا ہے بالوں پر کنگی کی آنکھوں میں سرمہ لگایا اور چھوٹی سی تلوار میرے گلے سے لٹکائی اور بار بار کہتی تھی کہ میں اس وقت راضی ہوں گی جب تیری لاش میرے قدموں میں پہنچے گی۔

جب زینب عالیہ نے حسینؑ سے عرض کیا کہ کافی لوگ چھوڑ کر جا چکے ہیں اب جو بچے ہیں یہ تو نہ چھور جائیں گے؟ پس حبیب بن مظاہر کو خبر ہوئی تو تمام صحابہ کو جمع کر کے باب زینبیہ پر لایا اور آواز دی اے خاندانِ عصمت کی شہزادیو! یہ غلام دروازہ پر موجود ہیں اگر آپ کو ہماری وفا کا یقین نہیں آتا تو ہم اپنے ہاتھوں سے اپنی گردنیں کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈالنے کیلئے تیار ہیں جب بی بی نے سنا تو اصحاب کے حق میں دعائے خیر دی۔

بی بی جب روئی تو امام حسینؑ نے ازراہِ تسکین فرمایا پہلے چار بزرگ چلے گئے تو آپ نے صبر کیا اب میں چلا جاؤں تو صبر کرنا بی بی نے عرض کیا حسینؑ! ان کے جانے میں اور آپ کے جانے میں بڑا فرق ہے

جب نانا کی رحلت ہوئی تو اماں جان کا سہارا تھا اور اماں کے بعد بابا جان کا سہارا تھا پھر بابا جان کے بعد حسنؑ بھیا کا سہارا تھا اور حسن بھیا کی شہادت کے بعد آپ کا سہارا رہا اب جب آپ جائیں گے تو فرمایئے میرا سہارا کون ہوگا؟ اس کے بعد سخت گریہ کیا۔

حسین اچانک خیمہ سے باہر نکلے اور تلوار علم کے کر خیمہ کے پیچھے کی طرف چند قدم گئے اور رُکے ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر تلوار کی نوک کو زمین میں گاڑھا اور دوسرے ہاتھ سے ریش اقدس کو پکڑا اپنی بہن کے خیمہ کی پشت کو کافی دیر تک دیکھتے رہے.... نافع بن ھلال جملی کا بیان کہ میں بھی حسینؑ کے پیچھے آ کر قریب کھڑے ہو کر دیکھتا رہا اچانک حسینؑ نے سرد آہ کھینچی اور رونا شروع کر دیا نافع کہتا ہے میں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا مولا! کیا وجہ ہے کہ آپ نے خیمہ زینبیہ کی پشت پر نظر جما کر سرد آہ کھینی اور رو دیئے آپ نے فرمایا جب زینب جیسی بہن ہو تو حسینؑ جیسا بھائی کیوں نہ روئے جبکہ میں سوچ رہا ہوں کہ کل جب ہم سب شہید ہو جائیں گے تو اس پردہ دار کے پردہ کا کیا بنے گا؟

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا اَىَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُون

اٹھارہویں مجلس

الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيْهِ

حروف مقطعاتِ قرآنیہ ہیں اوران کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں:

۞ ایک تاویل الف سے مراد اللہ اور لام سے مراد جبریل اور میم سے مراد محمد یعنی یہ کلام اللہ نے بھیجی جبریل لایا اور محمد مصطفیٰ پر نازل ہوا

۞ دوسری تاویل الف سے مراد انا ،میں لام سے مراد اللہ اورمیم سے مراد اعلم ہے یعنی انا اللہ اعلم مقصد یہ ہے کہ ان کی حقیقت کو میں ہی جانتا ہوں بعض لوگو اللہ، علی ،اور محمد بھی مراد لیتے بعض لوگوں نے الف ولام سے مراد آل اور میم سے مراد محمد لیا ہے بعض لوگوں نے حروف ابجد کے اعداد کے اعتبار سے مدت اقوام بھی مراد لی ہے

کل حروف مقطعات جو مختلف سورتوں کے اوئل میں ہیں ان کی تعداد چودہ ہے اور علم جفر والے ان کو حروف ناطقہ سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ باقی چودہ حروف کو حروف صامتہ کہتے ہیں

علم جفر آل محمد کا مخصوص علم ہے.. چنانچہ جب حضرت حسنؑ شام سے واپس آ کر وارد مدینہ ہوئے تو ایک اونٹ پر کتابوں کا انبار دیکھ کر ایک شخص نے عرض کی حضور ان کتابوں میں کیا ہے تو آپ نے فرمایا قیامت تک آنے والے ہمارے شیعوں کے اس میں نام درج ہیں چنانچہ اس نے عرض کی کیا میرا نام بھی درج ہے ؟ آپ نے فرمایا بے شک چنانچہ اس نے خود دیکھ کر تسلی کر لی۔

بہرکیف یہ چودہ حروفِ مقطعات ہیں ان کا اگر با مقصد کوئی جملہ بن سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے: صِرَاطُ عَلِيٍّ حَقٌّ نُمسِكُهُ یا عَلِیٌّ صِراطُ حَقٍ نُمسِكُهُ

❁ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حروفِ مقطعات تحدّی اور چیلنج کیلئے دہرائے گئے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ قرآن انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم اپنے کلمات کو مرکب کرتے ہو..اگر تم اس کو اللہ کا کلام نہیں جانتے اور محمد کا بیان سمجھتے تو تم بھی انہی حروف سے مرکب اس جیسا کلام پیش کرو؟

❁ بعض کہتے ہیں کہ یہ قَسَم ہے یعنی الف ولام ومیم کی قسم یا ان چودہ حروفِ ناطقہ کی قَسَم اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

یہ قَسَم سب سے پہلے اللہ نے اُٹھائی..اس کے بعد حضرت پیغمبرؐ نے لوگوں کو قرآن سنایا تو یہ حلفیہ بیان اپنی زبان پر جاری فرمایا..پھر صحابہ اور مومنین نے قرآن پڑھا تو اس حلفیہ بیان کو دہرایا..اب ہمارا بچہ جب بھی قرآن پڑھتا ہے تو سب سے پہلے اس حلفیہ بیان کی تلاوت کرتا ہے اور کتاب کے لاریب ہونے کا اقرار کرتا ہے۔

گویا کسی مسلمان کو قرآن پڑھنے کا حق نہیں پہنچتا جب تک کہ پہلے اس حلفیہ بیان کو نہ دہرائے؟ اور اللہ تعالیٰ نے آگے چل کر پھر اسے چیلنج کے طور پر فرمایا کہ اِنْ كُنتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْ بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اگر تم شک میں پڑے ہو تو اس کی سورتوں جیسی ایک سورہ تم بھی لاؤ....اور تم تنہا نہیں بلکہ وَ ادْعُوْا شُهَدَآئَكُمْ ہم خیال لوگوں کو پورے جزیرۂ عرب سے اکٹھا کر کے اپنی مدد کیلئے بلاؤ اور پورے قرآن کا نہیں صرف اس کی ایک سورہ کا مقابلہ کر کے دکھاؤ؟ اور پھر فرمایا فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ وُقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ پس اگر اس کا مقابلہ نہ کر سکو اور یقیناً نہ کر سکو گے تو اُس آگ سے بچو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے اور اس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔

میلہ عکاظ کے موقعہ پر جب سورۃ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ دیوارِ کعبہ پر لکھی گئی تو عرب کے مشہور شاعر نے نیچے صرف اتنا جملہ لکھا کہ مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ یعنی یہ انسان کا کلام نہیں ہے..جب حضرت پیغمبرؐ نے قریش کے بھرے مجمع میں قرآن کی چند آیات کی تلاوت فرمائی تو ولید بن مغیرہ جیسا متکبر اور دشمن بول اُٹھا کہ اس کلام کی دلکشی..رنگینی اور حقائق نگاری ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم ایسے اللہ کا کلام سمجھیں کیونکہ ایسا کلام بندے کا نہیں ہوسکتا بہرکیف یہ کتاب ریب سے بالاتر ہے۔

لیکن سوچنا یہ ہے کہ ہم تک یہ کتاب کیسے پہنچی؟ اللہ کی زبان نہیں اور جبریل ہمارے ساتھ بات نہیں کرتا؟ تو سب سے پہلے اس کلام کو زبان سے ادا کرنے والی زبان زبانِ محمدؐ ہے تو یہ کلام بھی نکلا زبانِ محمدؐ سے ہے..لیکن محمدؐ کا کلام نہیں اللہ کا کلام ہے۔

آج تک پوری زندگی میں چالیس برس تک بھی محمد کی زبان سے کلمات ادا ہوئے لیکن وہ حدیث کہے جاسکتے ہیں قرآن نہیں اور چالیس برس گزرنے کے بعد دونوں طرح کے کلام آپ کی زبان سے جاری ہوئے لیکن ایک کلام کلامِ خدا ہے اور دوسرا کلام کلامِ نبی اور حدیث ہے...اب کلامِ خدا اور کلامِ رسول میں فرق کس نے کیا؟ کہ وہ کلام خدا ہے اور یہ کلام رسول اور حدیث ہے؟ جبکہ دونوں کلام زبانِ محمدؐ سے ہی جاری ہوئے؟ تو ماننا پڑتا ہے کہ ان دونوں میں فرق حضورؐ نے خود کر دیا اور فرمایا کہ یہ کلام جو ادا کر رہا ہوں میرا نہیں اللہ کا ہے (قرآن ہے) اور یہ کلام جو ادا کر رہا ہوں اللہ کا نہیں میرا ہے (حدیث ہے)

تو سب سے پہلے زبانِ محمدؐ پر ایمان لانا ضروری ہے تاکہ ان کے بیان کے ماتحت قرآن کو کلام اللہ کہیں اور حدیث کو کلامِ رسول سمجھیں..ورنہ اگر رسول کی زبان شک و ریب سے بالاتر نہ ہو تو قرآن وحدیث میں فرق کرنا مشکل ہوگا اور اسی غرض کے ماتحت چالیس برس تک اللہ نے اعلانِ رسالت کی اجازت نہ دی

تاکہ اس لمبی مدت میں اپنے کردار سے لوگوں پر واضح کر دیں اور دوست و دشمن یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ محمدؐ صادق اور امین ہے روزمرہ کی باتوں میں اور لین دین میں جھوٹ اور خیانت نہیں کرتا اور اس کی ہر بات شک و ریب سے بالاتر ہے۔

چنانچہ جب آپؐ نے فرمایا اگر میں کہوں کہ کوہِ ابوقیس کے پیچھے ایک لشکر جرّار حملہ آور ہونے کو تیار ہے تو مان لو گے؟ سب صنادید قریش اور فراعنہ مکہ نے یک زبان کہا اگر سامنے کچھ بھی نظر نہ آئے تو ہم اپنی آنکھوں کو جھوٹا کہیں گے لیکن آپؐ کی زبان پر شک نہ کریں گے.... اگر چہ یہ لوگ حضورؐ پر ایمان نہ لائے لیکن آپ کی زبان پر شک نہ کیا، کتنا بدبخت ہے وہ انسان جو اُن کی رسالت کا کلمہ بھی پڑھے اور ان کی زبان پر شک بھی کرے؟ اور جب تک محمد کی زبان کو شک و ریب سے بالا نہ سمجھا جائے نہ قرآن پر ایمان مستحکم ہوسکتا ہے اور نہ حدیث پر ایمان ہوسکتا ہے کیونکہ قرآن کو قرآن اور حدیث کو حدیث کہنے والی زبان زبانِ پیغمبرؐ ہے، پس جس شخص کو محمدؐ کے فرمان پر یقین نہیں تو وہ اگر حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کہے تو جھوٹا ہے..کیونکہ کتاب اللہ کو کلام اللہ کہنے والی زبان پر اس کو شک ہے اور اسی طرح اگر وہ سنت رسول سے تمسک کا دعویٰ کرے تو جھوٹا ہے کیونکہ قرآن وسنت کو بیان کرنے والی زبان وہی ہے جس میں اس کو شک ہے، لہذا ایسا شخص نہ سنی ہے نہ شیعہ بلکہ دشمن خدا اور رسول ہے۔

جناب فاطمہ زہراؑ کو مال کی کیا ضرورت تھی؟ وہ غالباً یہی مسئلہ سمجھانے کیلئے تشریف لے گئی تھیں.... کیونکہ ایک عالم گیر مشن کو چلانے کیلئے بہت بڑے دل و گردہ کی ضرورت ہوتی، جس بی بی کے بابا نے ایک عالم گیر اسلام کی تحریک چلائی اسے اس کی اہمیت کا بخوبی علم تھا..البتہ جن لوگوں نے اس مشن کی سربراہی سنبھال رکھی تھی بی بی ان کے ایمان کا پردہ چاک کرنے کیلئے گئی تھیں تاکہ لوگ ان کی باتوں کے دھوکہ میں نہ رہیں اور حقیقت واضح ہوجائے۔

رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں..اب دو چیزوں کے تعین میں اختلاف ہے کچھ لوگ قرآن و اہل بیتؑ کا نام لیتے ہیں اور کچھ قرآن و سنت مراد لیتے ہیں... بی بی نے اپنے مقدمہ میں اپنے حق کے اثبات کیلئے قرآن کو پیش کیا وَ ورِثَ سُلَیمَانَ دَاؤد حضرت سلیمانؑ حضرت داوٗدؑ کے وارث تھے اور حضرت زکریاؑ نے اپنے بیٹے کیلئے دعا کی اے اللہ! مجھے فرزند عطا فرما جو میرا وارث ہو یَرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْب جب دیکھا کرسی والوں نے کہ حَسْبُنَا کِتَابَ اللّٰہ کا دعویٰ ہمارے مفاد کے خلاف ہے اور اس سے پہلو تہی کی تو بی بی نے اپنے دعویٰ کے اثباب میں حسنین شریفین کو بطورِ گواہ پیش کیا اور حضرت علیؑ کو پیش کیا جو مباہلہ میں رسول اللہ کے گواہ تھے پس گواہوں کو جھٹلایا گیا تو قرآن و آل کا انکار ہوا پھر بی بی نے رسول کی تحریر پیش کی جسکی حیثیت سنت رسول کی سی تھی تو اُس کو پھاڑ کر پھینک دیا گیا تو پھر قرآن و سنت کا انکار ہوا..پس بی بی پورے اسلامی مجمع کو سمجھا کر واپس آئیں کہ اگر کرسی اقتدار والے حَسْبُنَا کِتَابَ اللّٰہ کا دعویٰ کریں تو ان کا دعویٰ غلط ہے اگر کتاب و سنت کی اتباع کا دعویٰ کریں تو غلط ہے اور اگر قرآن و عترت سے تمسک کا دعویٰ کریں تو غلط ہے کیونکہ قرآن کو انہوں نے ردّ کیا، آل کی شہادت کو قبول نہ کیا اور تحریر پیغمبر کو ریزے ریزے کر کے سنت سے انحراف کر لیا، پس نہ ان کا قرآن پر ایمان ہے اور نہ سنت پر ایمان ہے اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ قرآن و سنت پر ایمان اس کا ہو سکتا ہے جو محمد مصطفیٰ کی زبان کو شک و ریب سے بالاتر سمجھے خواہ جوانی میں بات کریں یا ضعیفی میں..سفر میں یا حضر میں..جنگ میں یا صلح میں..تندرستی کی حالت میں یا بیماری کے دوران؟

پس جو شخص رسول اکرم کی جوانی کی بات میں شک کرے ایمان سے خارج..جو آپ کی ضعیفی کی بات میں شک کرے ایمان سے خارج..اسی طرح جو آپ کی

تندرستی کی بات میں شک کرے بے ایمان اور جو آپ کی بیماری کے زمانہ کی بات میں شک کرے بے ایمان ہوگا؟ آپ کی تقریر پر شک کرے تو بے ایمان اور آپ کی تحریر میں شک کرے تو بے ایمان....ہم شیعہ لوگوں کا زبانِ محمدؐ پر ایمان ہے وہ جو کچھ فرمائیں وہ دین ہے جس کام کا حکم دیں وہ دین ہوگا جس محبت کا حکم دیں وہ محبت دین اور جس بیزاری کا حکم دیں وہ بیزاری دین، لہذا ہماری محبت جذبات کے تابع نہیں بلکہ محمد مصطفیٰ کے فرمان کے تابع ہے..اسی طرح ہماری دشمنی بھی جذبات کے تابع نہیں بلکہ محمد مصطفیٰ کے فرمان کے تابع ہے۔

دین و اسلام کے بہانہ سے لینے اور کھانے والے تو آپ کو بہت ملیں گے لیکن دین کو دینے والے اور دین پر خرچ کرنے والے بہت کم ہیں، آلِ محمد علیہم السلام وہ خاندان ہے جنہوں نے حسب ضرورت دین پر ہر دَور میں خرچ کیا۔

حضرت محمد مصطفیٰ نے دین پہنچایا اور زندگی بھر دین پر خرچ کرتے رہے، دنیا میں مسلمانوں کو عزت و وقار عطا فرمایا اور مرنے کے بعد مسلمانوں سے جنت وکوثر دینے کا وعدہ فرمایا گویا یہاں بھی دیا اور وہاں بھی دیں گے....مسلمانوں سے لیا کچھ نہیں فرمایا **اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہ**

آلِ محمد علیہم السلام نے دین کی خاطر کیا کیا مصیبتیں سہیں؟ کلیجہ منہ کو آتا ہے کیا کیا بیان کیا جائے؟ لوگ کہتے ہیں شیعہ روتے کیوں ہیں؟ حالانکہ جب ہم لوگ خوش ہوں تو اُنہیں پوچھنا چاہیے کہ تم خوش کیوں ہو؟ کہتے ہیں یہ ماتم کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ اُنہیں عبرت کرنی چاہیے کہ ہم لوگ زندہ کیسے ہیں؟

نفسیاتی فقرہ عرض کرتا ہوں....کسی جوان..عزت دار..غیرت مند..شریف النفس انسان کے سامنے دشمنوں کے بھرے مجمع میں اس کی ماں کے سر سے چادر چھن جائے تو اس سے یہ پوچھنا کہ تم روتے کیوں ہو عقلمندی نہیں، ہاں اس سے

سوال کرنا چاہیے کہ اس قدر ہولناک حالات سے گزرنے کے بعد تم جیتے کیوں ہو؟ اے غیرت مند مسلمان! اگر تیرے خاندان کی بیٹیوں.. بہنوں اور ماؤں کے سروں پر چادریں ہیں تو اس غیرت و ناموس پر تیرا کیا خرچ ہوا ہے؟ یہ تو امام حسینؑ کی بہن کا احسان ہے جس نے اپنی چادر لٹادی اور تیری بہو..بہن.. ماں اور بیٹی کے سر پر شرم وحیا کی چادر ڈال دی۔

آج غیر مسلم مما لک بیٹی اور بہن کے نکاح کو قانونی شکل دینے سے گھبراتے ہیں اور یزید وہ ناپاک انسان تھا جس نے پیغمبرؐ کے فوراً بعد کے عرصہ میں محارم سے نکاح کو جائز قرار دے دیا تھا... یہ امام حسینؑ اور زینب عالیہؑ کا احسان ہے جنہوں نے یزیدیت کے آگے کوہِ گراں بن کر اس کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا اور حلال وحرام کے درمیان امتیازی نشان کھینچ کر مسلمانوں کو غیرتِ اسلامی کا درس دیا، مشکل ترین اور ہوشربا حالات سے گزر کر پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دی۔

جب کبھی غیرتِ انساں کا سوال آتا ہے
بنتِ زہراؑ تیرے پردے کا خیال آتا ہے

جب کوفہ کے قریب پہنچیں تو حضرت سجادؑ سے پوچھا یہ سامنے کونسا شہر ہے؟ امام سجادؑ نے عرض کیا کوفہ ہے.. فرمایا وہی کوفہ جس میں شہزادی رہ چکی ہوں؟ بقولے جناب فضہ سے فرمایا جا کر شمر سے کہو کہ میں اس شہر میں شہزادی رہ چکی ہوں مجھے اس شہر میں نہ لے جاؤ.

اور اگر لے جانا ہے تو ہمیں چادریں دے دو.

اگر یہ بھی منظور نہیں تو کسی غیر معروف راستہ سے لے جاؤ.

اگر یہ بھی قبول نہیں تو اس وقت لے جاؤ جب رات کی تاریکی چھا جائے اور شمعدان گل کیئے جائیں.

چنانچہ فضہ نے شمر سے بی بی کی فرمائش کو بیان کیا....اس حرامزادہ نے منہ دوسری طرف کر کے انتہائی لاپرواہی اور بے حیائی سے کہا کہ جاؤ زینب سے کہو اب تم کوفہ کی شہزادی نہیں بلکہ ہماری قیدن ہو ہم جیسے چاہیں گے لے جائیں گے؟

جب جناب فضہ نے شمر کا فقرہ دہرایا تو بقولے بی بی نے فرمایا میں اس حالت میں نہیں جاؤں گی..پس اِدھر بی بی کا محمل رُکا اُدھر امام حسینؑ کے سر والا نیزہ رُکا..شمر تازیانہ لے کر امام سجادؑ کی طرف بڑھا تو امام سجادؑ نے بابا کے نیزہ کی طرف رُخ کیا اور عرض کیا بابا تیری بہن آگے جاتی نہیں اور میری پشت برداشت نہیں کر سکتی؟ امام حسینؑ کے سر سے آنسو کے خون آلود قطرے ٹپکے تو بی بی نے سر اٹھا کر عرض کیا بھیا حسینؑ! رونے کی کیا وجہ ہے؟ بزبانِ حال فرمایا میرا بیٹا بیمار ہے اے بہن! تجھ میں چلنے کی سکت نہیں سجاد میں تازیانہ براداشت کرنے کی طاقت نہیں؟

دربار میں پیش ہوئیں..دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گئیں **کَانَتْ فِیْ اَرْذَلِ ثِیَابِھَا** یعنی بی بی کے تن اقدس پر نہایت خستہ اور بوسیدہ لباس تھا..غالباً اچھے ملبوسات کربلا میں لوٹ لئے گئے یا نذرِ آتش ہو گئے..بس وہ لباس تھا جو مدینہ سے پہن کر آئی تھیں۔

ابن زیاد ایک اکھڑ..سرکش.. بدلگام اور تلخ مزاج انسان تھا، اس نے گرج کر کہا حسینؑ کی بہن کہاں ہے؟ شمر نے کہا دیوار کے ساتھ سہارا لیے بیٹھی ہے..اس نے کہا مجھے نظر نہیں آتی..شمر نے کہا کنیز کے پیچھے ہے..اس نے کہا کنیز کو ہٹاؤ میں زینبؑ سے بات کرنا چاہتا ہوں.....حضرت سجادؑ رو کر بولے او ظالم! اپنی زبان کو روک لے **اِلٰی کَمْ تَھْتِکُ عَمَّتِیْ بَیْنَ مَنْ یَّعْرِفُھَا وَ بَیْنَ مَنْ لَا یَعْرِفُھَا** تو کب تک میری پھوپھی کی توہین کرتا رہے گا؟ خاموش ہو جا اور جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کے

درمیان میری پردہ دار پھوپھی کی توہین نہ کر۔

قاتلوں کو انعام ملنے لگے... بیبیاں خاموش دیکھ رہی ہیں اور اُن کے مقتولین کے قاتل انعام طلب کر رہے ہیں؟ ہائے علی اکبرؑ کی ماں تو نے کیسے برداشت کیا ہوگا؟ جب علی اکبرؑ کے قاتل نے علی اکبرؑ کے سر کا انعام وصول کیا ہوگا؟

خدا کرے کسی ماں کے سامنے جوان مقتول بیٹے کا قاتل نہ آئے (آمین) راہِ شام میں غالباً بی بی نے یہی فقرہ کہا (بقولے وہ کربلا میں موجود تھیں) اے بیٹے علی اکبرؑ! جب تیرا قاتل میرے سامنے آتا ہے تو میں برداشت نہیں کرسکتی کاش تیری ماں نے یہ وقت نہ دیکھا ہوتا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْن

میں اوں یوسف دا قصہ پڑھداں جیندی زندگی تے پئے لٹ گئی
رہیاں ما دیاں حسرتاں دل دے وچ بے وقت جوانی کھٹ گئی
ما دے سامنے سینے وچ یارو سانگ ظلم دی ترٹ گئی
جیکوں لہندا ڈیکھ کے گھوڑے توں شبیرؑ توں کرسی چھٹ گئی

اُنیسویں مجلس

زَیِّنُوا مَجَالِسَکُمْ بِذِکْرِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ لِاَنَّ ذِکْرَہٗ ذِکْرِیْ وَ ذِکْرِیْ ذِکْرُ اللّٰہِ وَ ذِکْرُ اللّٰہِ عِبَادَۃٌ

اپنی مجالس کو علی بن ابیطالبؑ کے ذکر سے مزیّن کرو کیونکہ اس کا ذکر میرا ذکر ہے اور میرا ذکر اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کا ذکر عبادت ہے۔

زینت کا معیار بدلتا ہے کیونکہ ہر دماغ کے نزدیک زینت کا معیار الگ ہے مثلاً بچہ ہے تو وہ زمین پر بیٹھنا اور اس پر لیٹنا زینت سمجھتا ہے پھر بڑا ہو کر جب اس کا ذہن بدلتا ہے تو معیارِ زینت بھی بدل جاتا ہے مثلاً کرسی و بستر پر بیٹھنا زینت سمجھتا ہے پھر ایک زمانہ میں عیاشی اور کھیل کود کو زینت سمجھتا ہے پھر ضعیفی کے زمانہ میں عبادت و قرآن خوانی اس کی زینت ہوتی ہے۔

نبی وہ ذات ہے جس کا جوانی و ضعیفی میں معیارِ زینت ایک ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی عقل ناقص نہیں ہوا کرتی پس جو کسی دَور میں اس کے دماغ پر شک کرے وہ خود بد دماغ ہے۔

پس نبی کریمؐ کا فرمان ہے علیؑ کے ذکر سے مجالس کو زینت دو یعنی زینت نہ گھوڑوں سے..نہ جوڑوں سے..نہ محلات سے..نہ اولاد سے..نہ زر و دولت سے..نہ حسین لباس سے، بلکہ تم مجالس کو علی بن ابیطالبؑ کے ذکر سے زینت دیا کرو۔

خواہ مجلس ایک آدمی کی ہو..دس کی ہو..سو کی ہو..ہزاروں اور لاکھوں کی ہو..اسی طرح جنگل کی مجلس ہو یا گھر کی..امام بارگاہ ہو یا مسجد..زمین کی مجلس ہو یا عرش بریں

کی ..مجلس کی زینت ہے ذکرِ علیؑ۔

سوال ہوتا ہے کہ حضور کا یہ فرمان کیسے ہوسکتا ہے جبکہ علیؑ کے ذکر سے افضل ذکر ہے رسول اللہ کا ذکر؟ اور رسول اللہ کے ذکر سے افضل ذکر اللہ کا ذکر؟ تو انہوں نے افضل کو چھوڑ کر مفضول کو کیسے مجالس کی زینت قرار دیا؟

جواب یہ ہے کہ یہاں تین دائرے ہیں ایک بڑا دائرہ پھر اس کے اندر دوسرا دائرہ پھر اس کے اندر تیسرا دائرہ...پس جو چیز بڑے دائرے کے اندر ہو ضروری نہیں کہ درمیانی دائرہ کے بھی اندر ہو لیکن جو چیز درمیانی دائرہ کے اندر ہوگی وہ بڑے دائرہ کے اندر ضرور ہوگی لیکن ضروری نہیں کہ چھوٹے دائرے کے بھی اندر ہو البتہ جو چیز تیسرے چھوٹے دائرہ کے اندر ہوگی وہ اپنے سے بڑے دونوں دائروں کے اندر ہوگی.....توحید لا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ کا دائرہ وسیع ہے اس میں تمام وہ لوگ داخل ہیں جو اللہ کو ایک مانتے ہیں اس کے اندر رسالت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کا دائرہ ہے اور جو اس دائرہ میں داخل ہیں وہ اس سے باہر والے توحید کے دائرہ میں بھی داخل ہیں اور اس کے بعد آخری دائرہ ولایت عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہ ہے اور جو لوگ آخری دائرہ ولایت میں داخل ہیں وہ دائرہ نبوت و توحید دونوں میں داخل ہونگے پس جو عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہ پڑھے گا اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ اور اس سے پہلے لا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھے لہذا علیؑ کا ذکر رسول کے ذکر اور رسول کا ذکر اللہ کے ذکر کو مستلزم ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ تم علی کا نعرہ یا علی کیوں لگاتے ہو؟ حالانکہ علی خود نعرہ اللہ اکبر لگایا کرتے تھے؟

تو میں کہوں گا بیشک جب حضرت علیؑ اُحد و بدر وغیرہ میں مشرکین سے لڑے تو ان کا نعرہ اللہ اکبر تھا کیونکہ جو مقابلہ میں تھے وہ اللہ کی کبریائی کے مخالف تھے..لیکن

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مقابلہ میں لا اِلٰــہَ اِلَّا اللّٰہ کے منکر نہیں تا کہ ہم نعرۂ تکبیر سے ان کو قائل کریں اور ہمارے مقابلہ میں نبوت کے منکر نہیں تا کہ ہم نعرۂ رسالت سے ان کو قائل کریں بلکہ ہمارے مقابلہ میں ولایت علیؑ کے منکر ہیں بس ہم اپنی مجالس میں صرف نعرۂ حیدری... یاعلیؑ لگاتے ہیں۔

حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ ابن ابی طالب کا کہنا ایک نقطہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جس مقام پر کسی کی تعریف کی جاتی ہے تو فصیح و بلیغ.. موقعہ شناس اور دانشمند متکلم کیلئے نازیبا ہے کہ تعریف کے مقام پر اوصافِ حسنہ بیان کرتے ہوئے اس کا کوئی ایسا پہلو بیان کردے جس میں اس کی نقصِ شان اور توہین ہو مثلاً فلاں آدمی شریف.. نیک.. دیانت دار.. نمازی.. تہجد گزار ہے اور ساتھ ہی کہہ دے وہ جو فلاں چور یا ڈاکو کا بیٹا ہے؟ تو یہ کہنے سے سابقہ اوصاف کو سن کر سامعین جس قدر متاثر ہوئے ہوں گے وہ سب شش و پنج میں پڑ جائیں گے اور جس کی تعریف کی جارہی تھی اس کا بھی سر شرم کے مارے جھک جائے گا.... پس اس کی وہ شان نہ رہے گی جو ہونی چاہیے تھی؟ اس مقام پر پیغمبر اکرمؐ حضرت علیؑ کی تعریف کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ علیؑ کے ذکر سے مجالس کو زینت دیا کرو پس حضرت ابوطالبؑ کے ایمان و وفا میں اگر حضورؐ کو شک ہوتا یا اس کے کافر ہونے کا یقین ہوتا تو ابن ابی طالب کہنے سے گریز کرتے تا کہ نہ سامعین کے دماغوں میں علیؑ کی منقصت کا پہلو داخل ہو اور نہ حضرت علیؑ یہ سن کر خفت محسوس کریں؟ گویا پیغمبر اکرمؐ نے تعریف کے مقام پر علی ابن ابی طالب کہہ کر واضح کردیا کہ حضرت ابوطالب کا ایمان شک وریب سے بالاتر ہے ورنہ اس مقام پر اس کا نام نہ لیا جاتا۔

خود حضرت علیؑ بھی مقامِ فخر میں اپنے والد ماجد ابوطالب کا نام لیا کرتے تھے، چنانچہ جب حضرت علیؑ نے جنگ جمل میں اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کو روانہ فرمایا تو

پہلے ان کو جنگ میں لڑنے کا ڈھب تعلیم فرمایا (کیونکہ جنگ جمل حضرت علیؑ کی اولاد کیلیئے ایک تربیتی کورس تھا اسلیئے کہ سابقہ حکومتوں میں ان کو نہ فوجی خدمت کا موقع ملا اور نہ کسی محاذ پر گئے) نہج البلاغہ کے الفاظ ہیں:

تَزُوْلُ الْجِبَالُ وَ لا تَزُلْ نِدُ فِی الْاَرْضِ قَدَمَکَ أعِرْجُمْجُمَتِکَ لِلّٰهِ وَارْمِ بِبَصَرِکَ اَقْصٰی الْقَوْمِ وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مِنْ عِنْدِ اللّٰه.

- پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں لیکن تیرا قدم اپنے مقام سے پیچھے نہ ہٹے.
- زمین میں قدم ایسے گاڑھ دو جس طرح میخ لکڑی میں گڑ جایا کرتی ہے.
- اپنے سر کو عاریۃً اللہ کو دے دو (مرنے کی فکر نہ کرو اور موت سے نہ ڈرو)
- لڑتے ہوئے دشمن کے آخری سپاہی تک نظر رکھو تا کہ دشمن کا ہر سپاہی سمجھے کہ حضرت علیؑ کے شیر کی تلوار میرے سر پر منڈلا رہی ہے.
- اپنی شجاعت پر بھروسہ نہ کرو بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور یقین کرلو کہ مدد اسی کی جانب سے ہوتی ہے.

پس حضرت علیؑ نے اپنے فرزندِ شجاع کو گھوڑے پر سوار کیا اور تلوارِ آبدار و شرربار عطیۂ پروردگار عطا فرما کر میدانِ کارزار کی طرف روانہ فرمایا اور ایک مقامِ بلند پر کھڑے ہو کر جنگ کا نقشہ دیکھتے رہے جب محمد بن حنفیہ میدان سے انتہائی کامیابی کے ساتھ واپس پلٹے تو حضرت علیؑ اسی گھوڑے پر وہی تلوار لے کر میدان کی طرف روانہ ہوائے اور فرمایا میری جنگ بھی بلند مقام پر کھڑے ہو کر دیکھتے رہنا، چنانچہ جب شاہِ مرداں اور شیر یزداں نے دشمن کی فوجوں کا صفایا کیا اور میدان سے واپس آئے تو (بقول بعض واعظین) محمد بن حنفیہ سے فرمایا بیٹے دیکھو علیؑ کے بیٹے اُس طرح لڑتے ہیں جس طرح تم لڑے ہو لیکن ابو طالبؑ کے بیٹے اِس طرح لڑتے ہیں جس طرح میں نے جنگ کی ہے۔

حضرت علیؑ نے مدح کے مقام پر اپنے بیٹے کے سامنے اپنے باپ کی شجاعت پر فخر کیا (بقول بعض واعظین) اس کے بعد تیر کمان محمد بن حنفیہ کو دیا اور فرمایا کہ عائشہ کے اُونٹ کے زانو پر تیر مارو تا کہ وہ پسپا ہو اور مسلمان قتل سے بچ جائیں، محمد بن حنفیہ نے تیر مارا لیکن نشانے پر نہ لگا پس آپؑ نے بیٹے حسنؑ کو حکم دیا چنانچہ امام حسنؑ کا تیر نشانہ پر لگا اگرچہ یہ جنگ دونوں کے لئے تربیتی کورس تھا لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ معصوم اپنے کمال میں تجربہ کا محتاج نہیں ہوتا اور غیر معصوم تجربہ کا محتاج ہوتا ہے۔

پس محمد بن حنفیہ کا سر خجالت سے جھکا اور پیشانی پر عرق کے قطرات نمودار ہوئے تو حضرت علیؑ نے یہ کہہ کر بیٹے محمد کو تسلی دی اور اس کی دلجوئی کی کہ تو اس کے برابر نہیں کیونکہ تو میرا بیٹا ہے اور وہ محمد مصطفیٰ کا لختِ جگر ہے اور حسنؑ کی کامیابی تیرے لئے باعث شرم نہیں بلکہ باعث فخر ہے.....اس کے بعد تا زیست محمد بن حنفیہ نے بابا کا یہ فرمان یاد رکھا اور کبھی حسنینؑ کی برابری کا تصور تک نہ کیا۔

چنانچہ جنگ صفین میں ترقی کر کے محمد بن حنفیہ حضرت علیؑ کی فوج کا جنرل تھا اور پوری کائنات میں مولا علیؑ واحد سلطان ہے جس نے میدانِ جنگ میں اپنی اولاد کو لڑایا اور خود بھی لڑے..پس حضرت علیؑ نے فرمایا بیٹے میدانِ کارزار میں گھس جاؤ اور شعلہ جوالہ بن کر دشمن کے میسرہ پر ٹوٹ پڑو.. چنانچہ محمد بن حنفیہ نے میسرہ دشمن پر بھرپور حملہ کیا اور جان کی بازی لگا کر خوب لڑے جب میسرہ پر فتح پا کر واپس پلٹے تو زرّہ کے سوراخوں سے خون رِس رہا تھا اور سینہ زخموں سے چور تھا پانی مانگا اور شیر خدا نے اپنے نوجوان بیٹے کو سینے کا سہارا دے کر اپنے ہاتھوں جامِ شربت دیا اور محمد نے پیا..پھر حضرت علیؑ نے فرمایا بیٹے میدانِ جنگ میں سستی مناسب نہیں اب فوراً دشمن کے میمنہ پر حملہ کر دو.. چنانچہ محمد بن حنفیہ نے تعمیل حکم کے طور پر شیر بیشہ

شجاعت کی حیثیت سے دشمن کے میمنہ کو للکارا اور میدان میں گھس گئے، چنانچہ اپنی ہمت اور خداداد شجاعت کے جوہر دِکھا کر فوجوں کا صفایا کر کے واپس پلٹے تو حسب سابق حضرت علیؑ نے اپنے پیارے بیٹے کو پانی پلایا..اس دفعہ زخموں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور خون اُبل رہا تھا لیکن پھر حضرت علیؑ نے فرمایا بیٹے سستی کو دور کرو اور جا کر آخری حملہ قلب لشکر پر کرو.. چنانچہ حضرت علیؑ کے شیر نے دشمن کی ٹڈی دل فوج کو تھوڑی دیر میں پسپا کر دیا اور فاتحانہ انداز سے واپس آئے تو مولاؑ نے فرمایا بیٹے اب الگ خیمہ میں جا کر آرام کرو چنانچہ حضرت محمد بن حنفیہ نے الگ خیمہ میں جا کر آرام کیا...اتنے میں ایک منافق نے موقعہ پا کر محمد بن حنفیہ کو بہلانے کی کوشش کی اگرچہ ظاہراً زبان میں محبت تھی لیکن دل میں بغض علیؑ تھا..کہنے لگا تیرے باپ نے تجھ سے اچھا سلوک نہیں کیا کیونکہ اس کو تیرے ساتھ محبت کم ہے؟ دیکھو حسنؑ و حسینؑ پیارے ہیں ان کو خیمہ میں بٹھائے ہوئے ہے اور تجھے تین بار مسلسل ولگاتار اژدھائے موت کے منہ میں دھکیلتے رہے؟ اپنے جسم کی حالت تو دیکھو کہ کوئی جگہ زخموں سے خالی نہیں مناسب یہ تھا کہ ایک دفعہ تجھے اور ایک ایک دفعہ ان کو بھیجتا؟

یہی سننا تھا کہ علیؑ کے شیر کے تیور بدلے اور پیشانی پر بل آیا فرمایا او نابکار میرے امام بابا کے حق میں نازیبا الفاظ استعمال نہ کر وہ حق ہے اور حق کے ساتھ ہے حسنینؑ کا سایہ میں بٹھانا حق ہے اور مجھے لڑانا حق ہے (الفاظ اگرچہ میرے ہیں لیکن مضمون روایت اسی طرح ہے) اس شخص نے کہا اے فرزند امیرالمومنینؑ مجھے سمجھائیے؟ تو حضرت محمد بن حنفیہ نے سمجھانے کے انداز سے پوچھا بتاؤ تیرے جسم کے تمام اعضاء تجھے پیارے ہیں؟ یا کچھ پیارے ہیں اور کچھ نہیں؟ اس نے کہا کہ سب پیارے ہیں آپ نے فرمایا پھر ہمیشہ چلنے کی خدمت پاؤں سے لیتا ہے کبھی تو یہ خدمت سر یا ہاتھوں سے لیا کرو؟ اس نے کہا پاؤں چلنے کیلئے پیارے ہیں یہ ان کی

ڈیوٹی ہے...آپ نے فرمایا اگر دشمن تیر مارے جو سیدھا تیری آنکھ کی طرف آرہا ہوتو کیا کرے گا؟ کہنے لگا ہاتھ کو ڈھال بنا کر آنکھ کو بچالوں گا،آپ نے فرمایا اس کا مقصد یہ ہے کہ تجھے آنکھ پیاری ہے اور ہاتھ پیارا نہیں؟ اس نے کہا ہاتھ پیارا اسلئے ہے کہ سر کی ڈھال بنے..آپ نے فرمایا اب تیرے سوال کا جواب آگیا دیکھو حسنینؑ شریفین بابا علیؑ کی آنکھیں ہیں اور میں علیؑ کا ہاتھ ہوں جب تک ہاتھ ہیں حس وحرکت موجود ہے آنکھیں محفوظ رہیں گی۔

بہر کیف اصل میرا بیان یہی تھا کہ علیؑ کا ذکر زینت مجالس ہے....اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں علیؑ جیسا امام دیا اور یہ وہ نعمت ہے جس کا شکر ادا ہوسکتا ہی نہیں..اگر آدمؑ تا قیامت زندگی ہو اور پوری زندگی عبادتِ خدا میں بسر ہو جائے جسم گل سڑ جائے..ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں..خون خشک ہو جائے تا ہم اتنی لمبی عبادت کے باوجود اللہ کی صرف اس نعمت کا شکر ادا نہیں ہوسکتا کہ اس نے ہمیں علیؑ امام عطا فرمایا ہے۔

دیکھئے...ہر زمین کاشت ہونے والے بیجوں کی مزاج شناس ہوتی ہے اسی بیج اور اسی پودے کو پروان چڑھاتی ہے جو اس کے مزاج کے موافق ہو..پس کاشتکار وہی کامیاب ہے جو زمین کا مزاج شناس ہو..پہلے دیکھئے کہ یہ زمین کس بیج کیلئے موزوں ہے؟ پس وہی بیج کاشت کرے..ورنہ ناموزوں بیج کا زمین کے پیٹ میں گل سڑ جانا زمین کا قصور نہیں بلکہ اس کاشتکار کا قصور جس نے زمین کے مزاج کو پہچاننے کی کوشش نہیں کی؟ یا زمین کا مزاج جاننے کے باوجود اس میں ناموزوں بیج کاشت کیا..ہمیں تجربہ ہے کہ بعض زمینیں گندم کیلئے موزوں ہیں لیکن چنے کیلئے اَن فٹ ہیں بعض چاول پیدا کرتی ہیں اور کپاس کیلئے موزوں نہیں وعلی ہذا القیاس، پس ہر زمین میں وہی پودا پروان چڑھتا ہے جو زمین کے مزاج کے موافق ہو۔

اے شیعہ! تیرے دل و دماغ کی زرخیز زمین شجرۂ طیبہ ولائے محمد وآل محمد علیہم السلام کیلئے موزوں ہے اس زمین میں شجرۂ خبیثہ اُگ سکتا ہی نہیں کیونکہ اس زمین کا مزاج شجرۂ خبیثہ کو قبول ہی نہیں کرتا......لیکن یادرکھو! اگر دل میں شجرۂ طیبہ ولائے محمد وآل محمد علیہم السلام ہے تو اس شجرہ کا پھل وہ ہونا چاہیے جو اس شجرہ سے مناسبت رکھتا ہو..ایسا پھل نمودار نہ ہو جو شجرہ خبیثہ سے مناسبت رکھتا ہو؟ پس یہ شجرہ نماز..روزہ اور نیک اعمال کیلئے ہے، اس شجرہ پر بے حیائی اور بدکاری کا ثمرہ نہیں لگ سکتا کیونکہ نجس پھل شجرۂ خبیثہ سے مناسبت رکھتے ہیں۔

عزادار کے دل میں قبر حسینؑ ہے تو نجس غذا یا شراب پیتے وقت وہ یہ کیوں نہیں سوچتا کہ یہ شراب کس قبر پر گرا رہا ہوں؟ یا اس نجس غذا کے ذرّات کس قبر پر گر رہے ہیں؟

بعض لوگ بے نمازی کا عذر کرتے ہیں کہ ہمیں نماز میں خیالات آتے ہیں لہذا ایسی نماز مقبول ہی نہیں؟ تو گزارش ہے کہ تیرے دل و دماغ کی زمین کو ولائے علیؑ کی وجہ سے وہ زرخیزی نصیب ہے کہ اس میں نیکی کا ہر بیج کامیاب ہے اور ایک کے بدلہ میں ہزاروں لاکھوں گنا نصیب ہوگا، البتہ ان لوگوں کی عبادت نماز وروزہ وغیرہ بیکار ہیں جن کے دلوں میں ولائے علیؑ نہیں اور ان کی زمین عمل شور ہے بس ان کا ہر عمل ضائع اور برباد ہوگا... چنانچہ معصومؑ نے فرمایا گر ستر نبیوں کے اعمال بھی اس کے نامہ اعمال میں ہوں لیکن ہماری وِلا نہ رکھتا ہو تو اعمال کی گٹھڑی سمیت اوندھے منہ جہنم میں گرایا جائے گا۔

آپ لوگ زرخیز زمین پر نگاہ کریں جس میں گندم بوئی گئی ہے کیا وہ زمین گندم کے علاوہ کسی دوسری بوٹی کو پیدا نہیں کرتی؟ ہم نے دیکھا ہے گندم کے علاوہ ہزاروں بیکار جڑی بوٹیاں اور خود رو پودے اس میں کاشتکار کی مرضی کے خلاف اُگ آتے ہیں اور مختلف ادویہ کا سپرے کر کے ان کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی

ہے پھر بھی وہ بچ جاتے ہیں اور یہ زمین کی خاکی فطرت ہے..لیکن کبھی زمیندار زمین کی اس فطرت سے تنگ آ کر گندم کاشت کرنے سے بخل نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم ہے یہ زمین اپنی خاکی فطرت نہیں چھوڑے گی تاہم جب فصل کے پکنے کا وقت آئے گا وہ غلط بوٹیاں اور بیکار پودے پہلے گل سڑ جائیں گے اور مجھے پوری فصل نصیب ہوگی لہذا زمین کی فطرت سے مجھے نبرد آزما ہونے کی کیا ضرورت؟

اسی طرح اے مومن! تیرے دل ودماغ کی زمین ایمانِ ولائے علیؑ کے صدقہ میں انتہائی زرخیز ہے تو جب تو نے اس میں نماز کی کاشت کی تو اس نے اپنی خاکی فطرت کے ماتحت غلط قسم کے خیالات لانے شروع کر دیئے اور یہ خیالات زمین کی جڑی اور بے کار بوٹیوں کی مثال ہیں...کیونکہ اس جسم کی فطرت خاکی ہے نوری نہیں لہذا فضول خیالات کے ڈر سے اپنی ایمان کی زرخیز زمین کو نماز ودیگر عبادات کی کاشت سے محروم نہ کرو.. بروز قیامت جب ان عبادات کے فصل کی برداشت ہوگی تو غلط خیالات مرجائیں گے اور تجھے جزا پوری ملے گی لہذا تجھے گھبرانے کی کیا ضرورت؟ تم اپنا کام کرو اور یہ خاکی فطرت اپنا کام کرتی رہے۔

یاد رکھو! اس اسلام پر کسی نے لگایا کچھ نہیں اور ہم نے بچایا کچھ نہیں..ہمارے پاس کیا بچ گیا؟ جب ہماری آقازادیاں کھلے سر بازاروں میں گئیں؟ ایک شخص نے معصومؑ سے عرض کیا کہ شہادت آپ کی خاندانی روایت ہے لہذ آپ زیادہ گریہ نہ کریں..تو آپ نے فرمایا تو نے انصاف نہیں کیا بیشک شہید ہونا تو ہماری خاندانی روایات کے مطابق ہے لیکن بہو..بیٹیوں..ماؤں اور بہنوں کا کھلے سر دربار و بازار میں جانا بھی آلِ رسول کی خاندانی روایات کے مطابق ہے؟

میں نے اپنی کتاب ''اصحاب الیمین'' میں اس واقعہ کو درج کیا ہے کہ جب واقعہ حرّہ پیش آیا اور یزید عنید کے حکم سے مدینہ کو تاراج کیا گیا..تین دن مسلسل قتل

عام کا بازار گرم رہا۔ منبر رسول سے قبر رسول تک زمین خون سے لالہ زار ہوگئی اور اگلے سال بے شوہر عورتوں کے ہزاروں بچے پیدا ہوئے اس افراتفری میں عبدالرحمٰن بن عقیل کا یتیم شہزادہ قاسم اپنی بیوہ ماں اور تین بہنوں کو لے کر مدینہ سے نکلا اور جنگلوں کی خاک چھان چھان کر کوفہ کی سرزمین میں وارد ہوا۔

اس زمانہ میں حضرت امیر مختار برسر اقتدار تھے اور دشمنانِ حسینؑ سے بدلہ لے رہے تھے۔۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن عقیل کا قاتل عثمان بن خالد جہنی بھاگنا چاہتا تھا کہ مختار کی پولیس کے ایک گشتی دستہ نے مشکوک حالت میں اسے گرفتار کرلیا، جبکہ وہ عبدالرحمٰن بن عقیل کے ہی گھوڑے پر سوار تھا پس دربار میں لایا گیا، لوگ عبدالرحمٰن بن عقیل کے گھوڑے کے اردگرد جمع ہوکر گریہ وزاری میں مصروف تھے کہ اچانک ابوعمرہ (جو کوفہ کا پولیس افسر تھا) نے قاسم بن عبدالرحمٰن کو دربار میں حاضر کیا، امیر مختار نے سوال کیا یہ کون ہے؟ تو جواب ملا کہ عبدالرحمٰن بن عقیل کا یتیم شہزادہ قاسم ہے۔۔ ممکن ہے بلکہ روایت کا یہی تقاضا ہے کہ مختار نے کھڑے ہوکر شہزادہ کا استقبال کیا ہوگا اور اسے کرسی پر جگہ دی ہوگی اور رورو کر کہا ہوگا اے لوگو! تم گھوڑے کے گرد جمع ہوکر ماتم وگریہ میں مصروف ہو اِدھر دیکھو اُس گھوڑے سوار کا فرزند قاسم بن عبدالرحمٰن یہ موجود ہے۔۔ چنانچہ لوگوں کا گریہ زیادہ ہوا اور شہزادے سے امیر مختار نے دریافت کیا اب کیا ارشاد ہے؟ تو قاسم نے فرمایا اپنے باپ کے قاتل کو میں خود قتل کروں گا۔۔ چنانچہ وہ ملعون قتل ہوا۔

اب شہزادہ کو مومنوں نے محبت و پیار کی نگاہوں سے دیکھا لیکن باپ کے قاتل کو قتل کرنے کے باوجود بھی قاسم کا چہرہ مرجھایا ہوا دیکھ کر لوگ حیران ہوئے آپ نے کہا میں کیا بتاؤں؟ میرے ہمراہ میری بیوہ ضعیفہ ماں اور تین جوان بہنیں ہیں جنھوں نے کئی دنوں سے کھانا نہیں کھایا اور ان کے جسم پر بوسیدہ کپڑے ہیں،

سر پر برقعہ و چادر نہیں اور میں ان کو فلاں جگہ بٹھا آیا ہوں..پس لوگوں نے چادریں بھی دیں اور برقعے بھی دیئے اور ان کے طعام کا بھی انتظام کیا اور ان کے لئے رہائش کا گھر بھی مہیا کیا..... ہائے زینبؑ عالیہ جس شہر کوفہ کی شہزادی رہی اسی کوفہ سے شام تک اسیر ہو کر چادر مانگتی گئی؟

حضرت امام زین العابدینؑ نے ایک مومن سے عالم خواب میں دریافت کیا کہ تم میرے بابا کو کس قدر روتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا سارا سال روتے ہیں جب فرش عزا بچھایا جائے..محرم میں..چہلم کے موقعہ پر..تو امامؑ نے فرمایا تم اتنا رویا کرو کہ تمہارے آنسوؤں کا پانی ایک نہر کی شکل میں بہہ جائے تب بھی فخر نہ کرو کیونکہ تمہارے آنسوؤں سے بہتا ہوا دریا میری کمسن بہن سکینہ کی ایک مصیبت کا بھی بدلہ نہیں ہو سکتا ہے؟ وہ کس قدر طمانچے سہتی رہی؟ اور کیا کیا ظلم برداشت کرتی رہی؟

وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

بیٹھا دُھوڑ پونجھیندا ائے چہرے دی شاہ بھینڑ دی چم پیشانی
تیکون کفن سجاد پوا نئیں سگیا اینہ گاہلوں ہاں ارمانی
نت آہدی ہاویں میکوں تریہہ کھا گئی ہے ایہہ ڈکھ قسمت وچ ہانی
ہنڑ چپ کر کے کیوں سم گئی ہیں نہوی ویر توں منگیا پانی

بیسویں مجلس

عَلِیٌّ مَّعَ الْحَقِّ وَ الْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ یَدُوْرُ حَیْثُمَا دَارَ

علیؑ حق کے ساتھ اور حق اس کے ساتھ ہے اور حق اُدھر ہی مڑتا ہے جس طرف علیؑ مڑے...حق و باطل کی باہمی جنگ روزِ اوّل سے ہے، نہ کبھی حق نے باطل کے سامنے گردن خم کی اور نہ کبھی باطل حق پر تشدد کرنے سے باز آیا.. ہابیل وقابیل کی جنگ سے لے کر آج تک یہی سلسلہ جاری ہے۔

انسان کی متضاد عناصر سے تخلیق ہی جنگ کا پیش خیمہ ہے کیونکہ مزاجِ انسانی میں آگ کی گرمی اور پانی کی ٹھنڈک پھر خاک کی یبوست اور ہوا کی رطوبت باہمی آویزش کا موجب ہیں..انسان میں حق کی طاقت بھی ہے اور باطل کی قوت بھی ہے یعنی نیکی بھی کرسکتا ہے اور برائی کی طرف قدم بھی بڑھا سکتا ہے اس میں طاقت ملکوتی بھی موجود ہے اور طاقت طاغوتی بھی کارفرما ہے، پس کسی کام کو کرنے کیلئے طاغوتی اور ملکوتی قوتوں کی جنگ ہوتی ہے اور جو طاقت فتح پالے اس کے تابع ہو کر انسان قدم اُٹھاتا ہے...مثلاً اگر چوری کا ارادہ کرتا ہے تو ملکوتی طاقت یعنی عقل روکتی ہے اور طاغوتی طاقت یعنی جہالت اُکساتی ہے..پس اگر ملکوتی طاقت غالب تو ارادہ ختم اور طاغوتی طاقت غالب تو غلطی کا ارتکاب، اسی طرح اگر نماز کا ارادہ کرے تو ملکوتی طاقتِ عقل اس کو آگے بڑھاتی ہے اور طاغوتی طاقت یعنی جہالت اس کو سست کرتی ہے..پس جو غالب ہوگی اسی کے ماتحت عمل کرے گا اور چونکہ انسان میں دونوں قوتیں موجود ہیں اسی لئے انسان فرشتہ اور حیوان سے ممتاز ہے،

کیونکہ فرشتے میں ملکوتیت ہے حیوانیت نہیں اور حیوان میں صرف حیوانیت ہے ملکوتیت یعنی عقل نہیں..پس فرشتے کی نیکی بلا مقابلہ ہے کیونکہ اس کے راستہ میں طاغوتیت کی رکاوٹ نہیں اور حیوان کی غلطی بھی بلا مقابلہ ہے کیونکہ نیکی کی طرف لانے والی چیز عقل اس کے پاس نہیں؟

اب اگر انسان نیکی کرے تو فرشتے سے برتر اور برائی کرے تو حیوان سے بدتر.... پس جس طرح انفرادی طور پر ہر انسان کے اندر ملکوتی وطاغوتی جنگ کا سلسلہ جاری رہتا ہے اسی طرح مجموعی طور پر انسانوں میں یہی جنگ جاری ہے، کچھ حق کے علمبردار ہیں اور کچھ باطل کے طرفدار ہیں بلکہ ایک انسان کی زندگی بعض اوقات حق اور باطل میں تقسیم ہوا کرتی ہے کچھ دن باطل پرستی میں گزار کر بعض اوقات حق کے اصولوں کے سامنے جھک جاتا ہے اور کبھی برعکس یعنی کچھ دن حق پرستی میں گزار کر بعض اوقات باطل پرست بن جاتا ہے، اسی طرح قومیں بھی حق سے باطل کی طرف اور باطل سے حق کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

حضرت پیغمبر اکرمؐ کی زبانِ وحی ترجمان نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ علیؑ ہمیشہ حق کے ساتھ ہے اور حق ہمیشہ علیؑ کے ساتھ ہے ان دونوں میں کبھی جدائی اور مفارقت ہوتی ہی نہیں اور چونکہ علیؑ حق کے ساتھ بلکہ خود حق ہے اسلئے ناممکن ہے کہ حق کبھی باطل کے سامنے جھکے لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَائَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ الخ یعنی اگر حق ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع کرتا تو زمین وآسمان کا نظام درہم برہم ہو جاتا؟

نظام کائنات کا محفوظ رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ حق نے کبھی باطل کی بیعت نہیں کی اور مشہور مقولہ ہے کہ اَلْحَقُّ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى عَلَيْه یعنی حق بلند ہو کر رہتا ہے دباؤ میں نہیں رہتا..اگرچہ بعض اوقات وقتی طور پر باطل کو غلبہ حاصل ہو بھی

جائے تب بھی اثر اور نتیجہ کے لحاظ سے حق کا بول بالا ہوتا ہے اور باطل کا منہ کالا۔

دیکھئے... ہر آدمی کے دشمن ہوا کرتے ہیں کم یا بیش.. ایسا انسان کوئی نہ ہوگا جس کا دشمن کوئی نہ ہو اور کوئی انسان ایسا بھی نہ ہوگا جس کا دوست کوئی نہ ہو.. کیونکہ عناصر اربعہ (جو متضاد ہیں) سے مرکب انسان دوستی اور دشمنی سے خالی رہ ہی نہیں سکتا؟

حضرت علیؑ وہ کامل انسان ہیں جن کے دشمن ہر ایک کے دشمن سے زیادہ ہیں بلکہ خدا اور رسول کے دشمنوں سے بھی دشمن زیادہ ہیں.. کیونکہ جو خدا کے دشمن ہیں وہ علیؑ کے دشمن بھی ہیں اسی طرح جو نبی کے دشمن ہیں وہ بھی علیؑ کے دشمن ہیں اور خدا و نبی کے دشمنوں کے علاوہ مولا علیؑ کے مخصوص دشمن بھی ہیں اور حضرت علیؑ نے اپنی زندگی میں ان تینوں دشمنوں سے جہاد فرمایا۔

حضرت علیؑ کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا اکثر حصہ لڑائیوں میں گزرا اور ان کی لڑائی کے محاذ تین ہیں:

❁ محاذِ توحید ❁ محاذِ نبوت ❁ محاذِ ولایت

محاذِ توحید: حضرت علیؑ کی زندگی کا پہلا حصہ محاذ توحید پر جنگوں میں صرف ہوا، جنگِ بدر.. جنگِ اُحد.. جنگِ خندق وغیرہ ان جنگوں میں موضوعِ جنگ کلمہ توحید **لاالٰـہَ اِلّا اللّٰہ** تھا.. یہ محاذ توحید تھا.

محاذِ نبوت: اس کے بعد جنگِ خیبر ہے جس میں موضوعِ جنگ حضرت پیغمبر اکرمؐ کی نبوت تھی کیونکہ مقابلہ میں یہودی **لااِلٰہَ اِلّا اللّٰہ** پڑھتے تھے منکر توحید نہ تھے اور **مُوسٰی کَلِیمُ اللّٰہ** پڑھتے تھے لیکن **مَحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ** کے منکر تھے یہ محاذِ نبوت تھا.

محاذِ ولایت: پھر آخری زندگی میں مولا علیؑ نے تین جنگیں لڑیں، جنگ جمل.. جنگ صفین اور جنگ نہروان، ان جنگوں میں نہ تو **لاالٰـہَ اِلّا اللّٰہ** پر جھگڑا تھا

اورنہ مَحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ پر نزاع تھا یہاں امامتِ علیؑ کے محاذ پر جنگیں لڑی جارہی تھیں..پس امام علیؑ نے اُحد وبدر وخندق فتح کرکے محاذِ توحید پر فتح حاصل کرکے لاالٰہ الّا اللّٰہ کی لاج رکھی اور جنگ خیبر میں یہودیوں کا تکبر خاک میں ملا کر مَحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کا کلمہ بلند کیا اور آخری جنگوں میں دشمنانِ ولایت سے جنگ کرکے عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ کا ڈنکا بجادیا..پس پورا کلمہ لاالٰہ الّا اللّٰہ مَحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ حضرت علیؑ کی ہی کاوش ومحنت کا نتیجہ ہے۔

جب میں دیکھتا ہوں کہ اسرائیل کا چھوٹا سا ملک کروڑوں مسلمانوں کے ناک میں دم کئے ہوئے ہے اور سوچتا ہوں تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہودی ہیں مرحب....اور مرحب کے ساتھیوں کی اولاد اور ان سے لڑنے والے ہیں ان کی اولاد جن کو مرحب والے منہ دکھاتے تھے تو علم پھینک کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے؟ پس جس طرح وہ مرحب کے سامنے قدم نہ جما سکتے تھے اُن کے ماننے والے اوران کی اولاد مرحب کی اولاد کے سامنے کیسے ٹھہر سکتی ہے؟ یہ تو خیبر شکن کا گیارہواں فرزند آئے گا تو اولادِ مرحب خود بخود ڈھکانے لگ جائے گی۔

بہر کیف میں عرض کررہا تھا کہ حضرت علیؑ کے دشمن ہر ایک کے دشمن سے زیادہ ہیں اور مولا علیؑ نے زندگی بھر خدا..رسول اور اپنے مخصوص دشمنوں سے جنگ کی ہے اور ظاہر ہے جس شریف کا ایک بھی کمینہ دشمن ہو تو شریف کی زندگی موت سے بدتر بن جاتی ہے اور جس شریف کے ہزارہا کمینے دشمن ہوں وہ کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟ اور کمینے دشمن کا کام ہے شریف کی نیکی پر پردہ ڈالنا اور اس کی طرف ہر قسم کی برائی منسوب کرنا.....امام علیؑ کہ جن کے دشمن کی نہ زمین میں کوئی حد ہے نہ زمان میں کوئی حد ہے، ورنہ عموماً دشمنی کی حدود ہوتی ہیں شہر میں دشمن..اگر زیادہ ہوں تو ضلع کی حدود تک..اگر اور بڑھے تو صوبہ کی حد تک اور اس سے بھی تجاوز کریں تو ملکی

حدود تک دشمن ہوں گے ایک علیؑ ہی وہ ذات ہے جس کے دشمن کی زمین میں کوئی حد نہیں مکہ.. مدینہ اور عرب تک محدود نہیں بلکہ اللہ کی پوری زمین مشرق تا مغرب اور شمال تا جنوب جہاں بھی ٹٹولیں گے علیؑ کے دشمن نکل آئیں گے.....اسی طرح زمان میں بھی کوئی حد نہیں، ورنہ عموماً دشمنی دنوں تک.. مہینوں تک یا سالوں تک ہوا کرتی ہے اور صلح وصفائی ہو جایا کرتی ہے.....اور دشمنی کی آخری حد موت ہے جب مر گیا تو دشمنی ختم ایک علیؑ وہ ذات ہے جس کو دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً ۱۴سو سال ہو گئے لیکن آج تک دشمن ختم نہیں ہوئے بلکہ بڑھتے جا رہے ہیں؟

کہاں تک دشمن شمار کروں؟ مکہ دشمن.. مدینہ دشمن.. راوی دشمن.. محدث دشمن.. مفسر دشمن.. کاتب دشمن.. قلم دشمن.. پریس دشمن.. ذرائع ابلاغ دشمن.. خطیب دشمن.. واعظ دشمن.. کلاس فیلو دشمن؟

تاریخ وحدیث اُس دور میں مرتب ومدوّن ہوئی جب حضرت علیؑ کا نام لینا بھی جرم تھا، اور امیر شام کی طرف سے تو مولا علیؑ کو سبّ کرنے کا سرکاری آرڈر تھا، چنانچہ امام علیؑ کو گالی دینا اور حضرت علیؑ سے دشمنی رکھنا بارگاہِ حکومت کے تقرب کا بہت بڑا وسیلہ تھا.. بنی اُمیہ کی ۸۰ سالہ حکومت میں مولا علیؑ کو سبّ کرنا ایک سنت جاریہ بن گئی تھی۔

مروج الذہب میں ہے کہ جب اقتدار تبدیل ہوا تو عباسی فرمانروا نے شام کی دانشور جماعت سے حضرت علیؑ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جہاں تک ہم نے سنا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ مدینہ کے چوروں میں سے ایک چور تھا (نَعُوذُ بِاللّٰہ)

حضرت علیؑ کی تاریخ ایسے پر خطر دور سے گزرنے کے بعد حق کا حیرت انگیز معجزہ ہے کہ ایسے دَور میں لکھی جانے والی کتبِ حدیث وتفسیر وتاریخ میں جن کے فضائل کے

انبار لگائے گئے ان کے فضائل ملتے نہیں اور امام علیؑ جس کے فضائل پر بین تھا ان کے فضائل شمار نہیں ہو سکتے؟ اگر چہ قلم..کاغذ..راوی وغیرہ سب دشمن تھے لیکن نہ کسی قلم کو جرأت کہ علیؑ کے خلاف لکھ سکے اور نہ کسی پریس کو جرأت کہ علیؑ کے خلاف کوئی مواد شائع کر سکے..... دوستوں نے فضائل چھپائے اپنی جان و مال و عزت کے تحفظ کے لئے اور دشمن نے فضائل پر پردہ ڈالا جاگیر و منصب و دولت کمانے کے لئے.لیکن جب بھی زبانوں سے تشدد کے قفل کھلے اور آسمانِ حقیقت سے ظلم کے بادل چھٹے تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے اندر حضرت علیؑ کے فضائل چھلکتے نظر آئے اور پھر حقیقت نے ظلم کے بادلوں کی تہ کو چیر کر حق بین نگاہوں کے سامنے امام علیؑ کے فضائل کو ایسا نکھار کر پیش کیا کہ اس کے مقابلہ میں دوسروں کے فضائل ریگزار کے مقابلہ میں ذرّہ بے مقدار سے بھی کم ہیں؟ اسی لئے کہا جاتا ہے حق کا بول بالا۔

آج بھی آپ دیکھیں تو حق کو دبانے اور مٹانے کے کس قدر خطرناک اور حیا سوز حربے استعمال کئے جاتے ہیں؟ اسلئے کہ ہمیشہ باطل اپنی کامیابی کیلئے تشدد کو ہی آلہ کار بناتا ہے، حقہ بند.. پانی بند.. بول چال بند.. پھر قلم بند.. زبان بند.. ضلع بند؟

لیکن ہم نے تو نجف سے روانہ ہوتے ہوئے مولا کے روضہ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا تھا کہ اے مولا! جب تک زندگی رہے گی تشدد کی بالا دستی کے باوجود نہ تیرے فضائل کو بیان کرنے سے زبان رُکے گی اور نہ لکھنے میں قلم سے کوتاہی ہوگی اور اللہ کے فضل و کرم سے آج تک زبان نے اپنے مشن میں کوتاہی کی ہے نہ قلم میں سکتہ واقع ہوا ہے.... چودہ جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنا معمولی کام نہ تھا ۱۹۵۵ سے ۱۹۷۷ تک ۲۲ برس میں یہ کام مکمل ہوا، اسکے علاوہ اسی دوران میں بیسیوں کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں اللہ آپ لوگوں کو استفادہ کی توفیق بخشے.. یہ اللہ کا فضل ہے جس کے شکر سے زبان قاصر ہے۔

امام حسینؑ نے میدانِ کربلا میں تشدد کے خلاف جہاد کیا کہ آخر تشدد کی تلوار کُند ہوئی اور حسینیت کا پرچم آج تک فضائے عالم میں لہراتا نظر آرہا ہے...امام حسینؑ نے عظمت انسانی کا ایسا تابناک منظر پیش کیا کہ طاغوتیت لرز گئی اور یزیدیت کانپ اُٹھی اور قصر تشدد میں ایسا زلزلہ آیا کہ اس کی بنیادیں اُکھڑ گئیں حتی کہ آج تک ایسے لوگوں کا نام ننگِ انسانیت شمار ہوتا ہے۔

امام حسینؑ انسانیت کے انقلاب میں ایک رہبر اعظم ہیں جنہوں نے ظلم کے شکنجوں میں جکڑی ہوئی..استبداد کی چکی میں پسی ہوئی اور طاغوتیت کے قدموں میں دَبی ہوئی انسانیت کو آزادی کا سانس لینے کی راہ بتائی اور ظلم وتشدد کے کوہِ گراں سے ٹکرا جانے کی ہمت دلائی اور نتیجہ یہ پیش کیا کہ باہمت انسانوں کی پامردی سے ستم وجور کا پہاڑ ریزہ ریزہ ہوسکتا ہے اور بربریت وطاغوتیت کے طوفانوں کا منہ موڑا جاسکتا ہے بشرطیکہ پائے استقلال میں لغزش نہ آئے؟

امام حسینؑ نے فطری تقاضوں پر بھی فتح مبین حاصل کی...دیکھئے! ہر دشمن کو دشمن کا غم پسند ہوتا ہے اور خوشی پسند نہیں ہوتی، یہ فطری انقلاب ہے کہ امام حسینؑ کے دشمن کو حسینیوں کا غم پسند نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دشمن سمجھتا ہے کہ ان کا گریہ وبکا اور ماتم ونوحہ اگرچہ ظاہراً غم ہے لیکن یہی غم درحقیقت یزیدیت کے منہ پر طمانچہ ہے؟

- ہر غم سے جی گھبراتا ہے...لیکن...غم حسینؑ کو جی چاہتا ہے.
- ہر غم دل کو کمزور کرتا ہے...لیکن...غم حسینؑ دل کو طاقتور بناتا.
- ہر غم سے دل گھٹتا ہے...لیکن...غم حسینؑ سے دل بڑھتا ہے.

یہی وجہ ہے کہ:

- ہر غم کو دور کرنے کے لئے ہزاروں روپے خرچ کئے جاتے ہیں لیکن غم حسینؑ کو لانے کے لئے ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں.

❁ ہر غم سے انسان تھک جاتا ہے لیکن غم حسینؑ میں جی بھر کر رو لینے والے انسان کی ہر تھکان و کوفت دور ہو جاتی ہے بس غم حسینؑ ایک زندہ معجزہ ہے.

ہم جس قدر بھی غم کریں نہ حسینؑ کا حق ادا ہوتا ہے اور نہ حسینؑ کی بہن زینبؑ عالیہ کے احسان کا ہم بدلہ دے سکتے ہیں۔

بقولے جب امام سجادؑ نے پھوپھی کو قبر میں اُتارا تو جناب فضہ نے عرض کیا آقا اجازت ہو تو آخری زیارت کر لوں؟ چنانچہ اجازت حاصل کر کے قبر میں اُتری چہرہ سے دامنِ کفن کو الگ کیا تو چیخ نکلی کہ ہائے اس قدر رونے کو ترسی ہوئی تھی کہ اب بھی دامن کفن تر ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہی تھی کہ اب تو روکنے والا کوئی نہیں ہے؟

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْن

تسبیح تطہیر دے طاہر دانڑیں جڈاں خاک شفا وچ رَل گئے
صحرا دی وحشت ناک زمیں کوں جنت توں کر افضل گئے
زمین رُنی اَسمان رُنا طبقات سما سب ہل گئے
جڈاں کوفے دے بازاراں وچ سادانیاں دے محمل گئے

اکیسویں مجلس

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ

ہم نے آپ کونہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کی رحمت کے طور پر..پس حضورؐ کا وجود ذی جود صرف انسانوں تک محدود نہیں بلکہ جس طرح اللہ عالمین کا ربّ ہے اسی طرح آپ عالمین کیلئے رحمت ہیں..وہ جن جن کا ربّ ہے یہ ان سب کیلئے رحمت ہیں لہذا انسانوں..جنوں..فرشوں..نبیوں اور ولیوں سب کیلئے رحمت ہیں ویسے تو ہر نبی اپنی امت کیلئے رحمت ہوتا ہے لیکن جو نبیوں کیلئے بھی رحمت ہیں؟

انسان کی ارتقائی منازل کا تھوڑا سا جائزہ لیجئے تو واضح ہوگا کہ حضورؐ کس طرح رحمتِ کل ہیں؟ دیکھئے! ارتقائی سیر کے لحاظ سے حیوان میں جمود ہے اور انسان میں حرکت پائی جاتی ہے..حیوان میں جمود اسلئے ہے کہ عقل سے بہرہ ور نہیں اگر اس میں عقل ہوتی تو وہ بھی ارتقائی منازل کی طرف آگے بڑھتا لیکن انسان میں عقل ہے لہذا اس کا کل آج سے الگ ہے کل کیا تھا؟ اور آج کہاں پہنچا ہے؟ اس میں زمین وآسمان کا فرق ہے حیوان کے جس جوڑے نے روز اوّل سے جو طرزِ زندگی قبول کیا ہے اس کی اولاد ہزاروں سال گزرنے کے باوجود ایک بال برابر بھی آگے نہیں بڑھی مثلاً جس حیوان نے پہلے دن سے درختوں پر بسیرا قبول کیا اس کی اولاد آج تک درختوں پر ہے..جس جانور نے پہاڑوں میں رہائش قبول کی آج تک اس کی اولاد پہاڑوں میں ہے..اسی طرح جس جوڑے نے پہلے دن دانہ کو خوراک بنایا اس کی اولاد ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی دانہ کھاتی ہے اور جس جانور نے

پہلے دن سے گھاس کو غذا قرار دیا آج تک اس کی اولاد گھاس کھاتی ہے، گویا زندگی کے کسی شعبہ میں کسی حیوان نے تبدیلی نہیں نہ خوراک میں..نہ رہائش میں بلکہ اپنے آبائی طریقہ پر کاربند ہے اور اپنے آبائی گر زِ زندگی کے خلاف سوچ ہی نہیں سکتا اور یہی ہے اس کا جمود۔

انسان وہ ذات ہے جس نے زندگی کے ہر شعبہ میں حرکت کی اور ہر آئے دن ارتقائی منازل کی طرف قدم بڑھاتا رہا.. چنانچہ اگر صرف ایک سو سال پہلے کا انسان آج دوبارہ پلٹ کر آجائے تو وہ حیرت کے سمندر میں ڈوب جائے گا کہ میں کہاں تھا اور میری یہ نسل کہاں تک پہنچ گئی؟ انہوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی راہ اختیار کی، باپ دادا کی غذا کیا تھی اور اس کی غذا کیا ہے؟ ان کی سواری کیا تھی یہ کس پر سوار ہے؟ ان کا لباس کیسا تھا اور یہ کس لباس میں ہے؟ ان کا مکان کیسا تھا اور اس کا مکان کیسا ہے؟ گویا زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا آج کل سے بہت آگے نکل چکا ہے۔

اگر آج سے ہزار سال پہلے کا انسان پلٹ کر آجائے تو وہ اس دنیا کو ایک عجوبہ قرار دے گا پھر اس سے پیچھے جائیں تو کہاں وہ زمانہ جب یہی انسان پہاڑوں کی غاروں میں درختوں کے پتوں کو لباس قرار دے کر رہتا تھا کہاں آج کا انسان جس نے فضا اور خلا میں اپنی حکومت کا ڈنکہ بجا دیا ہے؟ اسی انداز سے آپ سوچیں کہ دورِ آدمؑ میں جب آدمیت کی ابتدا تھی انسان کس منزل پر ہوگا اور اس کی سوچ کیا ہوگی؟

پس حضرت آدمؑ آدمیت کی پہلی کلاس کے استاد تھے اور حضرت محمد مصطفیٰ عالمی انسانی یونیورسٹی کے آخری چانسلر ہیں، آدمؑ ان آدمیوں کیلئے نبی تھے جو انسانیت کے الف و با میں تھے اور محمد مصطفیٰ اس قوت اور ان انسانوں کے نبی ہیں جو انسانیت کی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ایک بلند مقام پر فائز ہیں جب ایک مدرسہ میں دس درجے ہوں تو پہلی کلاس آخری کلاس میں کتنا فرق ہوتا ہے؟ لیکن

جہاں ایک لاکھ چوبیس ہزار کلاسیں ہوں تو پہلی کلاس اور آخری کلاس میں کتنا فرق ہوگا؟ اس سے پتہ چلے گا کہ پہلی امت اور اس امت میں کتنا فرق ہے؟ پہلی امت کے کورس صحیفہ آدم اور اس امت کے کورس قرآن میں کس قدر فرق ہے؟ اسی ترتیب سے حضرت آدمؑ اور حضرت سلطان الانبیأ کے درمیان کتنا فرق ہوگا؟

البتہ نام نہیں بدلا کرتا پہلی کلاس کے استاد کو بھی استاد کہا جاتا ہے اور آخری کلاس کے پڑھانے والے کو بھی استاد کا نام دیا جاتا ہے اسی طرح پہلی کلاس میں پڑھنے والا بھی طالب علم کہلاتا ہے اور آخری جماعت میں بیٹھنے والا بھی طالب علم ہوتا ہے لیکن لیاقت کے اعتبار سے آخری کلاس کا طالب علم پہلی کلاس کے استاد سے بھی فائق ہوتا لیکن پھر بھی اِس کو طالب علم کہیں گے اور اُس کو استاد کہیں گے۔

یہاں پہلے معلم کو نبی کہا جاتا ہے اور آخری معلم بھی نبی ہے پہلی جماعت بھی امت ہے اور آخری جماعت بھی امت ہے لیکن جس طرح پہلی امت اور آخری امت میں علمی اعتبار سے فرق ہے اسی طرح پہلے نبی اور آخری نبی میں بھی اسی نسبت سے فرق ہوگا اور صحیفہ آدمؑ اور قرآن مجید کے علوم میں بھی یہی فرق ہوگا۔

اس ترتیبِ ارتقأ کو سمجھنے کے بعد میں یہ بات آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ آخری کلاس کا استاد پہلی تمام کلاسوں کو علمی اعتبار سے مطمئن کر سکتا ہے کیونکہ وہ پورے سکول اور ادارہ کا انچارج ہے لیکن پہلی کلاسوں کے اساتذہ اپنی اپنی کلاس کو اور اپنے درجہ سے نچلی کلاس کو تو پڑھا سکتے ہیں اور ان کو مطمئن کر سکتے ہیں لیکن اپنے درجے سے اوپر والی کلاس کو وہ ہرگز مطمئن نہیں کر سکتے۔

اس سے واضح ہوگیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ جو عالمی اسلامی یونیورسٹی کے انچارج ہیں اور پوری اسلامی علمی یونیورسٹی کے لئے رحمتِ کل ہیں تو وہ یقیناً سابقہ تمام امتوں کو بلکہ انبیأ کو بھی پڑھا سکتے ہیں لیکن وہ ان کی جگہ نہیں لے سکتے کیونکہ ان

کے علوم جزئی ہیں اوران کاعلم ان کے مقابلہ میں کلی ہے۔

آخری استاد اگرچہ پہلی تمام کلاسوں کو پڑھا سکتا ہے لیکن اس کو اپنی کرسی سے ہٹا کراگر پہلے استاد کی کرسی اور کلاس دی جائے تو یہ استاد کی تنزلی اور توہین ہے اوراس کے برعکس اگر پہلے استادکو آخری استاد کی کرسی سونپی جائے تو یہ کرسی کی توہین ہے..اسی طرح اگر آخری نبی کو پہلی امت یعنی آدمیت کی الف با پڑھانے کی ڈیوٹی دی جائے تو یہ ان کے مقام نبوت کی ہتک ہے اور پہلے نبی کو جو انسانیت کی الف با پڑھانے آیا تھا اس کو ختم الانبیا کی سیٹ دی جائے تو مقام ختم الانبیا اور کرسی محمد مصطفیٰؐ کے خلاف ہے۔

پس جب حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاؑ کو محمد مصطفیٰؐ کی کرسی پر جگہ دینا حضرت محمد مصطفیٰؐ کی کرسی اور منبر کی توہین ہے حالانکہ وہ انبیا تھے تو کسی خاکی اور امتی عام انسان کو پکڑ کر کرسی نبوت پر بٹھانا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

اب اگر محمد مصطفیٰؐ اپنی کرسی کو بحکم پروردگار خالی کریں گے تو ان کی جگہ پر سابق انبیاؑ کے برابر کا آدمی تو نہیں بٹھایا جاسکے گا اس جگہ تو وہ بیٹھے گا جو سابق انبیاؑ سے علم میں برتر ہو اور ان سے افضل ہو.. چنانچہ حضرت پیغمبرؐ نے خود امام علیؑ کا تعارف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا مَنْ أَرَادَ أَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی اٰدَمَ فِیْ عِلْمِہٖ.. (الحدیث) یعنی جو شخص آدمؑ کو علم میں..نوحؑ کو خشیت میں..ابراہیمؑ کو خلّت میں..موسیٰؑ کو ہیبت میں..عیسیٰؑ کو زہد میں..ایوبؑ کو صبر میں اور یوسف کو حسن و جمال میں (أَوْ کَمَا قَالَ) دیکھنے کا خواہشمند ہو تو وہ علیؑ کے چہرہ کو دیکھے فَاِنَّ فِیْہِ لَتِسْعِیْنَ خَصْلَةً مِنْ خِصَالِ الْأَنْبِیَاءِ علیؑ میں انبیاؑ کی صفات میں سے نوّے صفتیں موجود ہیں جو اُن میں ایک ایک یا دو دو تھیں علیؑ ان سب کا جامع ہے۔

پس پیغمبر اکرمؐ کی جگہ وہ بیٹھ سکتا ہے جو سابق انبیاؑ کی اُمتوں کو بھی درس دے سکے؟ حضرت امیر المومنینؑ نے منبرِ کوفہ پر واشگاف الفاظ میں بانگ دہل ارشاد فرمایا

سَلُوْنِیْ سَلُوْنِیْ قَبْلَ أَنْ تَفْقُدُوْنِیْ مجھ سے پوچھو پوچھو جو چاہو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ میں تو آسمان کے رستوں کو زمین کے راستوں سے زیادہ جانتا ہوں، ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

لَوْ ثُنِّیَتْ لِیَ الْوِسَادَةُ وَ جَلَسْتُ عَلَیْهَا وَ سَئَلُوْنِیْ أَهْلِ التَّوْرَاةِ بِتَوْرَاتِهِمْ وَ أَهْلِ الْإِنْجِیْلِ بِإِنْجِیْلِهِمْ وَ أَهْلِ الزَّبُوْرِ بِزَبُوْرِهِمْ وَ أَهْلِ الْفُرْقَانِ بِفُرْقَانِهِمْ لَأَجِبْتُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ بِكِتَابِهٖ. (الحدیث)

یعنی مسند بچھا دی جائے اور تکیہ لگا دیا جائے اور مجھے اطمینان سے بیٹھنے کا موقعہ مل جائے تو میں بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ بیشک تورات والے تورات لائیں..انجیل والے انجیل لائیں..اہل زبور اپنی کتاب زبور لائیں اور قرآن والے قرآن کو ساتھ لائیں اور مجھ سے سوال کریں تو میں ہر صاحب کتاب کو اس طرح جواب دوں گا کہ ان کی کتاب خود میری تصدیق کرے گی۔

گویا تورات پڑھوں گا تو تورات کا حرف حرف..لفظ لفظ..آیت آیت..رکوع رکوع اور پارہ پارہ گواہی دے گا کہ علیؑ نے وہی کچھ بیان فرمایا ہے جو کتاب میں ہے اور اگر انجیل پڑھوں گا تو چرخِ چہارم سے عیسیٰؑ داد دیں گے اور زبور پڑھوں گا تو لحنِ داؤدی نثار ہوگا اور اگر قرآن پڑھوں گا تو خود محمد مصطفیٰؐ پکار اُٹھیں گے کہ قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ ہے۔

ایک اشتباہ کو دور کردوں..یہ وہ کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جبریل محمد مصطفیٰؐ کا استاد ہے؟ حالانکہ میرے عقیدے میں جبریل آپ کا خادم ہے تو میں عقلی سطح پر اس کو واضح کرتا ہوں:

دیکھئے...میرے سابق بیان کے ماتحت آخری استاد پہلے تمام اساتذہ سے علم میں برتر ہوا کرتا ہے تو بتایئے جو شخص پہلی کلاس کے استاد سے علم میں پست ہو کیا وہ

آخری استاد کی برابری کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں دیکھئے جب اللہ نے اعلان فرمایا وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلائِکَةِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیْفَة یعنی اللہ نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو تمام فرشتے یک زبان عرض گزار ہوئے قَالُوا أَتَجْعَلُ فِیهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ کہنے لگے تو ایسے کو خلیفہ بناتا ہے جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا؟ حالانکہ ہم تیری تسبیح و تقدس کرتے ہیں، یہ دستور ہے کہ اگر کوئی کسی کو ایک عہدہ دینا چاہے اور کوئی معترض اعتراض کرتے ہوئے اس کے عیوب اور اپنی خوبیاں گنوانے لگ جائے تو اس کا مقصد صاف یہ ہے کہ یہ معترض خود اس عہدہ کا خواہشمند ہے.. چنانچہ فرشتوں کا یہ طرزِ گفتگو کہ وہ فسادی ہوگا اور ہم عبادت گزار ہیں اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس عہدہ کیلئے ہم موزوں ہیں اور وہ اَن فٹ ہے۔

تو اُن کو اللہ نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ اِنِّیْ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں جو کچھ جانتا ہوں تم نہیں جانتے، مقصد یہ تھا کہ تم نے معیارِ خلافت زہد و تقویٰ اور تسبیح و تقدیس کو سمجھ رکھا ہے جبکہ میرے نزدیک معیارِ خلافت علم ہے.. کیونکہ علم تقویٰ پر غالب ہے، علم سے تقویٰ حاصل ہو سکتا ہے لیکن تقویٰ سے علم حاصل نہیں ہو سکتا، اگر تم لوگ خلافت کے خواہشمند ہو تو اپنا تقویٰ پیش کرنے کی بجائے علمی میدان میں آدمؑ کا مقابلہ کرو؟ چنانچہ علمی امتحان میں سب فرشتوں نے اپنی ہار تسلیم کر لی قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا یعنی ہمیں کچھ علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں تعلیم فرمایا ہے۔

اس کے بعد آدمؑ کی تخلیق ہوئی اور اس میں روح پھونکی گئی تو تمام فرشتوں کو حکم ہوا فَقَعُوا لَهٗ سَاجِدِیْنَ یعنی تم سب کے سب سجدہ کرتے ہوئے آدمؑ کے سامنے جھک جانا پس وہ جھک گئے.. یعنی ان میں جو آدمؑ پر برتری کا خیال اور تصور تھا سب کو حضرت آدمؑ کے سامنے سرنگوں کر کے ان سے علمی طور پر آدمؑ کی برتری

منوائی اور یہ نہیں کہ صرف زمین کے فرشتوں نے سجدہ کیا تھا بلکہ سَجَدَ الْمَلآ ئِکَۃُ کُلُّھُمْ أَجْمَعُوْنَ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ تو وہ جبریل جو انسانیت اور آدمیت کو الف و با پڑھانے والے پہلے استاد کا علمی سطح پر مقابلہ نہ کرسکا وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مدارج طے کرکے نبوت کی آخری کرسی پر جلوہ گر ہونے والے نبی کا استاد کیسے بن سکتا ہے؟ یہ عقیدہ خاتم الانبیا کی ناقدر شناسی کا ہی نتیجہ ہے۔

اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ملاحظہ ہو.... حضرت علیؑ سے کسی کہنے والے نے کہا ءَ أَنْتَ مُحَمَّدٌ کیا آپؑ محمدؐ ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا ایسا مت کہو أَنَا عَبْدٌ مِّنْ عَبِیْدِ مُحَمَّدٍ میں تو محمد مصطفیٰ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔

ایک دن حضرت جبریل پیغمبر اکرمؐ کے پاس تھے کہ حضرت علیؑ دروازۂ مسجد سے داخل ہوئے فوراً جبریل تعظیم و تکریم کیلئے قیام کیا۔۔ آپؐ نے دریافت فرمایا لِمَ تَقُوْمُ لِھٰذَا الْفَتٰی اس جوان کیلئے تم کیوں کھڑے ہوئے ہو؟ تو جبریل نے عرض کیا اس کا میرے اوپر استادی کا حق ہے۔۔ آپؐ نے پوچھا وہ کیسے؟ تو جبریل نے عرض کیا روزِ ازل جب ذاتِ پروردگار نے مجھے خلعتِ وجود سے نوازا اور زیورِ تخلیق سے آراستہ فرمایا تو پہلا سوال اس کی جانب سے تھا مَنْ أَنَا وَ مَنْ أَنْتَ بتاؤ تم کون ہو اور میں کون ہوں؟ تو میں نے جواب میں عرض کیا أَنْتَ أَنْتَ وَ أَنَا أَنَا تو تو ہے اور میں میں ہوں۔۔ پھر سختی کے لہجہ میں خطاب ہوا صحیح بتاؤ أَنَا وَ مَنْ أَنْتَ پھر بھی میں نے أَنْتَ أَنْتَ وَ أَنَا أَنَا تو تو اور میں میں کا جواب دیا۔ تو تیسری دفعہ پھر خطاب ہوا میں حیران تھا کہ کیا جواب دوں؟ اچانک عالمِ انوار سے ایک نور برآمد ہوا اور کہا جبریل وہ جواب نہ دہراؤ بلکہ کہو أَنَا عَبْدُ الذَّلِیْلِ وَ أَنْتَ رَبُّ الْجَلِیْلِ اِسْمُکَ الْجَلِیْلُ وَ اِسْمِیْ جِبْرِیْلُ میں عبدِ ذلیل ہوں اور تو ربّ جلیل ہے تیرا نام جلیل ہے اور میرا نام جبریل ہے... چنانچہ میں نے یہ جواب دیا تو تاجِ ملکوتیت

میرے سر کی زینت بنا..اب یہ جوان جو کہ درِ مسجد سے داخل ہوا ہے میں نے فوراً پہچان لیا ہے کہ یہ وہی ہے جس نے مجھے عالمِ انوار میں درس دیا تھا اس لئے مجھ پر فرض ہے کہ اپنے استاد کی تعظیم کیلئے کھڑا ہو جاؤں۔

آپؐ نے دریافت کیا یہ کس زمانہ کی بات ہے جب علیؑ نے تجھے توحید کا درس دیا تھا؟ جبریل نے عرض کیا میں اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ جانب عرش ستر ہزار سال کے بعد ایک ستارہ طلوع کرتا ہے اور میں اپنی زندگی میں اس کو ستر ہزار بار دیکھ چکا ہوں۔

اب انصاف فرمایئے..حضرت علیؑ اپنے آپ کو محمد مصطفیٰؐ کا غلام ظاہر کرتے ہیں تو جو جبریل حضرت محمدؐ کے غلام کا عالمِ ازل میں شاگرد رہا ہے وہ اس سلطان کا استاد کیسے ہو سکتا ہے جو امام علیؑ کا بھی استاد و آقا تھا؟ پس محمد مصطفیٰؐ کی جگہ پر وہی آ سکتا ہے جو جبریل جیسے فرشتوں کا بھی استاد ہو کیونکہ حضورؐ عالمین کیلئے رحمت کل ہیں تو ان کا جانشین وہی ہو گا جو عالمین کیلئے رحمت کل ہو۔

چونکہ جمہوری دَور ہے لہذا کوئی اصرار کرے کہ حضورؐ کی جگہ پر الیکشن سے کسی کو بٹھایا جا سکتا ہے.....تو میں عرض کروں گا کہ الیکشن سے حکمران تو تجویز کیا جا سکتا ہے لیکن الیکشن سے استاد نہیں چنا جا سکتا..کیونکہ استاد کے لئے علم کی ضرورت ہے اور الیکشن سے کسی کو علم حاصل نہیں ہو سکتا، جس طرح فرشتوں کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ خلافت کا معیار علم ہے عبادت نہیں کیونکہ علم عبادت کو لا سکتا ہے لیکن عبادت علم کو نہیں لا سکتی..اسی طرح الیکشن جمہوری اقتدار کو تو لا سکتا ہے لیکن علم کو نہیں لا سکتا یا جاہلوں کا چنا ہوا آدمی کرسی اقتدار تو حاصل کر سکتا ہے لیکن جمہوریت اس کو علم نہیں دے سکتی اور خلافت کے لئے علم کی ضرورت ہے، ہزار گنہگار کسی کو چنیں تو چنا ہوا بندہ گنہگار ہی رہے گا وہ معصوم نہیں بنے گا اور خلیفہ معصوم ہونا چاہیے۔

ایک معمولی سکول کا ہیڈ ماسٹر اگر تبدیل ہو تو اس کی جگہ سکول کے لڑکے اجتماع

کر کے کسی کو نہیں بٹھا سکتے ہیں ہم صاف کہتے ہیں کہ یا تو اللہ اس رسول کو اپنے ہاں نہ بلائے یہاں رہنے دے..اور اگر اس کو واپس بلانا ہے تو اس کا قائم مقام وہ خود ہی دے کیونکہ یہ تو کوئی احمق حکمران بھی نہیں کر سکتا کہ ایک عہدہ دار کو تبدیل کرے اور لوگوں سے کہے کہ اس کا قائم مقام خود چن لو میں منظوری دے دوں گا؟ بلکہ تبدیل ہونے والے کی جگہ پر فقط وہی آئے گا جس کے پاس اُس جیسی سند اور ڈگری ہو..پس محمد مصطفیٰ کے بعد اس کی کرسی کو وہی سنبھالے گا جو اس حکومت کی طرف سے سند یافتہ ہو جس حکومت نے حضورؐ کو نامزد فرمایا تھا۔

اگر جمہوریت سے ہی معاملہ طے کرنا ہے تو چلو ہم مان لیتے ہیں لیکن جمہوریت کیلئے بھی تو قواعد وضوابط ہیں..اگر ایک شہر کا ممبر ہے تو شہر والے ووٹ دیں، ملک کا صدر ہے تو ملک والے ووٹ دیں، جتنی حدود کے لئے وہ منتخب ہے وہ سب اس کے حق میں ووٹ دیں...یہ کس طرح جائز ہے کہ نبی ہو عالمین کے لئے اور اس کے جانشین کے لئے ووٹ دیں صرف مدینے والے؟

محمد مصطفیٰ چونکہ عالمین کے لئے نبی ہیں تو ان کا قائم مقام بھی عالمین کا ہادی ہوگا، پس جانشین پیغمبر وہ ہوگا جس کو تمام اہل زمین..جن وانس اپنا فرمانروا تسلیم کریں..چرند پرند جس کے سامنے جھکیں..آدمؑ تا عیسیٰؑ سب نبی اس کی عظمت کو تسلیم کریں..ادنیٰ سے اعلیٰ تمام عالم ملکوت اس کو اپنا مولا مانے..جس کے لئے آسمان سے اُتر کر ستارہ گواہی دے اور سورج پلٹ کر جس کی امامت کو تسلیم کرے وہ عالمین کے سلطان کا قائم مقام ہوگا۔

اس لئے شیعوں نے دوسرے مسلمانوں سے اختلاف کیا ہے..مسلمان کہتے ہیں محمد مصطفیٰ کے بعد جسے چاہیں گے ہم نبی کا قائم مقام بنالیں گے لیکن ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس ہستی نے محمد مصطفیٰ کو بھیجا ہے وہی اس کے قائم مقام کا خود انتظام

کرے گا..پس ذات احدیت نے حضرت علیؑ کو چنا اور حضرت محمد مصطفیٰ نے مقام غدیر میں ان کی ولایت کا اعلان کر دیا..وہ علیؑ جو تمام عالمین کا رہبر اور محمد مصطفیٰ کا صحیح جانشین ہے اس کے مقام کو سمجھنا ہماری طاقت سے بالاتر ہے، ہم تو اپنے آپ کو نہیں سمجھ پاتے کہ ہم کیا ہیں؟ اسی بنا پر مولا امیر المومنینؑ نے فرمایا مَنْ عَرِفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرِفَ رَبَّهُ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا۔

میں شیشہ دیکھ کر اپنی شکل کو پہچان سکتا ہوں لیکن یہ نہیں جان سکتا کہ میں خود کیا ہوں؟ دیکھئے...ایک ہے میں اور ایک ہے میرا، میں مالک اور میرا مملوک اب میرے ظاہری اور باطنی تمام اعضاء میرے ہیں یعنی میرے مملوک ہیں جس طرح میرا لباس..میری زمین..میرا مکان وغیرہ سب میرے ہیں لیکن میں نہیں، اسی طرح میرا سر..میرا منہ..میرا سینہ..میرا جگر..میرا دل..میرا دماغ وغیرہ یہ سب میرے ہیں ان میں میں نہیں، کوئی ڈاکٹر آپریشن کر کے بھی مجھے نہیں ڈھونڈ سکے گا اندر اور باہر سب میرے ہیں بس میں ہر ایک میں ہوں اور کسی ایک کا پابند نہیں میرے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میرے سب اعضاء حرکت میں ہیں اگر میں چلا جاؤں تو یہ سب جامد اور ساکن ہو جائیں گے پس ان کی حرکت میرے وجود کی دلیل ہے ورنہ میں خود اپنی آنکھ کو بھی نظر نہیں آ سکتا اسی طرح پوری کائنات کا حرکت میں ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ ہے تو جو انسان خود اپنی ذات کو نہیں پہچان سکا وہ حضرت علیؑ کی ذاتیات کو کیسے پہچانے گا؟

اس لئے معصومؑ نے خود فرمایا لا يُقَاسُ بِنَا أَحَدٌ ہمیں کسی سے قیاس نہیں کیا جا سکتا..گویا ہم نہ اللہ جیسے نہ تم جیسے، اللہ خالق ہم مخلوق اور تم خاک ہم نور، پس اللہ جیسا نہ کہو اور اپنے جیسا بھی نہ سمجھو، جو ہمیں اللہ جیسا کہے وہ مشرک اور جو اپنے جیسا سمجھے وہ کافر...پس ہم اپنی مثال آپ ہیں، محمدؐ علیؑ جیسا علیؑ محمدؐ جیسا..حسنؑ حسینؑ جیسا

اور حسینؑ حسنؑ جیسا.. سجادؑ باقرؑ جیسا اور باقرؑ سجادؑ جیسا.. صادقؑ کاظمؑ جیسا اور کاظمؑ صادقؑ جیسا.. تقیؑ رضاؑ جیسا اور رضاؑ تقیؑ جیسا.. نقیؑ عسکریؑ جیسا اور عسکریؑ نقیؑ جیسا اور مہدیؑ کل جیسا.... چنانچہ ارشاد ہے **اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَّاٰخِرُنَا مُحَمَّدٌ وَ أوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَ كُلُّنَا مُحَمَّدٌ** ہم سب کے سب محمد ہیں۔

روایت میں ہے کہ دنیا سے کوئی مومن کوچ نہیں کرتا جب تک کہ اپنی زندگی میں اپنے امام وقت کی زیارت نہ کرلے... گویا ہر مومن زیارت کرتا ہے البتہ پہچانتا نہیں، کسی نے کربلا میں دیکھا ہوگا.. کسی نے نجف میں.. کسی نے مکہ میں دیکھا.. کسی نے مدینہ میں لیکن پہچانا نہ ہوگا۔

جب امام عالیمقامؑ پردۂ غیب سے نکل کر کرسی اقتدار سنبھالیں گے اور ہر دور کا مومن زندہ ہوکر زیارت سے بہرہ ور ہوگا تب پہچانیں گے، کوئی کہے گا میں ان کو نجف میں دیکھا تھا.. کوئی کہے گا یہ وہی ہیں جن کو عرفات میں دیکھا تھا.. وعلیٰ ہذا القیاس۔

قائم آلِ محمد عج اللہ فرجہٗ کے چہرہ پر ہر معصوم کی جھلک ہوگی، حسنؑ عسکری کے زمانے کا مومن کہے گا حسنؑ عسکری ہے.. علی نقیؑ کے زمانہ کا مومن اسے علی نقیؑ سمجھے گا.. محمد تقیؑ کے زمانے والا محمد تقیؑ سمجھے گا.. امام رضاؑ کے زمانے والا اسے علی رضاؑ جانے گا.. موسیٰ کاظمؑ کے دور کا مومن موسیٰ کاظمؑ سمجھے گا.. جعفر صادقؑ کے زمانے والا کہے گا یہ جعفر صادقؑ ہے.. محمد باقرؑ کے زمانہ کا مومن کہے گا باقر العلوم ہے.. حضرت سجادؑ کے زمانے والا اسے زین العابدین کہے گا.. حبیب ابن مظاہر کہے گا یہ تو حسینؑ ہے.. حسنؑ کے زمانے کا مومن کہے گا حسنؑ ہے.. ابوذر اُٹھے گا تو کہے گا علیؑ ہے.. سلمان کو کہنا پڑے گا یہ محمدؐ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا ہے کہ ان کا ظہور ہو اور ظلم کی چکی میں پسی ہوئی انسانیت کو سکون کا سانس ملے... ان کا ظہور جلدی ہوتا کہ ہم غم کی بجائے عید

دیکھیں اور رات کو سو کر کب صبح اٹھیں تو یہ ندا گونج رہی ہو کہ زہراؑ کا معصوم بیٹا آج سربراہِ مملکت ہے، اے اللہ! وہ دن ہمیں کب نصیب ہوگا جب تاریکی میں ڈوبی ہوئی زہراؑ کی قبر پر روشنی ہوگی؟ ہائے آج ہر مزار پر رات کو روشنی ہوتی ہے ایک زہراؑ کی قبر ایسی ہے جس پر تاریکی برستی ہے اور مایوسی چھائی ہوئی نظر آتی ہے؟

ایک وقت تھا جب بنتِ زہراؑ کو شب یازدہم ہر سو تاریکی پھیلی ہوئی نظر آتی تھی لیکن آج مظلوم کربلا کی قبر پر بھی بجلی کے قمقمے ہیں۔ صرف رسول اللہ کی شہزادی کی قبر ہی ہے جس پر آج تک چراغ جلانا مسلمانوں کے نزدیک بدعت ہے؟ رسول اللہ کے دور سے آج تک بی بی کو کبھی خوشی نصیب نہیں ہوئی۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ آلِ محمد کو کون نہیں مانتا؟ میں کہا کرتا ہوں اگر سب مانتے ہوتے تو زہراؑ کا ہاتھ پہلو پر نہ ہوتا؟ آدمؑ سے لے کر آج تک کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے کہیں نہ ملے گا کہ ۱۸ برس عمر ہو اور سر کے تمام بال سفید ہوں؟ پورا ایک گھنٹہ کرسی اقتدار کے سامنے کھڑی رہی اور لوگ دیکھتے رہے لیکن کسی کو بی بی کے مطالبہ کی تائید کی جرأت نہ ہوئی اور کسی نے نہ کہا کہ تھک گئی ہوگی بیٹھ جا۔

وہ درخت کاٹ دیا گیا جس کے نیچے جا کر گریہ کرتی تھی۔۔ رات کو روتی تو کہا جاتا تھا رات کو نہ روئے ہمارے آرام میں خلل ہوتا ہے اور دن کو روتی تو حکم ملتا کہ ہمارے کاروبار متاثر ہوتے ہیں لہذا رونا بند کر دو... بڑے درد بھرے لہجہ میں بی بی نے ایک نوحہ پڑھا:

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ أَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

میرے اُوپر مصائب کے ایسے پہاڑ گرائے گئے کہ اگر دنوں پر گرائے جاتے تو وہ راتیں بن جاتے... ابھی تک بابا کے غم سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ اچانک

دروازہ پر شور وغل سنائی دیا.. برقعہ پہن کر تشریف لے گئیں اور فرمایا میں اُس کی بیٹی ہوں جس کا کلمہ پڑھتے ہو ایک سنگدل شخص نے کہا دروازہ کھولو، فرمایا تیرا کیا مطلب ہے؟ کہا میں اندر آؤں گا اپنے ملزم پکڑنے ہیں؟ تو بی بی نے شاید کہا ہوگا یہ آیت تطہیر کا محل نزول ہے ملزموں کا اڈہ نہیں.... کسی شقی القلب نے حکم دیا لکڑیاں جمع کرو سپائی نے پوچھا کس لئے؟ کہا میں اس دَر کو آگ لگاتا ہوں؟

بلکہ ایک روایت میں ہے کہ اس نے بی بی سے خطاب کر کے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تیرے بابا کو تجھ سے کس قدر محبت تھی؟ تاہم یہ چیز مجھے تیرے دروازہ کو جلا دینے سے مانع نہ ہوگی، ورنہ ان کو نکالو جن سے ہم نے بیعت لینی ہے، غالباً شبلی نعمانی نے عذر پیش کیا ہے کہ یہ دھمکی تھی..تو میں کہوں گا زہراؑ اور دھمکی؟ یہ تو وہ بی بی ہے جس کی تعظیم خود رسول اللہ کرتے تھے۔

مدینہ والوں نے آگ کے شعلے دیکھے دھواں اُٹھا..دروازہ جلا..بس باہر سے ایک ظالم نے دروازہ کو دھکا دیا چنانچہ جلتا ہوا دروازہ گرا، اُدھر دیوار اِدھر دروازہ درمیان میں حسنینؑ کی ماں..ایک چیخ بلند ہوئی بابا..بابا..بابا پھر فرمایا **یَا فِضَّةُ اِلَیکِ فَخُرِیْنِیْ وَاِلٰی صَدْرِکِ فَسَنِّدِیْنِیْ وَاللّٰہِ لَقَدْ قَتَلُوْا مَا فِیْ أَحْشَائِیْ** اے فضہ! مجھے سینہ کا سہارا دو اللہ کی قسم میرا محسن شہید ہو گیا ہے...جب فضہ پہنچی تو دیوار کے پہلو میں آنکھیں بند تھیں اُٹھانا چاہا تو دھیمی آواز سے فرمایا مجھے اُٹھانے کی کوشش نہ کرو مجھے بابا کی امت نے ختم کر دیا ہے؟

کافی دیر تک خاموش رہی جب آنکھ کھولی تو دیکھا صحن خالی ہے نامحرموں کے قدموں کے نشانات باقی ہیں... پوچھا ہوگا علیؑ کہاں ہیں؟ تو جواب ملا ان کو مسلمان ساتھ لئے گئے ہیں..تو بی بی نے فرمایا اب میرے لئے محسن کے صدمہ سے یہ صدمہ سخت ہے..اے فضہ! تبرکات والی صندوق سے مجھے بابا کا عمامہ اُٹھا دو اور بابا کی

قمیص لاؤ اور حسنینؑ کو ساتھ لیا۔۔دربار میں جا کر پہلے تو علیؑ سے جا کر لپٹ گئی اور فرمایا خَلُّوا عَنْ اِبْنِ عَمِّیْ وَ اِلَّا لَأَنْشُرَنَّ شَعْرِیْ وَ لَأَضَعَنَّ قَمِیْصَ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلٰی رَاسِیْ میرے شوہر اور حسنینؑ کے بابا کو چھوڑ دو ورنہ اپنے سر کے بال پریشان کروں گی اور رسول اللہ کی قمیص کو اپنے سر پر رکھ کر بددعا کروں گی، زبان کو زیب نہیں دیتا اور دل کانپتا ہے کیسے کہوں؟ ایک ظالم قنفذ نے تازیانہ کو حرکت دی اور اسی تازیانہ سے بی بی کے بازو کی طرف اشارہ کیا۔۔ چنانچہ بی بی کے ہاتھ حضرت علیؑ کی عبا کے دامن سے مجبوراً چھوٹ گئے اور خود زمین بوس ہوئی۔

قبر رسول پر آئی اور اس قدر روئی کہ قبرِ نبی بتول کے آنسوؤں سے تر ہوگئی حسنینؑ شریفین سے فرمایا یہ کس کی قبر ہے؟ تو شہزادوں نے عرض کیا نانا محمد مصطفیٰ کی قبر ہے۔۔ بی بی نے فرمایا نانا کو صدا دے کر کہو کہ نانا تیری قبر کے سرہانے ماں رو رہی ہے۔۔۔ پھر بی بی نے دعا شروع کی اے اللہ! حضرت صالحؑ کی ناقہ کی عزت مجھ سے زیادہ نہیں اور اس کے بچے کی عزت میرے حسنینؑ سے زیادہ نہیں، میں تیرے نبی کی اکلوتی بیٹی ہوں میرے بابا کی امت نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ پس عذاب کے آثار نمودار ہوئے اور مسجد نبوی بنیادوں سے اتنی بلند ہوئی کہ گھوڑا سوار دیوار کے نیچے سے گزر سکتا تھا۔۔امام علیؑ نے دیکھا تو فرمایا اے سلمان! یہ عذاب کے آثار ہیں جاؤ دیکھو کہیں حسنین کی ماں نے بددعا تو نہیں کی؟ اگر نہیں کی تو کہو بددعا نہ کرنا۔

چنانچہ جب جناب سلمان پہنچے تو ہاتھ دعا کے لئے بلند تھے عرض کیا بی بی تو رحمۃ للعالمین کی شہزادی ہے بددعا نہ کرنا۔۔۔ بی بی نے کہا چچا تم بھی روکتے ہو؟

میرا حق غصب ہوا میں خاموش رہی۔
میرے گھر کی بے ادبی ہوئی میں خاموش رہی۔
میرے بچے پریشان کئے گیے میں خاموش رہی۔

میرا پہلو زخمی ہوا میں خاموش رہی.

میرا دروازہ جلا میں خاموش رہی.

اب علیؑ دربار میں پیش ہے تو کس جرم میں؟

جناب سلمان نے بی بی کی خدمت میں عرض کیا کہ مولا علیؑ فرماتے ہیں بددعا نہ کریں وقت گزر جائے گا..بس یہ سنتے ہی ہاتھ نیچے کر دیئے اور کہا علیؑ کا حکم ہے تو میں تابعدار، یہ ہے عصمتِ زہراؑ؟

لیکن اس مقام پر روحِ زہرا کو خطاب کر کے ایک درخواست پیش کرتا ہوں، اے میری مخدومہ! میرے سامنے سب تیرے غلام موجود ہیں..یہ مستورات تیری کنیزیں ہیں..بانی مجلس تیرا غلام اور نوکر ہے..میں ان سب کی طرف سے باادب دست نیاز جوڑ کر عرض کرتا ہوں کہ اے زہراؑ! آپؑ کو علیؑ کا دربار میں جانا گوارا نہ ہوا اور آپ برداشت نہ کر سکیں حالانکہ علیؑ مرد تھا..ہائے وہ منظر آپ نے کیسے برداشت کیا ہوگا جب آپ کی تیرہ یا سترہ شہزادیاں..بہو..بیٹیاں..پوتیاں سب بے مقنعہ وچادر ایک شرابی کے دربار میں پیش ہوئیں اور وہ کمینہ شراب کے نشہ میں بار بار پوچھ رہا تھا زہراؑ کی بیٹی زینبؑ کہاں ہے؟ جبکہ بیبیوں کے ہاتھ پس گردن رسن بستہ تھے؟

وَسَيَعۡلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَيَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡن

جے تثلیث دے سانچے وچ تصویر نہ فسق دی ڈھلدی
ملکہ ملک شرافت دی اَتے خالی مول نہ ولدی
ایہہ خونی سنگ سقیفے دا بنیاد ہائی جنگ کربل دی
ایہا چڑ نگ مسلسل دکھدی رہی ڈٹھی ہر کینہ کربل بلدی

بائیسویں مجلس

تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ

ہم ایام کولوگوں میں بدل بدل کرلاتے ہیں...یعنی انفرادی اوراجتماعی طور پر ہم تبدیلیاں لاتے رہتے ہیں مثلاً انفرادی طور پر کبھی افلاس..کبھی دولت..کبھی خوشی..کبھی غمی..کسی وقت تندرستی..کسی وقت بیماری،اس کے علاوہ پہلے بچپن پھر جوانی آخر میں ضعیفی جیسی تبدیلیاں تاکہ انسان ان بدلتے ہوئے حالات سے یقین پیدا کرے کہ میرے اوپر ایک بالا طاقت موجود ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری پوری زندگی ہے...اسی لئے مولا امیرالمومنینؑ نے فرمایا تھا **عَرَفْتُ اللّٰهَ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ وَ نَقْضِ الْهِمَمِ** یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے ارادوں اور عزائم کی شکست وریخت سے پہچانا ہے۔

اجتماعی طور پر بھی حالات بدلنا سامنے ہے،کبھی ایک قوم کا غلبہ..کبھی دوسری قوم کا غلبہ..کبھی شریف حکمران..کبھی کمینہ حکمران..کبھی مومن کی حکومت..کبھی کافر کی حکومت.. یہ سب فکر کو مہمیز کرنے کے لئے ہیں اور عام انسانوں کے لئے درسِ عبرت ومعرفت ہیں۔

رات آتی ہے تو دن کی قدر ہوتی ہے..بدمعاش دنیا میں ہیں تو شرافت کا پتہ چلتا ہے..پس اگر کسی وقت کمینے حکمران نہ ہوں تو شرافت کی قیمت کیسے معلوم ہو؟ اور اگر ہمیشہ ہی کمینوں کی حکومت ہو تو شریف زندہ کیسے رہیں؟ **اَلْأَشْیَاءُ تُعْرَفُ بِأَضْدَادِهَا** اللہ تعالیٰ نے انبیاؑ کچھ غریب اور کچھ امیر بھیجے۔

ایک غریب نبی کا واقعہ سنیے.....نمرود تخت حکومت پر ہے اور حضرت ابراہیمؑ جیسا شریف النفس انسان اس کے ماتحت؟ غربت کا یہ عالم کہ ایک دفعہ مہمان آیا اور گھر میں آٹا نہیں تھا..جناب سارہ نے عرض کیا کہ مہمان بھی ہے اور آٹا بھی نہیں تو آپؑ نے بوری اٹھائی اور گھر سے یہ کہہ کر نکلے کہ دوست سے مانگ کر لاتا ہوں بس جنگل میں پہنچ کر ریگِ صحرا سے بوری کو پُر کیا اور خچر پر لاد کر واپس پلٹے..بوری کو گھر کے ایک کونے میں رکھ کر پھر باہر چلے گئے اور رات گئے تک نہ آئے جب کافی دیر کے بعد واپس آئے تو جناب سارہ نے کھانا پیش کیا دریافت کیا یہ کہاں سے آیا؟ تو بی بی نے جواب دیا جو آٹا آپ دوست کی طرف سے لائے ہیں اس سے بہترین آٹا میں نے دیکھا ہی کبھی نہیں اور یہ اس سے تیار شدہ روٹیاں ہیں..پس حضرت ابراہیمؑ نے شکر پروردگار ادا کیا اور عرض کیا اے اللہ! واقعی تو ایسا دوست ہے جو کبھی اپنے دوست کو مایوس نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس بدمعاش انسان (نمرود) کے سامنے کلمہ توحید بیان کرو تو آپ فوراً چل دیئے اور نمرود کے بھرے دربار میں **لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** کا پرچم لہرا دیا بآواز بلند فرمایا نمرود تو خدا نہیں ہے بلکہ خدا وہ ہے جو تیرا اور سب مخلوق کا خالق ہے...نمرود نے اپنے دربار کے اربابِ حل وعقد..مشیرانِ کار..ممبرانِ اسمبلی اور ارکانِ عدلیہ سے سوال کیا کہ ایسے شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے؟ تو سب نے یک زبان سزائے موت کا نعرہ لگایا، اس دربار میں حضرت ابراہیمؑ اکیلا تھا نہ کوئی سفارشی ہے نہ وکیل..پس سزائے موت سن کر پولیس کے ہمراہ جیل خانہ کی طرف روانہ ہو گئے، دربار نمرود میں گئے تھے توحید پروردگار کا پیغام پہنچانے اور پلٹے سزائے موت کے قیدی بن کر..لیکن چہرہ ہشاش بشاش..طبیعت مطمئن اور پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں، یہی سوچ کر کہ کیا ہوا اگر اس شخص نے سزائے موت سنا دی جس

کے قبضہ میں موت ہے ہی نہیں ؟ اور جس کے قبضہ میں موت وحیات ہے اگر وہ اللہ موت دے تو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اگر زندگی بخشے تو کوئی گھٹا نہیں سکتا۔

بس آگ کا چخہ تیار ہونے تک کال کوٹھری میں رہے..جب آگ بھڑکا دی گئی اور کال کوٹھری سے نکال کر حضرت ابراہیمؑ کو آگ کی طرف لایا جارہا تھا تو زمین وآسمان کی ہر مخلوق میں ایک تہلکہ مچ گیا اور شاید جبریل نے عرض کیا پروردگار تیرا ایک عبادت گزار آگ میں دھکیلا جارہا ہے اور تو بچا سکنے کے باوجود اس کو بچاتا نہیں؟ گویا زبانِ بے زبانی پروردگار سے ارشاد ہوا اے جبریل! امتحان خلیل کا ہے اور گھبراتے تم ہو؟ اگر چاہو تو جا کر میرے خلیل کو اپنی نصرت کی پیشکش کرو اور پھر اس کے عزم کا جائزہ لو؟ چنانچہ ابھی تک آگ کے شعلے حضرت ابراہیمؑ کے جسم نازنین سے مس نہ ہوئے تھے البتہ قریب آگ کے آرہے تھے اور گرمی بڑھتی جارہی تھی لیکن زبان شکر پروردگار میں مصروف تھی..اچانک جبریل نے پہنچ کر نیچے پَر بچھا دیئے تو بڑھتی ہوئی گرمی کا فوراً رُک جانا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے نیچے نگاہ کی دیکھا تو جبریل پَر بچھائے ہوئے تھا..آپ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کون ہے میرے امتحان میں خلل ڈالنے والا ہٹ جاؤ اور مجھے ذکر پروردگار کی لذت اٹھانے دو؟

حضرت جبریل نے عرض کیا میں آپ کی مدد کیلئے حاضر ہوا ہوں کیا آپ کو مدد کی ضرورت نہیں؟ تو آپ نے فرمایا مجھے مدد کی ضرورت ہے لیکن تیری نہیں؟

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

بقولے...رعفہ بنت نمرود نے ایک بلند چبوترے سے جھک کر دیکھا کہ آگ کے شعلے بلند ہیں لیکن حضرت ابراہیمؑ اُسے باغ و بہار سمجھ کر لطف اندوز ہو رہے ہیں اور آگ کے انگاروں پر مصلائے عبادت بچھا کر انگاروں کو تسبیح کے دانے قرار

دیتے ہوئے ذکر پروردگار سے رطب اللسان ہیں..تو عرض کیا اے آگ کے مصلیٰ پر بیٹھ کر اپنے خدا کا ذکر کرنے والے کیا یہ آگ نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو تجھے جلاتی کیوں نہیں ہے؟ آپؑ نے فرمایا یہ آگ ہے انسان ہوں لیکن یہ تیرے باپ کی قدرت نہیں ہے بلکہ اس پر میرے اللہ کا کنٹرول ہے جو میرا تیرے باپ کا اس آگ کا اور پورے جہاں کا خالق ہے.....رعفہ نے کہا واقعی تیرا اللہ سچا ہے اور میں اس کی توحید اور تیری نبوت پر ایمان لاتی ہوں..اس کے بعد رعفہ کو سزائے موت سنائی گئی لیکن بقول جبریل نے پَر مار کر اُسے تختہ موت سے اٹھالیا۔

یہ تھا ایک غریب نبی کا تذکرہ جس نے نمرود جیسے سرکش حکمران کی حکومت میں بھی اپنے فریضہ تبلیغ ادا فرمایا...آیئے ایک امیر نبی کا واقعہ بھی سن لیجئے کیونکہ اللہ نے اُمراً اور غربا ٔدونوں طبقوں کی راہنمائی کیلئے دونوں طرح کے نبی بھیجے، غریب بھی اور امیر بھی تا کہ اگر کوئی غریب ہو تو حضرت ابراہیمؑ جیسے نبی کی سیرت کو مشعلِ راہ قرار دیا جائے...اور دولت وزر آجائے تو امیر ورئیس نبی کی سیرت کو اپنایا جائے،بس دولت آئے تو انسان نمرود وفرعون بننے کی کوشش نہ کرے اور غربت آئے تو ابلیس کا کردار ادا نہ کرے؟

امیر نبی تھے حضرت سلیمانؑ بن داودؑ....انہوں نے دعا کی اے اللہ! مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے علاوہ کسی کو نصیب نہ ہو،پس انسانوں..جنوں.. حیوانوں اور حشرات الارض کے علاوہ ہوا پر بھی حکومت مل گئی،آپ کا تخت ہوا میں صبح کو ایک ماہ کا راستہ طے کرتا تھا اور شام کو بھی ایک ماہ کا سفر طے کرتا تھا،آپ کے سر پر پرندوں میں سے ہر نوع کا ایک ایک فرد اپنی اپنی ایک ڈیوٹی کے ماتحت پَر پھیلا کر ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو سائباں کا نمونہ بن کر کھڑے رہتے تھے۔

ایک دن ایک پرندہ ہدہد غائب ہوا تو گود میں دھوپ کا نشان دیکھ کر آپ نے

فرمایا یہ پرندہ جو غائب ہے اسے گرفتار کر کے لایا جائے اگر اس نے کوئی معقول عذر پیش نہ کیا تو میں سزا دوں گا چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ہدہد پیش ہوا آپ نے وجہ غیبت دریافت کی تو کہنے لگا میں نے اس روئے زمین پر ایک زرخیز ملک دیکھا ہے جس کی حکمران ایک عورت ہے اور یمن کے علاقہ میں ہے آپ نے فرمایا اگر تیری بات میں صداقت ہے تو لو یہ میرا خط ہے اور اس کا جواب لاؤ خط کا مضمون یہ تھا:

اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَ اِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ یہ سلیمانؑ کا خط ہے جس کی ابتدا اللہ کے نام سے ہے جو رحمٰن و رحیم ہے یہ کہ میرے آگے سرتابی نہ کرنا بلکہ مسلمان ہو کر فوراً میرے پاس پہنچو۔

ملکہ بلقیس اپنے مخصوص محل میں محو آرام تھی کہ قاصدِ سلیمانؑ (ہدہد) وہاں پہنچا اور محل کے ایک روشندان سے گزر کر حضرت سلیمانؑ کے مکتوب کو اس کے سینہ پر رکھ دیا اور واپس نتیجہ دیکھنے کیلئے روشندان میں بیٹھ گیا..اسی روشندان سے سورج کی کرنیں ملکہ کے چہرہ پر پڑیں تو اُٹھ بیٹھی اور سینے پر پڑے ہوئے خط کو بغور پڑھا سمجھ گئی یہ خط یہی پرند لایا ہے، پس ایک مخصوص اعلان کے ذریعہ اپنے محل سرا میں فوراً میٹنگ بلوائی جس میں فوج آفیسرز..سولین اہل کار..وزراً..ارکانِ دولت اور ممبرانِ اسمبلی کو دعوت شرکت دی گئی۔

پس ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کے خط کو سامنے رکھ کر ایک پُرمغز تقریر کی اور حاضرین اجلاس سے رائے طلب کی جس پر فوجی آفیسران بول اُٹھے اے ملکہ! ہمارا ملک معمولی ملک نہیں ہے نہ دولت کی کمی ہے اور نہ فوج کمزور ہے..ہم ملک و ملت کے تحفظ کیلئے کٹ مرنے کو تیار ہیں اور اپنے خون کا آخری قطرہ وقارِ ملک کی خاطر بہا دینے کو تیار کھڑے ہیں، یہ چاق و چوبند..وفادار فوج تیرے اشارۂ چشم کی محتاج ہے، ملکہ نے اپنی جوابی تقریر میں کہا اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً

اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْا أعِزَّۃَ أھْلِھَا أذِلَّہ دیکھو میرے وفادار فوج کے جانباز جیالے نوجوانو! میں تمہارے جذبات سے کھیلنا پسند نہیں کرتی.. خون خرابہ کوئی دانشمندانہ اقدام نہیں.. آگ کا لگانا آسان ہے لیکن بجھانا مشکل.. اسی طرح جنگ چھیڑنا آسان ہے لیکن اس کے بھیانک نتائج کا بھگتنا مشکل.. سابقہ تاریخی جنگوں کا جائزہ لو (جب بادشاہ فاتحانہ انداز میں کسی شہر میں داخل ہوں شہر تہ و بالا ہو جایا کرتے ہیں.. کسی شریف کی عزت محفوظ نہیں رہتی.. جان و مال تباہ ہوتے ہیں اور عزت دار ذلیل ہو جایا کرتے ہیں)

میں اعلانِ جنگ کرنے سے پہلے ان کو کچھ تحائف بھیجتی ہوں اِنِّیْ مُرْسِلَۃٌ اِلَیْھِمْ ھَدِیَۃٌ .. الآیہ پھر دیکھیں گے کیا جواب آتا ہے؟ تمام اراکین مجلس نے عرض کیا کہ اَلْاَمْرُ اِلَیْکَ ہم آپ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔

پس باختلافِ روایات..... کئی خچروں پر سونا لاد کر بطورِ ہدیہ بھیجنے کا پروگرام طے ہوا.. اس کے علاوہ امتحان کے طور پر چند سوالات مرتب کئے گئے کہ اگر نبی ہوگا تو جوابات صحیح ہوں گے اور جواب نہ دے سکا تو ہم سمجھیں گے کہ ہم جیسا بادشاہ ہے بس اعلان جنگ کو قبول کرلیں گے لیکن بصورتِ نبی ہم اس سے ہرگز نہ لڑیں گے بلکہ اسلام کو قبول کر کے سرِ تسلیم جھالیں گے.. سوالات یہ تھے:

- سینکڑوں کی تعداد میں لڑکے اور لڑکیاں ہم عمر.. ہم شکل.. ہم لباس بھیجے تاکہ کلام کئے بغیر ان میں سے نرّ و مادّہ کی پہچان کرے؟
- ایک عصا دیا جس کی اصل و فرع کا پتہ نہ چلتا تھا اس کا پتہ بتادے؟
- ایک دُرّ ناسِفتہ میں سوراخ ڈال دے اور لوہے کا آلہ استعمال نہ ہو؟
- ایک پیچیدہ سوراخ والے موتی میں تاگہ ڈالدے؟
- ایک شیشی دی جو پانی سے بھر دے جبکہ وہ پانی نہ آسمان کا ہو اور نہ زمین کا؟

ادھر ہد ہد نے واپس آ کر حضرت سلیمانؑ کو سب کچھ بتا دیا، پس تختِ سلیمانؑ اُترا اور قومِ جنات کی پھرتی سے میلوں تک محلات تعمیر ہوئے..ایک اصطبل تیار کرایا گیا جس میں سونے اور چاندی کی اینٹیں لگائی گئیں..گھوڑوں کے باندھنے کی جگہ کا فرش بھی سونے کا حتی کہ وہ نالیاں جن سے گھوڑوں کا پیشاب بہتا تھا وہ بھی سونے کی تیار کی گئیں۔

چنانچہ ملکہ بلقیس کے قاصدوں کی آمد سے پہلے یہ سب کچھ تیار ہو چکا تھا اور حضرت سلیمانؑ اپنے شایانِ شان تخت پر جلوہ گر تھے اور دربارِ شاہی کو شایانِ شان سجایا گیا تھا۔

جب وہ لوگ پہنچے اور دیکھا کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے بھی سونے کے فرش پر پیشاب کر رہے ہیں تو انہوں نے ہدیہ کے طور پر لایا جانے والا سونا باہر پھینک دیا کہ ایسے بادشاہ کو یہ ہدیہ دینا اس میں ملکہ کی توہین ہے؟

جب قاصد داخل دربار ہوئے تو آتے ہی حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ ان کو پانی کے کوزے دو تا کہ ہاتھ منہ دھولیں چنانچہ لڑکیوں نے اپنی سرشت کے مطابق اور لڑکوں نے اپنے مردانہ طور طریقے سے ہاتھ منہ دھویا..حضرت سلیمانؑ نے فوراً فرما دیا کہ یہ لڑکے ہیں اور ان کو الگ جگہ دو اور وہ لڑکیاں ہیں ان کو الگ کمرہ میں بٹھاؤ.

عصا کو آسمان کی طرف پھنکا تو جب واپس زمین پر آیا جو کنارہ پہلے زمین بوس ہوا فرمایا یہ اصل ہے کیونکہ اصل فرع کے مقابلہ میں بھاری ہوتا ہے.

اس کے بعد دُرّ ناسِفتہ کو تخت پر رکھا تا کہ سوراخ کیا جائے جو لوہے کے آلہ سے نہ ہو..پس ایک دیمک نے اپنی خدمت پیش کی اور سوراخ ہو گیا.

پھر ترچھے اور ٹیڑھے سوراخ والے موتی میں ایک کیڑے نے منہ میں تاگہ ڈال کر خدمت انجام دی.

پھر ایک گھوڑے کو میدان میں دوڑایا گیا اور آپ نے فرمایا اس کے پسینے سے خالی شیشی کو بھر دو اور ملکہ سے کہو یہ پانی نہ آسمان کا ہے اور نہ زمین کا ہے.

اتنی بڑی مملکت کا فرمانروا کہ ایک دفعہ تخت ہوا میں تھا اور زمین پر ایک چیونٹیوں کے بھرے اجلاس میں اسی جنس کے ایک مقرر نے تقریر کی **يَأَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهُ** اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمانؑ اور اس کی فوجیں تمہیں روند نہ ڈالیں؟

چیونٹی کی یہ تقریر حضرت سلیمانؑ نے سن لی جبکہ وہ تقریباً تین میل دور فضا میں تھے.. پس فوراً اس تقریر کرنے والی چیونٹی کی گرفتاری کا حکم دیا جس نے حکومت کے خلاف زبان کشائی کی تھی۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین فرمالیجئے کہ ہمارے کان پاس بیٹھی ہوئی چیونٹی کی آواز نہیں سن سکتے لیکن نبی تین میل دور ایک چیونٹی کی پوری تقریر سن رہا تھا؟ جس کو قرآن مجید نے اپنے انداز میں نقل کیا.. حالانکہ ہم لوگ تین میل دور تو بجائے خود ایک فرلانگ دور سے اپنے جیسے آدمی کی آواز سن اور سمجھ نہیں سکتے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی قوت سماعت ہماری قوت سماعت سے الگ ہے.. پس یہ کہنا کہ اپنے اعضاؑ و جوارح کی طاقت میں وہ ہم جیسا ہے یا ہم اس جیسے ہیں احمقانہ قول ہے اور علماؑ تو بجائے خود کوئی بھی انبیا کو اپنے جیسا نہیں مانتا۔

پس حضرت سلیمانؑ نے گرفتاری کے لئے جس نمائندہ کو بھیجا تھا وہ یقیناً نبی نہیں تھا اور ادھر تقریر کرنے والی چیونٹی کا لباس یا ہیئت دوسری چیونٹیوں سے جدا نہیں تھی.. معلوم ہوا کہ نبی تو بجائے خود نبی کا نائب بھی عام بندوں جیسا نہیں ہوا کرتا؟ پس اس نے نہ تو دوسری چیونٹیوں سے پوچھا کہ تقریر کس نے کی تھی؟ اور نہ اس کی کوئی اور خاص علامت تھی پس آتے ہی اسی کو گرفتار کر لیا جس نے تقریر کی تھی،

اور اس نے بھی یہ نہ کہا کہ میں نہیں کوئی اور تھی اس سے معلوم ہوا کہ نبی کے نائب کا علم بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

جب یہ چیونٹی حضرت سلیمانؑ کے سامنے آئی تو آپ نے اُسے اپنے ہاتھ پر اُٹھالیا..آپ نے دریافت فرمایا کیا تو نے یہ بیان جاری کیا تھا؟ کہنے لگی جی ہاں، آپ نے فرمایا میرا تخت ہوا میں تھا تم لوگ زمین پر تھے روندنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..پھر میں ایک نبی ہوں اور نبی ظالم نہیں ہوا کرتا بتاؤ تم نے غلط بیانی کر کے اپنی کمزور قوم کو میرے ظلم سے خوفزدہ کیوں کیا؟ اپنی قوم میں تیری یہ تقریر کیا حکومت وقت کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت نہیں؟ چیونٹی نے عرض کیا حضور! میری قوم بے عقل ہے وہ صرف جینے اور مرنے کو ہی سمجھتی ہے اس کے علاوہ منطقی دلائل کو وہ نہیں سمجھ سکتی..یہ سب عبادت پروردگار میں مصروف تھیں میں نے ان کو آپ کے تخت کی آمد سے خوفزدہ کیا ہے تاکہ تخت دیکھ کر کہیں آپ کو خدا یا اس کا خدا شریک نہ سمجھ لیں؟ پس میں نے اس طریقہ کار اور طرزِ بیان سے ان کے دین کی حفاظت کی ہے تاکہ مشرک نہ ہوجائیں۔

جب حضرت سلیمانؑ کی کلام ختم ہوئی اور اطمینان ہوا تو چیونٹی کہنے لگی اے اللہ کے نبی! ایک سوال کرسکتی ہوں؟ فرمایا کیوں نہیں...تو چیونٹی کہنے لگی آپ بتایئے کہ آپ کی سواری افضل ہے یا میری؟

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ یقیناً میری..میں نبی ہوں..پوری دنیا کا بادشاہ ہوں..چرند پرند میرے تابع..ہوائیں میرے حکم کے ماتحت..جنات میری غلامی میں..انسانوں پر میری حکومت..غرضیکہ ہر چیز پر حاکم میں ہوں سواری میری بہتر اور افضل ہے،تو چیونٹی مسکرا کر کہنے لگی اے نبی! سواری میری افضل ہے کیونکہ آپ جس پر بیٹھے ہیں وہ ہے لکڑی کا تخت اور میری سواری ہے نبی کا ہاتھ...اب آپ خود

ہی بتائیں کہ لکڑی کا تخت افضل ہے یا کہ دستِ نبی؟ حضرت سلیمانؑ اپنی رعیت کے حکمت آمیز شعور سے متاثر ہوئے اور چیونٹی کو دوبارہ وہیں چھوڑنے کا حکم دیا۔

یہ ایک امیر نبی تھا لیکن اپنی گزر اوقات بیت المال سے نہیں بلکہ دستکاری کی آمدنی سے کرتے تھے جس طرح کہ حضرت امیر المومنینؑ اپنی گزر بسر مزدوری کر کے کیا کرتے تھے۔

امیر اور غریب انبیاؑ پر موت کی آمد مختلف ہے!

حضرت ابراہیمؑ کے پاس جب ملک الموت آیا تو انہوں نے جواب دیا کیا کوئی دوست بھی دوست کی موت چاہتا ہے؟ پس جب ملک الموت واپس گیا تو اللہ نے فرمایا ان سے کہو کیا کوئی دوست بھی دوست کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے؟ پس حضرت ابراہیمؑ نے موت کو قبول کر لیا؟

جب حضرت موسیٰؑ کے پاس ملک الموت آیا تو حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہاں سے میری روح کو قبض کرو گے؟ تو اس نے کہا ہاتھوں سے..آپ نے فرمایا ان ہاتھوں سے میں نے تورات کو اُٹھایا ہے، ملک الموت نے کہا پاؤں سے..آپ نے فرمایا ان کے ذریعے میں کوہِ طور پر چل کر جاتا رہا ہوں، اس نے کہا پھر آنکھوں سے کروں گا..آپ نے فرمایا میں نے انہی آنکھوں سے طور کا منظر دیکھا ہے، اس نے کہا زبان سے تو آپ نے فرمایا اسی زبان سے میں نے اللہ سے کلام کیا ہے، پس ملک الموت واپس پلٹا اللہ نے فرمایا جب خود موت کو مانگے گا تب روح قبض کرنا؟

چنانچہ ایک بار حضرت موسیٰؑ نے جاتے ہوئے دیکھا ایک آدمی قبر کھود رہا تھا (درحقیقت یہی موت کا فرشتہ تھا) پس حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ جواب دیا ایک مومن کی قبر کھود رہا ہوں..آپ نے فرمایا میں تیری امداد کر سکتا ہوں؟ بتاؤ اس کا قد کتنا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کے قد کے برابر..پس آپ نے اپنے قد

وقامت کا ناپ کر کے قبر تیار کر دی اور پھر خود قبر میں اُترے اور لیٹے تا کہ پتہ چلے کہ قبر ٹھیک تیار ہوئی یا نہیں؟ ادھر حضرت موسیٰؑ کا قبر میں لیٹنا تھا کہ سامنے بہشت کے دروازے کھول دیئے گئے..پس عرض کیا اے پروردگار! میں واپس نہیں جانا چاہتا میری روح قبض ہو جائے تا کہ یہاں سے مجھے نہ واپس جانا پڑے، پس فوراً ملک الموت نے روح قبض کر لی۔

آیئے...اب امیر اور سلطان نبی کی موت کا منظر دیکھئے، حضرت سلیمانؑ بالا خانہ پر چڑھے تا کہ اپنے ماتحت ملازمین کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے اور حکم دیا کہ کوئی بھی اُوپر نہ آئے..اچانک دیکھا کہ خوش شکل اور خوش لباس شخص سامنے آ گیا آپ نے فرمایا میرے حکم کے بغیر یہاں کیوں آیا ہے؟ جواب دیا میں جب کسی کے پاس جایا کرتا ہوں تو اجازت کے بغیر ہی جاتا ہوں..آپ نے پوچھا کیا تو ملک الموت ہے؟ عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا آپ کی روح کو قبض کرنے کا حکم لایا ہوں..آپ نے فرمایا پھر اُترنے دو تا کہ وصیت کرلوں؟ ملک الموت نے کہا اتنی فرصت نہیں..فرمایا یہاں لیٹنے دو؟ جواب دیا فرصت نہیں تو حضرت سلیمان نے کہا کیسے روح قبض کرو گے؟ جواب دیا آپ عصا کے سہارے کھڑے رہیں اور میں قفس عنصری سے روح کھینچ لوں گا اور چلا جاؤں گا۔

پس مومن اگر غریب ہو تو حضرت ابراہیمؑ کی سیرت کو دیکھے اگر امیر ہو تو حضرت سلیمانؑ کی سیرت کا مطالعہ کرے...یہ سب معرفت سے ہی ہو سکتا ہے۔

حضرت امام حسینؑ سے ایک سائل نے ہزار درہم کی خواہش کی کہ مقروض ہوں..آپ نے فرمایا تین سوال کرتا ہوں اگر جوابات صحیح ہوں گے تو دوں گا ورنہ جس قدر سوال حل کرو گے اسی مناسبت سے دوں گا، کیونکہ میرے نانا کا فرمان ہے اَلْمَعْرُوْفُ بِقَدْرِ الْمَعْرِفَۃ یعنی کسی پر احسان اتنا کرو جس قدر وہ معرفت رکھتا ہو،

اس نے کہا آپ سوال کریں اگر جواب آیا تو عرض کروں گا ورنہ آپ سے سیکھ لوں گا:

❁ آپ نے پوچھا سب سے بڑی عبادت کونسی ہے؟

جواب دیا اللہ کی معرفت.

❁ آپ نے پوچھا مصیبت کے وقت سہارا کیا ہوتا ہے؟

جواب دیا توکل بر خدا.

❁ آپ نے پوچھا انسان کی زینت کیا ہے؟

عرض کیا اَلْعِلْمُ مَعَ الْعَمَلِ علم عمل کے ساتھ کیونکہ عمل کے بغیر علم ایسا ہے جس طرح درخت بے ثمر.

معصومؑ سے پوچھا گیا انبیأ اور اولیأ کے بعد جنت کے بلند طبقہ میں کون ہوگا؟ تو فرمایا ہماری امت کے علمأ (جن کا عمل علم کے مطابق ہے) پھر پوچھا گیا کہ فرعون شداد و نمرود کے بعد جہنم کے نچلے درجہ میں کون ہوگا؟ تو فرمایا ہماری امت کے علمأ (جن کا عمل اپنے علم کے مطابق نہ ہوگا)

دیکھئے علم ایک ایسا مظروف ہے جو ہر ظرف میں آ کر اسی کی شکل اختیار کر لیتا ہے اگر شریف ظرف میں ہو تو شرافت کو بڑھاتا ہے اور کمینے ظرف میں آئے تو اس کی کمینگی میں اضافہ کرتا ہے.... کَمَاءِ الْمُزْن بارش کے پانی کی سی مثال ہے کہ:

اگر بارش کا پانی باغ پر آئے تو اس کی خوشبو مہکتی ہے.

اگر بدبودار چیز پر آئے تو اس کی بدبو میں اضافہ ہوتا ہے.

اگر صدف کے منہ میں آئے تو موتی بنتا ہے.

اگر سانپ کے منہ میں آئے تو زہر بنتا ہے.

پس علم بھی شریف ظرف میں آئے تو ایمان والوں کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے..اور اگر کمینی فطرت کے لوگوں میں آئے تو گمراہی پھیلاتا ہے، بہر صورت عمل

علم کی زینت اور علم انسان کی زینت ہے۔

آپ نے پوچھا اگر علم نہیں تو پھر انسان کی زینت کیا ہے؟ اس نے عرض کیا **اَلْغِنَاءُ مَعَ السَّخَا** دولت مندی ہو اور سخاوت ہو..یعنی راہِ خدا میں خرچ کرے بیہودگیوں میں ضائع نہ کرے، آپ نے پوچھا اگر مال و دولت بھی نہ ہو تو زینت کیا ہے؟ اس نے عرض کیا **اَلْفَقْرُ مَعَ الصَّبْرِ** غربت ہو تو صبر کرے یعنی امیر ہو تو فرعونیت کا مظاہرہ نہ کرے اور غریب ہو تو شکوہ پروردگار نہ کرے، آپ نے فرمایا اگر صبر بھی نہ ہو تو پھر اس کی زینت کیا ہے؟ اس نے عرض کیا پھر اس کی زینت موت ہے کہ پتھر گرے اور اس کو زمین دوز کر دے...آپ نے اسے مانگا ہوا ایک ہزار بھی دیا اور اپنی جانب سے اسے انعام دے کر رخصت فرمایا۔

امام حسینؑ فطرۃً پیاس رکھتے تھے جس طرح کہ زینبؑ خاتون عام حیا کے علاوہ مخصوص طور پر صاحب حیا تھیں۔

بعض اوقات حضرت پیغمبر اکرمؐ گھر تشریف لاتے اور فاطمہؑ کو غمگین دیکھ کر سوال کرتے کہ تیری شکل غمناک کیوں ہے؟ ایک مرتبہ تشریف لائے اور سوال کیا تو بی بی نے عرض کیا میرے شکم میں بچہ مجھے غمگین کرتا ہے جب میں وضو کے لئے پانی سامنے رکھتی ہوں اور چلو میں لیتی ہوں تو شکم سے آواز آتی ہے **أَنَا عَطْشَانٌ** ماں میں پیاسا ہوں..بعض دفعہ آواز آتی ہے **أَنَا عُرْيَانٌ** جسم لباس سے محروم ہے اور بعض اوقات آوز آتی ہے **أَنَا سَحْقَانٌ** میری ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

حضورؐ نے فرمایا نہ خود رو اور نہ مجھے رُلا..پس بی بی کے اصرار پر فرمایا تیرا یہی بچہ بے جرم و بے خطا پیاسا مارا جائے گا اور اس کو کفن نہ ملے گا اور دفن نہ کیا جائے گا، بی بی نے عرض کیا وہ کون ہوں گے؟ فرمایا میری امت کے لوگ..بی بی نے عرض کیا کیا آپ سفارش نہ کریں گے؟ فرمایا میں نہ ہوں گا عرض کیا علیؑ یہاں ہوں گے

فرمایا وہ بھی نہ ہونگے..حسنؑ بھی نہ ہوگا عرض کیا پھر میں برقعہ سر پر ڈال کر خود چلی جاؤں گی اور کہوں گی لوگو! میں تمہارے نبی کی بیٹی ہوں میرا حیا کرو..میرے فرزند کو نہ مارو، آپ نے فرمایا زہراؑ اس وقت تم بھی نہ ہوگی صرف بہنیں ہوں گی جو مدد نہ کرسکیں گی.. بی بی نے عرض کیا پھر دفن کون کرے گا؟ فرمایا گرم ریت پر چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

بقولے..گیارہویں کے دن بی بی زینبؑ عالیہ نے جناب فضہ کو بھیجا کہ عمر بن سعد سے کہو تم اپنی لاشوں کو دفن کرو لیکن ہمیں بھی اجازت دے دو کہ ہم اور نہیں تو بھیا حسینؑ کی لاش کو دفن کرلیں؟ جناب فضہ روتی ہوئی واپس پلٹی اور عرض کیا بی بی وہ ظالم کہتا ہے ہمیں حکم ملا ہے کہ صرف مسلمانوں کی لاشوں کو دفن کیا جائے، بی بی نے مدینہ کی طرف منہ کر کے ضرور فریاد کی ہوگی نانا آج تیری اُمت تیرے حسینؑ کو مسلمان بھی نہیں سمجھتی؟

بہرکیف آخر میں حضرت زہراؑ نے عرض کیا کہ میرے حسینؑ کا پرسہ کون لے گا؟ تو آپ نے فرمایا خدا ایک ایسا گروہ پیدا کرے گا جو تیری اولاد کا ماتم کریں گے ان کے مرد مردوں پر نوحہ کریں گے اور ان کی مستورات پردہ داروں کا غم کریں گی۔

شیعو! تم زہراؑ کی دعاؤں کا نتیجہ ہو..بیشک ماتم کرو..سینہ پر ہاتھ مارو.. ہائے حسینؑ کہو، پس زہراؑ نے عرض کیا بابا اگر یہ لوگ میرے بیٹے کا فرش عزا بچھائیں گے تو میں بھی وعدہ کرتی ہوں کہ جنت میں اس وقت تک داخل نہ ہوں گی جب تک یہ داخل جنت نہ ہوں۔

یقین کیجئے بی بی خود غم حسینؑ میں شریک ہوتی ہے.

چنانچہ نجف اشرف کی ایک عزادار مستور جس کے پاس عزاداری کا خرچہ نہ تھا، محرم کا چاند نمودار ہوا تو اس نے فرشِ عزا بچھایا لیکن نذر نیاز نہ کرسکنے کے باعث

لوگ نہ آئے، بقولے اچانک ایک مستور نے دستک دی دروازہ کھلا اور وہ داخل ہوئی اُس کا سیاہ لباس تھا اور وقتِ مجلس تک روتی رہی اور مجلس کے اختتام پر چلی گئی، پھر دوسرے دن.. پھر تیسرے دن.. بہر صورت وہ دس روز تک شریک مجلس ہوتی رہی، جب آخری مجلس سے اُٹھ کر جانے لگی تو عزادار خاتون نے ایک گٹھڑی باندھی اور دروازہ پر جا کر نذرانہ کے طور پر پیش کی.. اس کی ایک چیخ نکلی اور کربلا کی طرف منہ کر کے کہنے لگی بیٹا حسینؑ آج تیری عزادار تیری ماں کو نذرانہ پیش کر رہی ہے، اس عزادار نے جب پہچانا تو قدموں میں گر پڑی اور عرض کیا بی بی میں نے پہچانا نہیں تھا اب بروز محشر میری سفارش فرمانا۔

ایک اور عزادار نجف کا ذکر سننے میں آتا ہے کہ ہر روز اپنے بیٹے کی قبر پر وادی السلام میں جایا کرتی تھی لیکن جب محرم کا چاند نمودار ہوا تو اس نے اپنی بیٹے کی قبر پر جانا موقوف کر کے غم حسینؑ میں مصروف ہو گئی.. جب دسویں کے دن ماتم حسینؑ سے فارغ ہوئی تو اپنے بیٹے کی قبر پر پہنچی.. دیکھا تو قبر پر ایک سیاہ پوش مستور رو رہی ہے کہنے لگی بی بی یہ تو میرے بیٹے کی قبر ہے تمہارے عزیز کی قبر کوئی اور ہو گی تو اس کی ایک چیخ نکلی اور کہا تو نے نہیں پہچانا؟ میں حسینؑ کی ماں ہوں تو نے دس دن میرے بیٹے کا غم کیا ہے اور میں تیرے بیٹے کی قبر پر حاضری دیتی رہی ہوں۔

ہم جس قدر بھی روتے رہیں ہم سے نہ زینبؑ عالیہ کا حق ادا ہو سکتا ہے اور نہ امام حسینؑ کا حق ادا ہوتا ہے۔

امام حسینؑ کی صحیح عزادار تھی اُن کی بہن جناب زینب عالیہؑ... بقولے جب امام سجادؑ نے قبر میں اُتارا تو جناب فضہ نے عرض کیا میرے آقا سجادؑ! میری مدت کی ساتھی مجھ سے جدا ہو گئی ہے اگر اجازت ہو تو قبر میں اُتر آخری دیدار کر لوں؟ امام سجادؑ نے اجازت دی وہ اُتری چہرہ سے کفن کا دامن اٹھایا تو چیخ نکلی اور روتے

ہوئے کھڑی ہوئی.. حضرت سجادؑ نے فرمایا کیا دیکھا؟ تو عرض کیا خدا جانے تیری پھوپھی رونے کیلیئے اس قدر ترس رہی تھی کہ کفن کا دامن آنسوؤں سے تر ہے اور لب ہل رہے تھے میں کان لگا کر سنا تو آواز آرہی تھی اب تو مجھے حسینؑ کے رونے سے کوئی نہ روکے گا؟

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْن

ڈینہ ڈہویں دے ڈھلدیاں دی پر غم تاریخ لکھی گئی
کیویں بعد ظہر دے ویر دے رَلّے اَتے زینب آپ لٹی گئی
بھائیاں لگیاں اَتے چادراں لٹیاں اُتوں شام غریباں تھی گئی
ربّ جانڑیں اُجڑیاں سینڑیں دی کیویں روندے رات کٹی گئی

تیئیسویں مجلس

قَدْ جَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب دونوں پہنچ چکے ہیں، یعنی وہ نور (روشنی) جس کے ذریعے سے کتاب کو پڑھا جا سکتا ہے اس کا بھی اللہ نے خود انتظام فرمایا ہے پس جب تک کتاب رہے گی ساتھ ساتھ نور بھی رہے گا اور اسی مقصد کی دوسری تعبیر ہے حدیث ثقلین کہ حضورؐ نے فرمایا میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی عترت اہل بیتؑ کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے پس تم ان دونوں سے تمسک پکڑو گے تو گمراہ ہرگز نہ ہوگے۔

چنانچہ محکمات ومتشابہاتِ قرآنیہ کے متعلق معصومؑ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے قرآن میں متشابہات بھیج کر اُمت کو ہمیشہ کے لیے اہل بیتؑ کا محتاج کر دیا۔ کوئی شخص متشابہات کی موجودگی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کتابُ اللہ کافی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر دَور میں لوگ آل محمد علیہم السلام کے محتاج ہوتے رہے اور آل محمد علیہم السلام کے کسی فرد نے کبھی اپنے زمانے کے کسی دوسرے عالم سے کچھ بھی نہیں پوچھا اور نہ کسی سے درس حاصل کیا۔

حضرت امیر المومنینؑ سے اپنے زمانے کے بڑے سے چھوٹے تک ہر ایک نے مسائل دریافت کیے لیکن کسی بڑی یا چھوٹی کتاب میں ضعیف سے ضعیف روایت بھی ایسی نہ ملے گی کہ امام علیؑ نے کبھی کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا ہو؟

پس تمام کا حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرنا اور حضرت علیؑ کا کسی کی طرف رجوع نہ کرنا ان کی عظمت علمی کی دلیل ہے۔

قرآن مجید میں اس امر کی وضاحت ہے کہ متشابہات کی تاویل خدا جانتا ہے اور رَاسِخُوْنَ فِي الْعِلْم جانتے ہیں ان کو رَاسِخُوْنَ فِي الْعِلْم کہا یہ نہیں فرمایا کہ رَاسِخ فِيْهِمُ الْعِلْم ہیں یعنی یہ علم میں راسخ ہیں نہ کہ علم ان میں راسخ ہے۔

علم کو ان کا ظرف قرار دیا کہ یہ علم میں راسخ ہیں یعنی ان کا وجود ہی ظرفِ علم میں ہے جب سے ہیں علم میں ہیں ایسا نہیں کہ علم ان میں راسخ ہے کہ یہ ظرف ہوں اور علم ان کا مظروف ہو؟ تاکہ یہ کہنا پڑے کہ یہ بطورِ ظرف تھے اور بعد میں ان میں علم داخل ہوا.. کسی نے کچھ پڑھایا اور ان میں علم آیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانہ کا عالم ان کے علمی مقام کے سامنے سرنگوں نظر آیا.

چنانچہ امام محمد تقیؑ کا بچپنے میں علمی مقام یہ تھا کہ ایک دفعہ مامون شکار کو نکلا تو ایک مقام پر بچے کھیل رہے تھے.. مامون کی سواری کو دیکھ کر بچے سب دوڑ گئے لیکن امام عالیمقامؑ کھڑے رہے، مامون نے قریب آ کر پوچھا تم کون ہو؟ تو امامؑ نے فرمایا کہ میں امام رضاؑ کا فرزند محمد تقیؑ ہوں.. مامون نے پوچھا جب میرے جلال شاہی کو دیکھ کر بچے سب دوڑ گئے تو تم کیوں نہ دوڑے؟ آپؑ نے نہایت اطمینان سے پرسکون ہو کر جواب دیا کہ راستہ کشادہ تھا اور مجھے آپ کے ظلم کا ڈر نہیں تھا اس لئے بھاگنے کی ضرورت میں نے محسوس ہی نہیں کی، کچھ دیر کے بعد جب مامون شکار سے واپس پلٹا تو ابھی لڑکے وہاں موجود تھے وہ سب دوڑ گئے اور امامؑ کھڑے رہے.. اس وقت مامون کی مٹھی میں ایک چھوٹی سی مچھلی تھی، امامؑ کے پاس سواری کو روک کر اس نے دریافت کیا کہ بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا بادشاہوں کی عادت ہے شکار کرتے ہیں اور بازوں کو ہوا میں چھوڑتے ہیں اور ان

کے باز فضا محیط سے چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پکڑ لاتے ہیں اور بادشاہ مٹھی میں بند کرکے اللہ کے اولیا کا امتحان لیتے ہیں۔

امامؑ کے علمی وقار سے متاثر ہو کر خلیفہ نے اپنی بیٹی امّ الفضل کا نکاح امام محمد تقیؑ سے کرنے کا ارادہ کیا تو عباسیوں نے اعتراض کیا پس دور حاضر کے بڑے قاضی یحییٰ ابن اکثم سے خواہش کی کہ امام محمد تقیؑ سے کوئی مشکل علمی مسئلہ دریافت کریں اور وہ اس میں لاجواب ہوں اور مامون اپنے ارادہ سے باز آجائے؟ چنانچہ مامون کے بھرے دربار میں یحییٰ ابن اکثم نے امامؑ سے سوال کیا کہ مُحرِم حالت احرام میں اگر شتر مرغ کا انڈا توڑ دے تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

آپؑ نے فرمایا اتنا بڑا علم کا دعویدار ہو کر اس قدر مہمل سوال کیا ہے تو نے؟ تفصیل سے بیان کرو مُحرِم نے حرم کی حدود کے اندر یہ غلطی کی ہے یا باہر؟ نیز غلطی کرنے والا آزاد تھا یا غلام؟ نیز غلطی اس کی عمداً تھی یا سہواً؟ نیز اس سے پہلے بھی اس قسم کی غلطی وہ کر چکا تھا یا یہ پہلی غلطی تھی؟ نیز یہ احرام اس کا حج کا تھا یا عمرہ کا وغیرہ؟

یہ تفصیلات سنتے ہی یحییٰ ابن اکثم شرمندہ اور سرافکندہ ہوا تو امامؑ نے ترتیب وار ہر شق کا الگ الگ کفارہ بیان فرمایا..اس کے بعد امامؑ نے فرمایا اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک سوال کرلوں؟ یہ بتاؤ کہ وہ کونسی عورت ہے جو ایک ہی دن میں ایک ہی شخص پر چار دفعہ حرام ہے؟ اور چار دفعہ وقفہ وقفہ کے بعد حلال ہے؟ یحییٰ ابن اکثم کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا، تو مامون کے کہنے پر امامؑ نے خود بیان فرمایا کہ ایک عورت کسی کی کنیز ہے تو دوسرے شخص پر وہ حرام ہے..جب اس نے خرید لی تو اس پر حلال ہوگئی..پھر اس کو اسی شخص نے آزاد کردیا تو اس پر حرام ہوگئی..لیکن بعد میں اس سے نکاح کرلیا تو حلال ہوگئی..پھر اس نے ظہار کرلیا تو حرام ہوگئی اور تھوڑی دیر بعد اس نے ظہار کا کفارہ دے دیا تو وہ پھر حلال ہوگئی..اس کے بعد

اسے طلاقِ رجعی دے دی تو حرام ہوگئی اور رجوع کرلیا تو حلال ہوگئی۔

جب مامون عباسی مقام مرو میں تھا (مرو ایک نہایت ٹھنڈی اور صحت افزأ اور پرسکون جگہ تھی جہاں موسم گرما گذارنے کے لیے وہ گیا ہوا تھا غالباً آجکل وہ علاقہ روس کے قبضہ میں ہے) امام رضاؑ بھی وہاں تشریف فرما تھے چونکہ مامون نے امام رضاؑ کی ولیعہدی کا اعلان کیا ہوا تھا اور عباسی خاندان کے تمام لوگ مامون سے اس بارے میں ناراض تھے پس وہ اس ولیعہدی کے عہدہ کو ختم کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر رہا تھا.. چنانچہ اس نے اطرافِ عالم سے مختلف مذاہب کے علمأ کو مرو میں آنے کی دعوت دی تا کہ وہ آ کر علمی موضوعات پر امام رضاؑ سے گفتگو کریں پس جب وہ لوگ امام رضاؑ کو عاجز کر دیں گے تو ولی عہدی کا عہد اس بہانہ سے توڑ دیا جائے گا کہ معاذ اللہ ان کے علم میں نقص ہے۔

چنانچہ اطراف سے وقت مقرر پر مختلف مذاہب کے علمأ پہنچ گئے:

یہودی   عیسائی   زرتشتی (آتش پرست)   دہریئے (لامذہب)

پس دربار سجایا جانے لگا اور ملک کے تمام دانشور لوگوں کو اطلاع بھیج دی گئی تا کہ مقررہ تاریخ کو وقت مقرر پر دربار میں علمی بحث سننے کے لیے آئیں۔

امام رضاؑ کا ایک غلام نہایت کرب واضطراب سے ہانپتا کانپتا ہوا بارگاہِ امامت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے وجہ اضطراب پوچھی کہنے لگا مامون نے غیر اسلامی مختلف مذاہب کے علمأ کو آپؑ سے بحث کرنے کیلئے بلوایا ہوا ہے اور وہ کل آپؑ سے مناظرہ کریں گے آپؑ نے فرمایا پھر اضطراب اور پریشانی کی کونسی بات ہے؟ اس نے عرض کیا کہ آپؑ کو اطلاع دی جاتی تا کہ آپؑ اس کیلئے تیار ہوجاتے آپؑ نے فرمایا امامؑ کا علم نقد ہوتا ہے وہ کسی مطالعہ کتب بینی یا صلاح ومشورہ کا محتاج نہیں ہوا کرتا....اس نے عرض کیا حضور! وہ مختلف مذاہب کے لوگ ہیں یہود..نصاریٰ..زرتشتی اور دہریے؟

آپؑ نے فرمایا تم نہ گھبراؤ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے مسجد کوفہ کے چھلکتے ہوئے مجمع میں ببانگِ دہل اعلان فرمایا تھا کہ اگر تکیہ لگا دیا جائے اور اطمینان سے بیٹھنے کا موقعہ دستیاب ہو تو بیشک تورات وزبور وانجیل وفرقان والے سب لوگ اپنی اپنی کتابیں اٹھا کر لائیں میں ہر صاحب کتاب سے اسی کی زبان اور اسی کی کتاب سے مسائل کو حل کروں گا کہ وہ کتابیں خود میری صداقت کی گواہی دیں گی۔

آپؑ کا غلام غالباً ہرثمہ بن اعین ہوگا خاموش ہوگیا اور مطمئن ہوگیا..دوسرے روز علی الصبح مامون کا غلام شاہی پیغام لایا کہ دربار میں اتفاق سے غیر ملکی اور غیر اسلامی علمائ حاضر ہیں جو آپؑ سے تبادلہ خیالات کے خواہشمند ہیں آپؑ خود بنفس نفیس تشریف لانے کی اگر زحمت نہ اٹھائیں تو میں خود وفد کو ساتھ لے کر درِ دولت پر حاضر ہوں گا...آپؑ نے فرمایا میں کمزور نہیں ہوں کہ دشمن اسلام میرے گھر پر آ کر مجھ سے بات کرے مجھے وقت بتا دیا جائے میں خود حاضر دربار ہو کر دشمنانِ دین سے اسلامی حقائق واضح کر کے انہیں قائل کر دوں گا۔

چنانچہ آپؑ مقررہ وقت پر تیار ہو کر نکلے غسل کی تجدید فرمائی اور لباس پیغمبرؐ اپنے جسم اطہر پر پہنا..قبا و عبائے پیغمبرؐ زیب دوش..عمامہ رسول زیب سر..نعلین پیغمبرؐ زیب پا اور عصائے پیغمبرؐ ہاتھ میں لے کر چلے گویا آج امام رضاؑ محمد مصطفیٰؐ نظر آرہے تھے۔

مجھے امام رضاؑ کے شبیہ پیغمبرؐ ہونے کی ایک روایت یاد آرہی ہے کہ جب امام رضاؑ نیشاپور میں وارد ہوئے تھے ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک مقام پر حضرت پیغمبر کی آمد کا اعلان ہوا تو میں بھی دوڑ کر وہاں پہنچا دیکھا ایک بہت بڑی جلسہ گاہ ہے اور لوگ کھچا کھچ اس میں جمع ہیں اور کافی تعداد میں اور لوگ بھی پہنچ رہے ہیں..پس میں مجمع کو چیرتا ہوا جلسہ کے سٹیج کے قریب جا پہنچا، دیکھا تو حضرت پیغمبرؐ اپنے مخصوص انداز میں جلوہ گر ہیں اور سامنے ایک طشت ہے جس میں کھجوریں رکھی ہیں میں نے جرأت

کر کے آپؑ سے کھجوریں طلب کیں تو آپؐ نے مٹھی بھر کر میرے دامن میں ڈال دیں میں نے گنے تو اُٹھارہ دانے تھے..پس خواب سے بیدار ہوا اور سوچ ہی رہا تھا کہ شیطان تو بشکل معصوم آنہیں سکتا خدا جانے اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

چنانچہ صبح سویرے ایک منادی کی ندا میں آئی کہ آج امام رضاؑ وارد نیشا پور ہوں گے اور فلاں جگہ ایک جلسہ عام سے خطاب فرمائیں گے (اور یہ اسی جگہ کا حوالہ تھا جہاں رات کو خواب میں حضرت پیغمبر کو میں نے دیکھا تھا) میں نے سمجھا کہ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے..پس وقت سے پہلے میں پہنچ گیا اور سٹیج کے قریب بیٹھا، امامؑ تشریف لائے لوگوں نے استقبال کیا میں نے امامؑ کے سامنے بھی ایک طبق دیکھا جس پر رومال تھا اور اس میں کھجوریں تھیں بعینہٖ اسی طرح جیسے رات کو خواب میں دیکھا تھا اور امامؑ بھی اسی لباس میں ملبوس تھے جو رات کو میں نے پیغمبرؐ کے جسم پر دیکھا تھا اور شکل و شباہت نیز قد و قامت میں بھی پوری مشابہت تھی، پس میں جرأت کر کے کھجوریں مانگ لیں اور امامؑ نے اسی طرح مٹھی بھر کر میرے دامن میں ڈال دیں جب گنے تو اٹھارہ دانے تھے میں عرض کیا حضورؐ! کچھ اور دیں تو آپؐ نے فرمایا میرے نانا نے جو کچھ دیا ہے مجھ سے بھی وہی ملے گا۔

وہ بات تو یاد ہے نا..امام رضاؑ دربارِ مامون کی طرف چلے، ادھر دربار میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی اور حکم تھا کہ جب امام رضاؑ وارِدِ دربار ہوں تو کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلے..نہ ان کے لئے راستہ خالی کیا جائے۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

امام عالیمقامؑ جب دربارِ شاہی کے دروازہ پہنچے تو جبین مبین سے نور کی تجلی نکلی جو درباری روشنیوں پر چھا گئی اور جسم اطہر سے اس قدر خوشبو مہکی کہ دربار کی فضا

بدل گئی..فوراً لوگوں نے گردنیں پھیر کر پیچھے کی طرف دیکھا تو امام رضاؑ بشکلِ محمد مصطفیؐ نظر آئے..بے تحاشا لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور غیبی طاقت نے لوگوں کو اِدھر اُدھر ہٹا کر دروازہ سے تخت تک راستہ صاف کر دیا اور امامؑ لوگوں کا سلام لیتے ہوئے خراماں خراماں آگئے بڑھتے چلے گئے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

خود مامون تخت سے اُٹھا اور نیچے اُتر کر امام عالیمقامؑ سے **اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ** کہہ کر استقبال کیا..پس امامؑ آگے آگے اور مامون پیچھے پیچھے، مامون نے امامؑ کو اپنے تخت پر جگہ دی پس امامؑ تخت پر جلوہ گر ہوئے اور مجمع پر ایک سکوت کی کیفیت طاری ہو گئی..غیر ملکی اور غیر اسلامی علمأ خود بخود اس قدر متاثر ہوئے کہ کسی کو لب کشائی کی جرأت نہ ہو سکی کچھ دیر بعد مہر خاموشی ٹوٹی اور مامون نے پہل کرتے ہوئے غیر ملکی علمأ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ فرزند رسول ہیں آپ لوگوں کو ان کے ساتھ بات چیت کے لیے مدعو کیا گیا ہے وہ اس قدر مرعوب تھے کہ ایک سکتہ طاری تھا پس سر ہلا کر معذرت خواہ ہوئے۔

صرف یہودی عالم بولا! ہم اس شخص سے ہم کلام نہیں ہو سکتے..مامون نے وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ یہ شخص عرب ہیں اور ہم عربی سے نابلد ہیں یہ ہماری زبان نہ سمجھیں گے اور ہم نہ ان کی بولی سمجھ سکیں گے پھر بات کیسے ہو سکے گی؟ امام عالیمقامؑ نے یہودی کو مخاطب کر کے فرمایا او یہودی عالم ! تو اپنی جہالت کا بیشک اعتراف کر لیکن میری طرف جہالت کو منسوب نہ کر..اس نے عرض کیا آپؑ عبرانی زبان میں مجھ سے بات کر سکیں گے؟ آپؑ نے فرمایا بیشک..اس نے پوچھا آپؑ تورات کی زبان سے بات کیسے کریں گے جب کہ آپؑ نے پڑھی نہیں؟ امامؑ

نے فرمایا میں تورات کو جانتا ہوں اور امامؑ دنیا میں پڑھنے کا محتاج نہیں ہوا کرتا وہ پڑھ کر آتا ہے آپؑ نے فرمایا دس علمائے یہود یہاں موجود ہیں میرے ساتھ کس نے گفتگو کرنی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میں ہی گفتگو کے لیے حاضر ہوں آپؑ نے فرمایا پہلے یہ بتاؤ کہ تورات کی قرائتیں کتنی ہیں؟ اور تو کس قاری کی قرأت سے بات کرے گا؟ اس نے عرض کیا جناب عالی! میں قاریوں اور قرأتوں سے واقف نہیں، بس جو قرأت یاد ہے اسی سے بات کروں گا۔

آپؑ نے پوچھا تجھے تورات یاد ہے یا دیکھ کر پڑھے گا؟ عرض کیا حضور! میں حافظ تورات نہیں ہوں ناظرہ پڑھی ہے آپؑ نے فرمایا تم تورات کا فلاں پارہ فلاں صفحہ فلاں رکوع پر نظر رکھو اور میں تمہارے سامنے تمہاری ہی قرأت سے تلاوت کو زبانی شروع کرتا ہوں... چنانچہ آپؑ نے وہاں سے پورا ایک رکوع پڑھا تو دریافت فرمایا جو کچھ میں نے پڑھا ہے کیا درست ہے؟ تمام یہودی علماٗ عش عش کر اٹھے اور عرض کیا بے شک آپ نے درست تلاوت کی ہے؟ آپؑ نے فرمایا تمہیں اسی تورات کی قسَم اور اس تورات کو لانے والے نبی حضرت موسیٰؑ کی قسَم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا اسی رکوع میں میرا حلیہ نہیں بیان کیا گیا کہ آخری نبی کے آٹھویں قائمقامؑ کا حلیہ یہ ہوگا؟ یہ سن کر یہودی سارے کے سارے دم بخود ہو گئے اور انہوں نے چپ سادھ کر عملی طور پر اپنی شکست کا اعتراف کرلیا۔

پس آپؑ نصرانی اور زرتشتی علماٗ کی طرف متوجہ ہوئے تو سب نے وعدۂ فردا پر بات کو ٹال دیا.. مجمع پر بھی سکتہ طاری تھا مامون خود حیرت کے گہرے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا کہ دہریہ (لا مذہب) عالم بول اٹھا اے بادشاہِ وقت! یہ لوگ اہل کتاب ہیں اور اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اگر مجھے اجازت ہو تو میں ایک عقلی سطح پر سوال کرتا ہوں اگر مجھے مطمئن کر دیا گیا تو میں ضد کر کے بات کو نہ ٹالوں گا بلکہ کلمہ اسلام فوراً

زبان پر جاری کرلوں گا امام عالیمقامؑ نے فرمایا جو چاہو پوچھو! اس نے عرض کیا آپؑ لوگ اللہ کو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر مانتے ہواور میں اس دعویٰ کو چیلنج کرتا ہوں آپؑ نے فرمایا جو کچھ تیرے پاس اس دعویٰ کے خلاف مواد ہے پیش کر اور جواب لے..اس نے عرض کیا اگر اللہ ہر شیئے پر قادر ہے تو کیا آسمانوں اور زمینوں سمیت پورے عالم کو مرغی کے انڈے میں داخل کرسکتا ہے؟ اگر نہیں کرسکتا تو قادر نہیں اور اگر کرسکتا ہے تو اس کی دلیل یا مثال پیش کیجیے؟ آپؑ نے فرمایا تم ایک دفعہ شش جہات کی طرف نگاہ کرو اس نے ہر طرف دیکھا آپؑ نے فرمایا کیا دیکھا؟ اس نے عرض کیا زمین و آسمان..شمال وجنوب اور مشرق مغرب کو دیکھا آپؑ نے فرمایا آنکھیں بند کرلو اس نے آنکھیں بند کرلیں آپؑ نے فرمایا جو کچھ تو نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا وہ سب کچھ آنکھ کر پتلی میں محفوظ ہے یا مٹ چکا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ سب کچھ محفوظ ہے آپؑ نے فرمایا جو اللہ رائی کے دانہ کے برابر آنکھ میں چودہ طبق داخل کر کے محفوظ رکھ سکتا ہے اس کے لئے مرغی کے انڈے میں داخل کرنا کیا مشکل ہے؟ یہ ایک ایسا اقناعی جواب تھا جس کے سامنے وہ دہریہ سکتے میں آ گیا اور باذوق لوگوں نے خوب داد دی۔

بقول بعض علماءؒ (شیخ مجتبیٰ لنکرانی قدس سرہ کہ نجف میں ان سے مکاسب پڑھی تھی)

امام رضاؑ نے اس کے بعد ایک حلّی جواب پیش کیا فرمایا تم کیا کاروبار کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا ترکھان ہوں لکڑی کا کاروبار کرتا ہوں اور اس کام میں مجھے پوری مہارت حاصل ہے آپؑ نے فرمایا یہ دیکھو میرے ہاتھ میں کیا ہے کہا چھڑی ہے آپؑ نے فرمایا یہ چھڑی کس شے کی ہے؟ کہا لکڑی کی ہے آپؑ نے فرمایا یہ لکڑی ہے اور تو کاریگر ہے اس لکڑی سے مثلاً کیا مجھے ایک میز یا کرسی تیار کر کے دے سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ نہیں آپؑ نے فرمایا کیوں؟ اس نے عرض کیا اس

لکڑی سے یہ چیز تیار نہیں ہوسکتی آپؑ نے فرمایا کیا تم کاریگر نہیں ہو؟ یا یہ لکڑی نہیں ہے؟ اس نے عرض کیا حضور! یہ لکڑی ہے اور میں کاریگر ہوں لیکن لکڑی کا مادّہ اس قدر ناقص ہے کہ اس سے یہ چیز نہیں نکل سکتی آپؑ نے فرمایا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مادہ ناقص ہو اور اس سے کوئی شئے نہ بن سکے تو اس میں کاریگر کی کاریگری متاثر نہیں ہوتی اور نہ کاریگر کے فن میں یہ بات عیب کی باعث ہے اس نے عرض کیا حضور! ایسا ہی ہے... آپؑ نے فرمایا جس طرح مادّہ کا نقص آپؑ کے فن کو داغدار نہیں کرتا اسی طرح اللہ تو ہر شئے پر قادر ہے وہ تو آسمان زمین کو انڈے میں داخل کر سکتا ہے البتہ انڈے میں مادّہ کا نقص اس کا متحمل نہیں ہوسکتا ورنہ وہ انڈہ انڈہ نہ رہے گا پس مادّہ کا نقص اس کی قدرت کو چیلنج نہیں کرسکتا وہ دہریہ تڑپ اٹھا اور امام عالیمقامؑ کے قدم بوس ہوکر اس نے فوراً پڑھا لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰه اس کے بعد وہ واپس اپنے وطن کو نہ پلٹا بلکہ امامؑ کا تا زیست غلام بن کر رہا.... یہ تھا امامؑ کا وہ کمال جو حاسدین کی آنکھوں کا خار بن گیا اور وہ امامؑ کے قتل کے درپے ہو گئے.. چنانچہ زہر سے امامؑ کو شہید کر دیا گیا۔

اسی امامؑ کی ایک بہن ہے جس کا نام فاطمہ بنت موسیٰ اور مشہور ہے معصومہ قم، مجھے معلوم نہیں کہ قافلہ کے ہمراہ انہوں نے سفر کیا یا صرف ایک کنیز ہمراہ تھی؟ اگر کنیز ہمراہ تھی تو اونٹ حاصل کیا گیا اور دونوں مدینہ سے روانہ ہوئیں.. بڑا کربناک اور اندوہناک سفر تھا لیکن بھائی کی ملاقات کے شوق نے یا حکومتی نمائندوں کے جور وستم نے بی بی کو ایران کے سفر کی دعوت دی، پس باری باری اونٹ پر سوار ہوتیں کسی وقت خود سوار اور کنیز کے ہاتھ میں مہار اور کسی وقت کنیز سوار اور بی بی کے ہاتھ میں مہار.. چنانچہ عرب کا ریگستان ختم ہوا اور ایران کا پہاڑی سنگلاخ سفر شروع ہوا،

کہتے ہیں اونٹ راستے میں مرگیا اور بی بی نے پیدل چلنا شروع کیا.. پہاڑی سفر تھا یہ تو پہاڑی علاقوں والے جانتے ہیں کہ پہاڑ پر چڑھنے کیلئے کہیں ہاتھوں کا سہارا لینا پڑتا ہے..کہیں زانوؤں سے مدد لینی پڑتی ہے..کہیں پاؤں سے سفر طے ہوتا ہے جب آخری پہاڑ سے اُتری تو حالت یہ تھی کہ جس پتھر سے پاؤں اٹھاتی اور دوسرے پتھر پر پیر رکھتی تو پہلے پتھر کا رنگ سرخ ہو جاتا تھا۔

چودہ سو میل کی حد بندی مجلس پڑھنے والوں کا اندازہ ہے بہر کیف منازل طے کرنے کے بعد قم کے قریب پہنچیں.. کنیز سے فرمایا میں تھک چکی ہوں اگر اس راستے سے کوئی ایرانی گزرے تو اس سے دریافت کرنا کہ مشہدِ امام رضاؑ تک کتنا سفر ہے؟ چنانچہ ایک ایرانی کو آتے دیکھا تو راستہ سے ہٹ کر کھڑی ہو گئیں اور کنیز نے سوال کیا اے ایرانی کیا تم مدینہ والے امام رضاؑ کو جانتے ہو؟ وہ چونکہ مومن تھا اس نے ہاں میں جواب دیا اور کہا کہ وہ تو میرا امام ہے تم کیوں پوچھتی ہو؟ کنیز نے جواب دیا یہ جو میرے ساتھ پردہ دار ہے اسی امامؑ کی بہن ہے اور بھائی کو ملنے چلی ہے کیا بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے غالباً جواب دیا یہاں سے خراسان ٦ سو میل کا فاصلہ ہے.. بی بی نے سنا تو سرد آہ کھینچی اور فرمایا کافی سفر کر چکی ہوں اب طبعیت میں تاب سفر نہیں رہی.. ذرا اس سے پوچھو کہ یہاں سے قم کتنا دور ہے؟ کنیز نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ دس فرسخ دور ہے اس نے شاید دریافت کیا ہو کہ قم کا کیوں پوچھتی ہو؟ تو بی بی نے فرمایا کنیز کہو وہاں مومنوں کی آبادی ہے اور بوقت وداع مجھے بھائی نے فرمایا تھا اگر میرے ملنے کے لئے آنا ہو تو قم کا پوچھ لینا وہ ہمارے شیعوں کی آبادی ہے لیکن اب میں نہیں چل سکتی یہ قریب والی بستی کونسی ہے؟ اس نے عرض کیا یہ ساوہ ہے.. بی بی نے پوچھا یہاں کوئی ہمارا ہے تو اس نے عرض کیا سارے لوگ مومن و موالی ہیں.. بی بی نے فرمایا آج رات ہم یہاں آرام کریں گے

اور صبح کو قم کا سفر اختیار کریں گے، چنانچہ ایک خالی مکان آرام کے لئے دیا گیا لیکن بی بی کو ساری رات امام رضاؑ کی یاد نے سونے نہ دیا جب رات ڈھلی تو بخار ہو گیا کنیز سے فرمایا مجھے اب بخار ہے اور شاید کل بھی سفر نہ کر سکوں گی صبح سویرے کوئی مزدور تلاش کرنا جو ہماری خبر قم تک پہنچا دے تاکہ وہ خود آ کر ہمیں لے جائیں۔

صبح کو ایک مزدور آیا بی بی نے فرمایا اے عبدِ خدا میں عالم مسافرت و غربت میں ہوں مجھ سے اُجرت کا مطالبہ نہ کرنا اگر غریب سید زادی پر احسان کر سکتا ہے تو قم والوں کو ہماری اطلاع دے..ان سے کہو امام زادی کافی سفر کر کے تھک چکی ہے اور چلنے کے قابل نہیں خود آ کر مجھے لے جاؤ..اس محنت کی مزدوری میرا نانا رسولؐ اور میری ماں زہراؑ دے گی..اس ایرانی مزدور نے رو کر عرض کیا اے بی بی میں اُجرت کی خواہش لے کر حاضر نہیں ہوا بلکہ خوشنودی خدا اور رسولؐ کے لیے حاضر ہوا ہوں، آپ فرمائیں کس شخص کو اطلاع دینی ہے؟ بی بی نے موسیٰ بن خزرج کا نام لیا اور وہ روانہ ہوا موسیٰ بن خزرج کو جب اطلاع پہنچی تو اس نے ہر گلی و کوچہ اور ہر دَر پر صدا بلند کی کہ اے قم والو! تم ترستے تھے کہ کبھی ہمیں بھی اپنے امامؑ کی خدمت کا موقعہ ملے گا تو امامؑ نہیں لیکن امام زادی فاطمہ بنت موسیٰؑ لمبے سفر سے تھک کر ساوہ تک پہنچی ہے چلو امام زادی کو لے آؤ ان کی خدمت سے خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرو۔

چنانچہ اہل قم زن و مرد جوق در جوق روانہ ہو کر ساوہ میں پہنچے تو عورتیں حویلی میں داخل ہوئیں جہاں امام زادی بستر علالت پر محو آرام تھی..انہوں نے پہنچ کر امام زادی کا سلام کیا کسی نے ہاتھوں پر بوسہ دیا..کسی نے سر کے پریشان بالوں کو چوما..کسی نے قدموں پر منہ رکھا..آہ و فغاں کی صدائیں بلند ہوئیں، بی بی نے فرمایا ہو گا قم والیو! تمہارے پردے سلامت رہیں..آباد رہو ہمیں تو نانا کی امت نے اجاڑ دیا انہوں نے عرض کیا ہو گا اے شہزادی! تیرے تو اٹھارہ بھائی تھے کاش کوئی ایک تو ہمراہ ہوتا۔

بہر کیف تیاری ہوئی ایک محمل امام زادی معصومہ قم کے لیے مخصوص کیا گیا موسیٰ بن خزرج نے اعلان کیا کہ تمام مرد آگے نکل جائیں اور خبردار بی بی کے محمل پر کسی غیر مرد کی نگاہ نہ جائے.. بی بی کے محمل کے اردگرد مستورات کے محمل ہوں چنانچہ اس سے پہلے کسی شہنشاہ کا بھی اس قدر روالہانہ استقبال نہ ہوا ہوگا جو بی بی کے لیے ہوا۔

لیکن مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ہر بہن کی اپنی قسمت اے معصومہ قم! تجھے اپنے بھائی سے زندگی میں ملاقات تو نصیب نہ ہوسکی لیکن اہل قم نے تیرا شایان شان ایسا استقبال کیا کہ سفر کے زخم دھل گئے.. ہائے زینب! بھائیوں کے بعد شامیوں نے تیرا کیا استقبال کیا؟ پہلے سوار ہوکر آرہی تھیں شام کے قریب پہنچ کر حکم ملا کہ دربار تک کا سفر پیدل عبور کرنا ہے، معصومہ قم جب شہر قم میں داخل ہوئیں تو گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر عورتوں نے استقبال کیا ہوگا لیکن جھولیوں میں پھول اور ہاتھوں میں خاک شفا کی تسبیح اور زبان پر وردِ دُرود جاری تھا لیکن جب مسافرہ شام وارد شام ہوئیں تو عورتیں چھتوں پر تھیں لیکن جھولیوں میں پتھر اور ہاتھوں میں بھی پتھر اور زبان پر یہ نجس کلمہ جاری تھا کہ دیکھو وہ باغی کی بہن آگئی اتنے پتھر برسائے گئے کہ بی بی کو کہنا پڑا شام والیو! پتھروں کی برسات کم کرو میرے بھائی کے یتیم بچے زخمی ہوگئے...پس معصومہ قم اپنی منزل پر پہنچی جو موسیٰ بن خزرج نے بی بی کے لیے خالی کرائی تھی اَٹھارہ دن (بمطابق بحار الانوار جلد ۱۴) بیمار رہیں اور بیماری روز بروز بڑھتی گئی آخر کھڑے ہوکر نماز پڑھنا دشوار ہوگیا۔

بی بی نے فرمایا کنیز میرے بھائی کے ملنے کی امیدیں ختم ہوچکی ہیں اور تابِ طبیعت نہیں رہی اب میں موت کے انتظار میں ہوں.. میں جب مرجاؤں تو موسیٰ بن خزرج کو اطلاع دے دینا، چنانچہ اشاروں سے نماز ادا کی اور بستر پر سوگئیں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن کنیز نے آنکھوں پر ہاتھ رکھا.. ہاتھ پاؤں دراز کیے

اور اوپر چادر ڈال دی اور خود رونے بیٹھ گئی، ادھر سے غالباً نماز صبح کے بعد جب موسیٰ بن خزرج دروازہ سے گزرا تو کنیز کی آہ و بکا سن کر رُک گیا دستک دے کر عرض کیا میری مخدومہ کو زیادہ تکلیف تو نہیں ہے؟ کنیز نے عرض کیا تم تکلیف کا پوچھتے ہو بی بی کا انتقال ہو چکا ہے.. یہ سننا تھا کہ موسیٰ بن خزرج نے عمامہ اتارا گریبان چاک کیا اور روتا ہوا گلیوں کوچوں میں بہ آواز بلند کہہ رہا تھا قم والو! تمہیں سونا یاد ہے آج امام رضا کی بہن سفر آخرت کو چلی گئی ہے آج مصیبت کا دن ہے تمہاری مہمان امام زادی (معصومہ قم) کا انتقال ہو چکا ہے۔

یہ سنتے ہی عورتوں نے بچوں کو ساتھ نہ لیا پریشان وگریان حویلی کی طرف پیٹتی ہوئی دوڑیں دیکھا تو امام زادی انتقال فرما چکی تھیں.. صدائے گریہ اس قدر بلند ہوئی کہ ادھر صف ملائکہ میں صف ماتم بچھ گئی ہوگی اور حورانِ جنت سے بھی صدائے ماتم بلند ہوئی ہوگی.. پس تجہیز و تکفین کا انتظام ہوا عورتوں نے غسل مکمل کیا اور کفن پہنایا مردوں نے قبر تیار کی اور جنازہ اٹھایا جب نماز پڑھی گئی تو موسیٰ بن خزرج نے ایک دفعہ قبر کو دیکھا اور پھر جنازہ کو دیکھا پس چیخ نکلی اور ہائے ہائے کی آواز بلند ہوئی.. اہل قم نے پوچھا اے موسیٰ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب دیا روتا اسلئے ہوں کہ میت کے پانچ کام ضروری ہوا کرتے ہیں چار ہو گئے اور پانچواں کرنے والا کوئی نہیں۔

غسل عورتوں کے ذمہ تھا وہ ہو گیا. کفن بھی عورتوں کے پہنا دیا.. قبر مردوں کے ذمہ تھی تیار ہو گئی اور جنازہ بھی مردوں نے پڑھ لیا اب پانچواں کام باقی ہے دفن کرنا اور شریعت پیغمبرؐ کا حکم ہے کہ عورت کو قبر میں اتارنے کے لیے اس کا محرم ہونا چاہیئے یا بھائی یا باپ ہم ہاتھ نہیں لگا سکتے اور عورتیں دفن نہیں کر سکتیں.. یہ وہ بی بی ہے جس کی ماں کا جنازہ رات کو اٹھایا گیا تھا، امام رضاؑ کی بہن ہے امام موسیٰ کاظمؑ کی بیٹی ہے رسول کی نواسی ہے اور زہراؑ کی پوتی ہے روتا اس لیے ہوں اس کو دفن کون کرے گا؟

قم کے عالم دین ضعیف العمر کو لایا گیا تو انہوں نے فتویٰ دینے کی جرأت نہ کی بلکہ یہی کہا کہ استغاثہ کی صدائیں بلند کرو.. چنانچہ اہل قم نے استغاثہ کیا، ابھی تک استغاثہ ختم نہیں ہوا تھا کہ خراسان کی جانب سے گرد اٹھی جب گرد چھٹی تو ایک گھوڑ اسوار نظر آیا جس کے سر پر سرخ عمامہ تھا اور آنکھیں پرنم تھیں..پس گھوڑے سے اُترا..عمامہ کو کوچ میں رکھا..گریبان کھولا..آستینیں اُلٹیں اور نعلین اُتار کر معصومہ کی میت کی طرف بچشمِ گریاں روانہ ہوا..تو موسیٰ بن خزرج کہتا ہے کہ مجھے اور اہل قم کو معلوم ہو گیا کہ یہ معصومہ کا وارث ہے۔

یہاں تک روایت کا تعلق ہے لیکن مجلس خواں مقام کی مناسبت اور زبان ودرایت سے بیان کرتے ہیں کہ روح کا روح سے تعلق ہے جب امامؑ نے قدم بڑھایا اور مشامِ عصمت میں خوشبو پہنچی تو معصومہ کی میت تڑپی اور جوں جوں قریب ہوتے گئے اضطراب بڑھتا گیا..پس سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا قم والو! تم گردنیں جھکا لو میں بہن سے کلام کرتا ہوں، پس امامؑ نے سرہانے کی طرف بند کفن کھولا اور پیشانی پر بوسہ دے کر کہا آنکھیں کھولو میں رضاؑ ہوں..پس میت تڑپی اور بند کفن کھلے دونوں ہاتھ بلند کر کے بھائی کی گردن میں ڈال کر کہا اُس وقت آئے جب بہن کا روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا.. ہائے میرے زخمی ہاتھوں کو دیکھو..میرے زخمی پاؤں کو دیکھو..تیری خاطر میں نے کتنے مصائب جھیلے ہیں؟

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَیَّ مُنقَلَبٍ يَّنقَلِبُوْن

چودہ سو میل دی تھی ہوئی بی بی جڈاں نیڑے قم دے آئی
سب وسدیاں استقبال کیتا توڑیں واقف شہر دی ناہی
قربان ونجاں جڈاں شام دے نیڑے آ پہنچی ہے موت رُلائی
ٹُری پیدل وچ نامحرماں دے بن چادر زہراؑ جائی

چوبیسویں مجلس

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ

اس دن کو یاد رکھو جس دن ہم تمام لوگوں کو امامؑ کے ساتھ بلائیں گے..اس جگہ اللہ نے دو چیزوں کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے قیامت اور امامت، یعنی قیامت کو نہ بھولو اور امامت کو معمولی نہ سمجھو.....کیونکہ ہر تاریخ کو انسان بھلا سکتا ہے لیکن پیشی کی تاریخ نہیں بھلائی جا سکتی؟ پس قیامت کو اس لیے یاد رکھو کہ تمہاری پیشی کا دن ہے اور امامت کو اس لیے نظر انداز نہ کرو کہ اس دن پیشی کا انجام اچھا نہ ہوگا اگر امام اچھا نہ ہوگا..پس نیک بخت ہے وہ انسان جس کا امامؑ کامیاب اور بدنصیب ہے وہ انسان جس کا امامؑ ناکام ہے۔

دیکھئے..جو بھی دنیا میں آیا اس نے یہاں سے جانا ضروری ہے نہ آنا اختیاری ہے اور نہ جانا اپنی مرضی کا ہے، جب جس کو جہاں جس خاندان میں جس شکل وصورت میں وہ بھیجے اسے آنا پڑتا ہے نہ مجالِ عذر ہے اور نہ مجال انکار اور جب جسے جہاں جس حالت میں گھر میں یا سفر میں..بچپنے میں..جوانی میں..بڑھاپے میں..بیمار کر کے یا تندرستی کی حالت میں وہ بلا لے اُسے بلا عذر جانا پڑتا ہے نہ آنے والا آج یا کل کی مہلت مانگ سکتا ہے اور نہ مرنے والا کل یا پرسوں تک کی چھٹی لے سکتا ہے... پیدا ہونے اور مارنے میں مجبور ہے لیکن درمیان میں با اختیار ہے کوئی مجبوری نہیں خواہ نیک ہو کر زندگی گزارے یا بد ہو کر رہے لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ
مرنے کے بعد پھر وہ اٹھائے گا اور وہ بھی انسان کی مرضی سے نہیں بلکہ میری

مرضی سے، جس طرح پیدا ہونا اختیاری ہے اور مرنا مجبوری کا اسی طرح وہ جب اُٹھائے گا تو اٹھنا بھی مجبوری کا ہوگا... پس اس دن حساب لے گا کہ اس عطا شدہ زندگی کو تو نے کہاں خرچ کیا؟ کیونکہ یہ تیرے اختیار میں تھا پس جن امور میں تو بے اختیار ہے وہ نہ پوچھے گا لیکن جہاں اس نے اختیار دیا ہے اس کے متعلق سوال کرے گا.. پس انسان کو زندگی کا ہر لمحہ سوچ سمجھ کر گزارنا چاہیے اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا چاہیے۔

اس لیے احمق ہے وہ انسان جو پُل کو گھر سمجھے کیونکہ پل ٹھہرنے کے لیے نہیں بلکہ گزرنے کے لیے ہوتی ہے اور یہ دنیا قیام گاہ نہیں ہے عبوری گزرگاہ ہے، پہلے کافی لوگ گزر گئے آج ہم گزر رہے ہیں ہمارے بعد اور آئیں گے اور یہاں سے گزریں گے... پس کسی کو گرتے دیکھ کر خوش نہ ہونا بلکہ اپنے قدم درست رکھو اور ارشاد ہے نالائق ہے وہ انسان جو کمرۂ امتحان کو تفریح گاہ سمجھے اور ہنس کھیل کر وقت ضائع کر دے، یہ دنیا ایک کمرہ امتحان ہے اس میں سوچ سمجھ کر اپنے اوپر عائد شدہ سوالات کا جواب تیار کرو اگر انسان نیکی کا ارادہ کرے تو ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب عمل کرے تو دس نیکیاں اور دوسری طرف برائی کا ارادہ کرے تو کچھ نہ لکھا جائے گا اور برائی کرے تو سات گھنٹے یا سات دن تک نہیں لکھا جائے گا کہ شاید توبہ کر لے اور اگر لکھی بھی جائے گی تو صرف ایک لکھی جائے گی۔

دیکھیئے... کمرۂ امتحان میں انسان کا قلم آزاد ہے جو چاہے لکھے اگر غلط لکھے تو اس کو کاٹنے کا بھی اختیار ہے نہ قانون روکتا ہے اور نہ نگران اس کے ہاتھ کو پکڑ سکتا ہے اگر خود اپنے ہاتھ سے غلطی کو کاٹے گا تو اس کے نمبر نہ کٹیں گے لیکن اگر غلطی کو قلم زد خود نہ کرے تو پرچہ دیکھنے والا غلطی نہ کاٹے گا اس کے نمبر کاٹے گا اور غلطی کو وہی کاٹ سکتا ہے جو اپنے سابق لکھے ہوئے کو دوبارہ پڑھے... انسان بھی اس زندگی

کے دوران جن جن غلطیوں کو کاٹنا چاہے بخوبی توبہ کی قلم سے اسے کاٹ سکتا ہے اور یہ تب ہو سکتا ہے کہ اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ثانی کرلے..اور قاعدہ یہ ہے کہ پرچہ کو پڑھ کر آسان سوالات کا حل پہلے کر لینا چاہیے تا کہ اگر وقت ختم ہو جائے تو پاس ہونے کے نمبر تو مل جائیں گے ایسا نہ ہو کہ شروع سے ہی مشکل سوالات میں اُلجھ جائے اور وقت گزر جائے۔

دنیاوی امتحانات میں اگر کوئی کسی کی نقل کرے تو خلافِ قانون ہے لیکن زندگی کے امتحان میں نقل کرنا بھی ثواب ہے لیکن نقل اس کی کرے جس کے کامیاب ہونے کا یقین ہو..ایسے کی نقل نہ کرے جس کے ناکام ہونے کا یقین ہو پس اگر حیدری ہے تو نقل ابوذر کی کرے اور حسینی ہے تو نقل حرّ کی کرے..ایسا نہ ہو کہ حیدری کہلاتے ہوئے امیر شام کے کردار کی نقل کرے یا حسینی کہلا کر یزیدی افعال کی نقل کرے؟

دیکھئے.....کربلا میں شرکائے امتحان ۷۲ تھے..کئی وہ تھے جنھوں نے شروع سے ہی اس امتحانی پرچہ کو صحیح حل کیا اور حرّ وہ ہے جس نے پرچہ غلط حل کیا اور کمرہ امتحان بند ہونے سے پہلے غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر اس نے تمام غلطیوں پر توبہ کا قلم پھیر دیا اور حبیب بن مظاہر کی طرح کامیابی کی سند لے لی۔

انسان کا دامن نجس ہو اور سامنے دریا بہہ رہا ہو تو اس کو فکر کی کیا ضرورت؟ اس کا کام ہے دامن کو دریا میں غوطہ دینا اور دریا کا کام ہے اسے پاک کرنا، یہ دامن کو دریا میں ڈالنے سے بخل نہ کرے تو دریا اس کو پاک کرنے میں بخل نہ کرے گا۔

اے مومن! تیرا وسیلہ حسینؑ ہے اور بخشش خدا کا سمندر تیرے سامنے موجزن ہے اپنے گنہگار دامن کو توبہ کے ذریعے اور حسینؑ کے وسیلہ سے دریائے مغفرتِ پروردگار میں داخل کرنے سے بخل نہ کر وہ بخشنے سے بخل نہ کرے گا۔

اللہ چاہتا ہے کہ میں نے کرامت کا تاج تیرے سر پر رکھا ہے تو میری بارگاہ

میں اسی تاج کے ساتھ حاضر ہو اس کو پاؤں میں روندنے کی کوشش نہ کر۔

خداوند کریم نے انسان کی حسین تخلیق پر خود ناز کیا ہے... چنانچہ سورہ والتین میں التین ..الزیتون ..طور سینین اور بلد امین کی قسم کھا کر فرمایا ہم نے انسان کو بہت اچھی وضع وشکل سے خلق کیا ہے، ایک اور مقام پر انسان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا **تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْن** اسی طرح ایک مقام پر حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا **مَا لِبَنِیْ اٰدَمَ وَالْفَخْرَ اَوَّلُہٗ نُطْفَۃٌ وَاٰخِرُہٗ جِیْفَۃٌ** انسان بنی آدم کا فخر سے کیا واسطہ؟ جس کی ابتدأ نطفہ ہے اور انتہا مردہ ہے؟ پس اے انسان اپنی موجودہ حالت پر ناز نہ کر..خداوند کے کرم پر ناز کر اور اپنی جوانی پر گھمنڈ نہ کر بلکہ اس کی مہربانی کا شکر ادا کر جس نے ایک گندے پانی کی حیثیت سے نکال کر تجھے اشرف المخلوقات کی خلعت عطا فرمائی۔

نجس قطرہ کو مناسب ماحول میں اپنے ید قدرت سے اس کی تربیت فرمائی قطرہ سے خون بستہ پھر گوشت کا لوتھڑا پھر اس میں ہڈیوں پٹھوں رگوں اور خون کی نالیوں کا جال بچھایا، پھر تمام اعضأ اپنی اپنی جگہ پر فٹ کیئے اور ہر ایک عضو کا دوسرے سے کنکشن درست کیا اور اوپر چمڑے کا غلاف چڑھا دیا تا کہ ساری مشینری محفوظ رہے اور چار ماہ تک پوری فٹنگ کے بعد جب تک روح کا کنکشن آن نہ کیا نہ ماں کو خبر تھی کہ کیا ہے اور نہ باپ کو پتہ تھا کہ کیا ہے؟ جب روح کا کنکشن آن ہوا تو ماں سمجھی کہ خدائی دستر خوان پر آنے والا مہمانِ خصوصی عنقریب میری گود کی بھی زینت بنے گا، پس خوشیوں کی لہر دوڑ گئی..ابھی تک اس مہمان کی شکل کسی نے نہیں دیکھی، نہ نر یا مادّہ کا پتہ ہے..نہ یہ خبر ہے کہ وفادار ہو گا یا بے وفا؟ مومن ہو گا یا کافر؟ نیک ہو گا یا بد؟ خوبصورت ہے یا بدصورت؟ لیکن تمام احباب اس کی آمد کے منتظر اور اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کوئی جھولا تیار کر رہا ہے کوئی پوشاک بنا رہا ہے

غرضیکہ اے انسان تیری آمد سے پہلے یہ استقبالیہ پارٹی تیری خوش آمدید کیلئے چشم براہ ہے..دیکھے اور آزمائے بغیر ان کے دلوں میں تیری محبت ڈالنے والا کون ہے؟

اے انسان! تیرے جسم کے اعضأ کو جس مستحسن ترتیب سے میں نے جوڑا ہے کوئی ہے دنیا کا دانشمند جو میری اس فٹنگ میں عیب نکال سکے؟ اگر پاؤں میں کانٹا چبھے تو زبان سے ہائے نکلتا ہے آنکھ سے آنسو نکلتا ہے اور ہاتھ فوراً مقام حادثہ پر پہنچتا ہے..بتاؤ تکلیف تو وہاں تھی ان اعضأ کو کیسے پتہ چلا؟ معلوم ہوتا ہے کہ ہر عضو سے دوسرے عضو تک لطیف سا کنکشن ہے کہ ایک عضو کی تکلیف تمام اعضأ کو بے چین کر دیتی ہے۔

غالبًا اسی نسبت سے معصومؑ نے فرمایا کہ تم تمام مومنین جسم واحد کی طرح ہو جاؤ کہ جس طرح جسم کے ایک عضو کی تکلیف سب اعضأ کو متاثر کرتی ہے اسی طرح دنیا کے کسی حصہ میں مومنوں کو کوئی تکلیف پہنچے تو دنیا کے تمام مومنوں کو تڑپ جانا چاہئے۔

اے انسان! شکم مادر میں تیری غذا ماں کا خون تھا جب ماں کی گود کی زینت بنا تو تیری غذا کا وہ راستہ بند کر دیا گیا اور منہ کو تیری غذا کا راستہ بنایا اور ماں کا سینہ تیری غذا کا خزینہ بن گیا...شکم مادر میں منہ کے ذریعے غذا نہیں دی گئی کیونکہ وہ غذا زبان سے مس ہونے کے قابل نہ تھی، پس جب تک تو خدائی دسترخوان پر تھا تو تیری زبان کو اس نے نجس نہ ہونے دیا بلکہ غذا کا راستہ بدل دیا اب دنیا میں اس زبان کو نجس نہ کرنا کیونکہ یہ زبان ذکر خدا اور ذکر محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے لیے ہے۔

اسی لیے حدیث میں کہا گیا ہے کہ شیعہ کوے کی طرح لالچی نہیں ہوتا اور کتے کی طرح بھونکتا نہیں...یعنی منشأ خدا و رسول و آئمہ کے خلاف زبان کو استعمال کرنا بولنا نہیں بلکہ بھونکنے کے مشابہ ہے۔

شکم مادر میں تو بیمار تھا تو اللہ نے علاج کیا..بھوکا تھا تو اللہ نے رزق پہنچایا اور

تیرے تمام ضروریات کا کفیل وہی رہا..اب تیرے جوان و طاقتور ہونے کے بعد اس کی قدرت سے تو بعید نہیں ہے کیونکہ روح کا وہ کنکشن جس کے آن ہونے سے تجھے زندگی ملی اب بھی اُس کے ہاتھ میں ہے اگر چاہے تو آن رہنے دے اور چاہے تو آف کر دے، بچپنے میں..جوانی میں..بڑھاپے میں..سفر میں..گھر میں..بیمار کر کے یا تندرستی کی حالت میں جب چاہے وہ اس زندگی کے بٹن کو آف کر سکتا ہے لہذا اس کا شکر ادا کرو اور اس کی گرفت سے ڈرو۔

یہ انسان کس قدر جفا کار ہے؟ ہر ایک کا خوشی سے سلام کرتا ہے، سپاہی کا سلام..افسر کا سلام..دوست کا سلام..بزرگ کا سلام..ساتھی کا سلام..بلکہ ہر ایک کا سلام لیکن اگر سلام نہیں کرتا تو اس مہربان خالق کا جس نے سب کچھ مفت عطا فرمایا؟ سجدہ میں جا کر **سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡأَعۡلٰی وَ بِحَمۡدِہٖ** کہہ دینے سے اس کا حق عبودیت تو پورا نہیں ہوتا یہ تو صرف سلام اور اقرار ہے کہ میں تیرا عبد ہوں اور تو معبود برحق ہے۔

ہمارے عبادت کرنے سے اللہ کی شان میں اضافہ نہیں ہوتا اس کو ملائکہ کا سجدہ بڑھاتا نہیں اور ابلیس کا انکار گھٹاتا نہیں...حضرت ابراہیمؑ کا سجدہ فائدہ نہیں دیتا اور نمرود و فرعون کی سرکشی نقصان نہیں پہنچاتی...وہ عبادت سے بڑھتا نہیں اور نافرمانی سے گھٹتا نہیں، کیونکہ جو گھٹے یا بڑھے وہ خدا نہیں۔

دیکھئے..جو بیٹا اپنے باپ کو والد نہ کہے تو اس میں باپ کو کوئی نقصان نہیں بلکہ نقصان اسی بیٹے کا ہے جو باپ کو والد نہیں کہتا کیونکہ دنیا اس کو حرامی کہے گی، اسی طرح اللہ چاہتا ہے کہ میرے بندے دنیا میں مجھے یاد کر کے میرے بندے کہلائیں اور نافرمانی کر کے اور میرے حکم کے سامنے سرتابی کر کے شیطان کے نہ کہلائیں۔

ایک ہوٹل کے سامنے سے انسان گزر رہا ہو تو ہوٹل والا کتنی لجاجت اور خوشامد سے مدعو کرتا ہے؟ پھر ہوٹل کے ملازمین میز..کرسی..جگ..گلاس..بجلی کا پنکھا وغیرہ

سب طرح کی خاطر تواضع کر کے چائے کا پیالہ پیش کرتے ہیں جس سے مالک کو صرف ایک روپیہ وصول ہوتا ہے اور اگر وہ ایک روپیہ بھی معاف کر دے تو دل میں خوشی پیدا ہوتی ہے لیکن یاد رکھو! اس نے ایک روپیہ معاف کر کے اگر یہ شخص باضمیر ہے تو اس کے ضمیر کو خرید لیا ہے...اب جب بھی یہاں سے گذرے گا تو خود بھی اس کا پکا گاہک بن جائے گا اور دوست واحباب کو بھی اس ہوٹل سے شناسا کرائے گا اور آتے جاتے ہوٹل کے مالک کا سلام بھی کرے گا.....تو اگر اللہ کہے! اے مرے بندے جس نے تجھے صرف ایک روپیہ معاف کیا ہے اس کا تو آتے جاتے سلام کرتا ہے..میں اللہ جس نے تجھے ہر شئیے معاف کی ہے کبھی تو پیشانی زمین پر رکھ کر کہہ دیا کر **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی وَ بِحَمْدِہ؟**

دیکھیئے..کراچی کا ٹکٹ جیب میں ہو اور اسٹیشن پر دو گاڑیاں بیک وقت تیار ہوں ایک کا رُخ کراچی کی طرف اور دوسری پشاور جانے والی ہو تو یہ نہ کہو کہ جس گاڑی پر سوار ہوں گا وہی کراچی لے جائے گی؟ بلکہ اسی گاڑی پر بیٹھنا ہو گا جو کراچی کی طرف جارہی ہو..ورنہ اگر اسی ٹکٹ کے سہارے پشاور والی گاڑی پر بیٹھے حالانکہ اس کو اسٹیشن کا عملہ چیکر اور سواریاں سب کہتے رہیں کہ غلطی کر رہے ہو لیکن اپنی ضد پر اَڑا ہے کہ ٹکٹ بھی حکومت کی جاری کردہ اور گاڑی بھی حکومت کی لہذا جس گاڑی پر بیٹھ جاؤں کراچی پہنچائے گی تو یہ اس کی حماقت ہوگی، کیونکہ اس گاڑی پر سوار ہو گیا جو پشاور جارہی ہے اور راستہ میں چیکنگ ہو گئی تو جرمانہ بھی پڑے گا ہتک عزت بھی ہوگی.. پہلا ٹکٹ بھی ضائع اور کراچی جانے کے لیے گاڑی پھر وہی لینی پڑے گی جو کراچی جارہی ہوگی پس وقت بھی ضائع اور مقصد پر بھی لیٹ پہنچے گا۔

یہاں دنیا کے پلیٹ فام سے بیک وقت دونوں گاڑیاں روانہ ہیں ایک کا رُخ جنت کی طرف اور دوسری کا رُخ جہنم کی طرف..جنت کی گاڑی کے ذمہ دار

امام حسینؑ اور جہنم کی گاڑی کا ٹھیکدار یزید...اب اگر ٹکٹ علیؑ ولی اللہ کا ہے تو پہچان کر امام حسینؑ والی گاڑی میں سوار ہونے کی کوشش کرو یہ نہ کہو ٹکٹ علیؑ ولی اللہ کا ہے پس جس گاڑی میں بیٹھیں گے وہی جنت پہنچائے گی۔

بہر کیف قیامت کے دن اپنے امام کے ساتھ اُٹھنا ہوگا... ہر کمزور کو سہارے کی ضرورت ہوا کرتی ہے لیکن عقل کا تقاضا ہے کہ سہارا ایسا مضبوط ہو جو سہارا لینے والے کا بوجھ برداشت کر سکے، اگر آدمی کا سہارا ہے تو وہ آدمی خود بیمار نہ ہو..اگر دیوار کا سہارا ہے تو وہ گرنے والی نہ ہو..اگر لکڑی عصا کا سہارا ہے تو وہ بوسیدہ نہ ہو اگر سہارا کمزور ہوگا تو سہارا لینے والے کو بھی وہ لے ڈوبے گا۔

قیامت کے دن کے لیے امامت بھی وہ سہارا ہے جس میں کمزوری نہیں، یہ صرف گنہگاروں کا سہارا نہیں بلکہ معصومین کا بھی سہارا ہے..اُمتیوں کا سہارا نہیں بلکہ نبیوں کا بھی سہارا ہے، چنانچہ فرمان پیغمبرؐ ہے **یَا عَلِی! مِنْ اٰدَمَ اِلٰی عِیْسٰی تَحْتَ لِوَائِیْ وَ أَنْتَ حَامِلُ لِوَائِیْ** حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک تمام نبیوں کو میرے جھنڈے کے نیچے آنا پڑے گا اور تو میرے جھنڈے کو اُٹھانے والا ہوگا۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا جس شخص کے کانوں پر حضرت علیؑ کا نام آئے اور اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو تو اپنی ماں کا شکریہ ادا کرے کہ اس نے اس کے باپ کے حق میں خیانت نہیں کی؟

حضرت علیؑ کا نام بہت سے کانوں پر آتا ہے لیکن کلیجہ قسمت والوں کا ٹھنڈا ہوتا ہے..اور حضرت علیؑ کا نام شیعوں کی مخصوص علامت ہے، کیونکہ دوسرے جب مولا علیؑ کا نام لیں تو وہ ڈر ڈر کر اور شیعہ امام علیؑ کا نام لے گا ہنس ہنس کر، اسی طرح دوسرا آدمی حضرت علیؑ کا نام لے گا تو تاوان سمجھ کر اور شیعہ علیؑ علیؑ کرے گا ایمان سمجھ کر۔

حضرت علیؑ وہ امام ہیں جن پر امامت کو ناز ہے..مولا علیؑ وہ خلیفہ ہیں جن پر

خلافت کو ناز ہے..امام علیؑ وہ ولی ہیں جن پر ولایت کو ناز ہے..حضرت علیؑ وہ متدین ہیں جن پر دیانت کو ناز ہے..مولا علیؑ وہ امین ہیں جن پر امانت کو ناز ہے..امام علیؑ وہ ہمدم نبی ہیں جن پر نبوت کو ناز ہے..حضرت علیؑ وہ معاونِ رسول ہیں جن پر رسالت کو ناز ہے..مولا علیؑ وہ سخی ہیں جن پر سخاوت کو ناز ہے..امام علیؑ وہ بہادر ہیں جن پر شجاعت کو ناز ہے..حضرت علیؑ وہ عارف ہیں جن پر معرفت کو ناز ہے..مولا علیؑ وہ عابد ہیں جن پر عبادت کو ناز ہے..امام علیؑ وہ موحد ہیں جن پر وحدت کو ناز ہے..حضرت علیؑ وہ جنتی ہیں جن پر جنت کو ناز ہے.

تم بھی وہ شیعہ بنو جس پر شیعیت کو ناز ہو؟ لیکن یاد رکھو! سردار جس قدر عظیم ہو غلام کو اسی کی حیثیت سے رہنا پڑے گا..معمولی اور بلند سردار کا نوکر ہو تو اسی سردار کی حیثیت کے مطابق وضع رکھے گا تاکہ اس کا سردار جس بزم میں جائے یہ نوکر اس کے لیے شرم کا موجب نہ بنے۔

شیعو! تم مولا علیؑ کی غلامی کا دعویٰ کرتے ہو تو پہلے سوچو کہ امام علیؑ وہ سردار ہیں جو بزمِ اولیاؑ کی زنیت ہے..مولا علیؑ وہ سردار ہیں جو بزم ملکوت کی زینت..امام علیؑ وہ سردار ہیں جو بزم انبیاؑ کی زینت ہیں، جن کے پیچھے حضرت شیثؑ سے امام مہدیؑ تک تمام اولیاؑ ہوں اور جن کے تابع حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاؑ ہوں تم اگر غلام ہو تو کم از کم اس قدر اپنی وضع بناؤ کہ حضرت آدمؑ و حضرت نوحؑ کے دوش بدوش کھڑا ہونا پڑے تو تمھیں جگہ مل سکے.....امام علیؑ کا شیعہ ہو اور بے نماز ہو اس کا کوئی جوڑ نہیں...حضرت علیؑ کا شیعہ ہو اور خمس وزکواۃ کا پابند نہ ہو یہ کوئی جوڑ نہیں.

آیئے...مولا علیؑ کی نماز اور امام حسینؑ کی نماز سے درس لیجئے کہ آخری وقت میں ابوثمامہ صیداوی نے خواہش کی کہ آپ کے پیچھے نماز پڑھ لیں؟ تو آپ نے اُسے دعا دی کہ خدا تجھے نمازیوں میں کر کے اُٹھائے۔

امام علیؑ نے بھی نماز ادا کی اور امام حسینؑ نے بھی نماز پڑھی لیکن بہت فرق ہے؟ میں کہا کرتا ہوں کہ مطمئن ماحول میں خضوع وخشوع ممکن اور آسان ہے لیکن ہر اعتبار سے ناساز اور غیر مطمئن ماحول میں خضوع وخشوع ناممکن اور مشکل ہے، ایک تکلیف بھی ہو تب بھی خضوع وخشوع ختم ہو جاتا ہے؟

امام حسینؑ پر جتنی مشکلات..تکالیف..دکھ..درد وغیرہ کا تصور ہو سکتا ہے سب آئے، تکالیف ہر قسم کی آئیں من جملہ روحانی تکالیف..جسمانی تکالیف..احباب کی تکالیف..اصحاب کی تکالیف..وہ کونسی تکلیف ہے جو مولا پر نہ آئی؟

ہر قسم کی گرمی..ملک کی گرمی..سورج کی گرمی..پیاس کی گرمی..بلکہ یوں کہوں کہ قاسم کی پائمالی کی گرمی..اکبر کی برچھی کی گرمی..زینب کے بین کی گرمی..اصغر کے تیر کی گرمی..عباس کے بازوؤں کی گرمی..سکینہ کی یتیمی کی گرمی، یہ سب صحرائے کربلا میں ریگ کربلا پر اکٹھی تھیں تب بھی تپتی ہوئی تربت کربلا پر ہاتھ مار کر تیمّم کر کے فرماتے ہیں اللہ اکبر؟

اب بہتّر شہدائ کے درمیان کھڑے ہو کر نماز کیلئے اللہ اکبر کہنا یہ امام حسینؑ کا کام تھا، اور اتنی پر کیف..پرسکون..پرفیض اور اطمینان خاطر نماز پڑھی کہ سجدہ ریز ہو کر فرماتے ہیں:

تَـرَکْـتُ الْـخَـلْـقَ طُـرًّا فِـیْ هَـوَاکَ
وَ أَیْتَـمْـتُ الْـعَـیَـالَ لِـکَـیْ أَرَاکَ

امام مظلومؑ بہتّر شہدائ کی لاشوں کے درمیان اور برستے ہوئے تیروں کے درمیان...بہنوں..بھتیجیوں..بیٹیوں اور مخدّرات عصمت کے اجتماع میں کھڑے ہو کر فرماتے ہیں کہ اے پروردگار اور اے معبود حقیقی! میں ان تمام کو چھوڑ سکتا ہوں ان کی اسارت کو سہہ سکتا ہوں مگر تیرے دین کو یزید کے حوالے نہیں کر سکتا؟

یہ امام حسینؑ کا وہ مقام ہے کہ جس نے سب مخلوقات کو بحرِ تعجب میں غوطہ لگوایا اور انگشت بدندان ہو کر صفِ انبیاؑ آدمؑ تا عیسیٰؑ یہ کہنے پر مجبور ہوئی کہ حسینؑ جو کچھ تو نے انجام دیا یہ کسی کے بس کی بات نہیں۔ تو نے انبیاؑ کی محنت کو پائمالی سے بچایا، نانا کی شریعت کو پائمال نہ ہونے دیا۔

اب شاہِ شہیداں کی تکلیف ایک نہیں.. درد ایک نہیں بلکہ کئی تکالیف اور دردوں میں گھرے ہوئے ہیں اور پہلے عرض کر چکا ہوں کہ خضوع وخشوع تب ہوتا ہے جب درد و تکلیف نہ ہو لیکن امام مظلومؑ ہر درد کے باوجود خضوع وخشوع کی وہ نماز پڑھ رہے ہیں کہ اگر شاہِ نجف بھی کربلا آئیں تو انہیں بھی کہنا پڑے گا کہ اَشْهَدُ أَنَّکَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلٰوةَ یہ زیارت مطلقہ کے الفاظ ہیں مطلب یہ کہ حسینؑ میں نجف سے گواہی دینے آیا ہوں کہ نماز تو نے پڑھی۔

امام علیؑ نے بھی زکواۃ میں انگوٹھی دی اور امام حسینؑ نے بھی زکواۃ میں انگوٹھی دی. لیکن زکواۃ دینے کے ماحول میں بھی بڑا فرق تھا.

امام علیؑ نے زکواۃ دی مسجد میں اور امام حسینؑ نے زکواۃ دی میدان میں.

امام علیؑ نے زکواۃ دی سائے میں اور امام حسینؑ نے زکواۃ دی دھوپ میں.

امام علیؑ نے زکواۃ دی انگلی بچ گئی اور امام حسینؑ نے زکواۃ دی انگلی کٹ گئی.

اسی لئے جب بہن مقتل میں آئی اور شاہِ شہیداں کے لاشے کو خاکِ کربلا پر دیکھا تو پوچھا کہ اے مہر رسالت کے شہسوار! یہ بتا کہ تیرے ایک ہاتھ کہ انگلیاں پانچ ہیں اور دوسرے کی چار؟ یہ پانچویں انگلی کدھر گئی؟

اب ذرا مولا علیؑ اور امام حسینؑ کی زندگانی کا موازنہ تو نہیں بلکہ ایک تخیل پیش کرتا ہوں؟

حضرت علیؑ سے شجاعت میں کوئی نہیں بڑھ سکتا لیکن شجاعت کیلئے سازگار ماحول

چاہیے منجملہ یہ کہ تندرستی ہو..وہ بہادر کیسے جنگ کرے گا جس کا جسم تندرست نہ ہوگا؟

دیکھیئے مولا علیؑ جنگ خیبر میں گئے لیکن جب تک ان کی آنکھ میں تکلیف رہی حضور اکرمؐ نے انہیں میدان جنگ میں جانے ہی نہیں دیا اسلیئے کہ جس غازی یا مجاہد کے جسم میں کسی قسم کی تکلیف ہو اسے میدان جنگ میں نہیں بھیجا جاتا؟

جب آخری دن کہ اسلام کے بدنام ہونے کا خطرہ تھا اسی دن مولا علیؑ کو رسالتمآبؐ نے بلایا اور آنکھ کی تکلیف کے لئے چشمِ علیؑ میں لعابِ وحی سے دستِ نبی نے سرمہ ڈالا..آنکھ کی تکلیف دور ہوئی تب میدان میں جانے کی اجازت ملی، اب مولا جنگ خیبر میں گئے ایسے حال میں کہ ہر اعتبار سے مطمئن تھے..مولا علیؑ نے سواری مانگی تو رسول اکرمؐ نے گھوڑا پیش کیا۔

امام حسینؑ نے جب سواری طلب کرنے کا ارادہ کیا تو بہن درِ خیمہ پر کھڑی دیکھ رہی تھی، کس سے مانگتے؟ کون باقی بچا؟

امام علیؑ نے جب گھوڑا مانگا تو انہیں خود بنفس نفیس رسالتمآبؐ نے سوار کیا.

امام حسینؑ سوار ہونا چاہتے ہیں لیکن کوئی سوار کرانے والا بچا نہیں.

پس امام حسینؑ نے دائیں اور بائیں دیکھا **نَظَرَ يَمِينًا وَّ شِمَالًا** پھر فرمایا **يَا فُرْسَانَ الْهَيْجَاءِ مَا لِيْ اُنَادِيْكُمْ فَلَا تُجِيْبُوْنِيْ** اے میرے شہسوارو! میں تمہیں بلا رہا ہوں اور تم میرے بلانے پر نہیں آتے؟

امام علیؑ نے تلوار مانگی تو پیغمبر اکرمؐ نے پیش کی.

امام حسینؑ نے تلوار مانگی تو زینب عالیہ درِ خیمہ پر آئی.

امام علیؑ جب میدان میں گئے دائیں جبریل بائیں میکائیل آگے عزرائیل پیچھے اسرافیل اور سر پر رحمت خدا ساتھ محمد مصطفیٰؐ کی دعا.

جب امام حسینؑ میدان میں گئے ایک طرف علی اکبرؑ کا لاشہ..کہیں قاسمؑ کا

لاشہ.. کہیں عباس باوفا کا لاشہ.. ہر طرف سے لاشوں میں گھر کر میدان میں گئے؟
امام علیؑ نے درِ خیبر میں ہاتھ ڈالا اور درِ خیبر کو اٹھا کر پھینکا.
میں عرض کروں گا یا علیؑ! خیبر کے دروازے میں ہاتھ ڈال کر درِ خیبر کو پھینکنا قوۃِ یداللھی کے سامنے مشکل نہیں ہاں البتہ علی اکبرؑ جیسے نورِ نظر.. لختِ جگر.. ہمشکل پیغمبر کے سینے میں لگی ہوئی برچھی میں ہاتھ ڈالنا بڑا مشکل ہے؟
امام مظلومؑ آخری وقت جبکہ زخموں سے چور تھے اور بدن پر تیروں کے بے حد زخم تھے دشتِ کربلا میں اشقیائ کے سامنے جا کر استغاثہ کرنے لگے.. چنانچہ:
پہلا استغاثہ کیا: **هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ يَّنْصُرُنَا** تو ایک تیر نے پیشانی کو بوسہ دیا!
دوسرا استغاثہ کیا: **هَلْ مِنْ مُّغِيْثٍ يُّغِيْثُنَا** تو ایک تیر نے لب مبارک کو زخمی کیا!
تیسرا استغاثہ کیا: **هَلْ مِنْ مُّعِيْنٍ يُّعِيْنُنَا** تو تیر جفا گلوئے نازنین پر لگا!
آخری استغاثہ کیا: **هَلْ مِنْ ذَابٍ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰه** تو سہ شعبہ تیر سینے پر لگا اور اس کی نوکیں مڑی ہوئی تھیں وہ سامنے سے نہ کھینچا جا سکا پس پیچھے ہاتھ لے گئے اور اسے کھینچا. موقعہ پا کر ایک ظالم نے پہلو میں نیزہ مارا کہ آپ زین ذوالجناح سے زمین کربلا پر گر پڑے۔
بیشک اس موقعہ پر حضرت زہراؑ کی روح نے بڑھ کر گود میں لیا ہوگا... تیروں پر کافی دیر تک رہے پس زمین پر پہنچے تو آخری وداع کیلئے خیام کی طرف روانہ ہوئے **فَجَعَلَ يَنُوْءُ وَ يَنْكَبّ** یعنی بمشکل اٹھتے تھے اور گر پڑتے تھے خدا معلوم خیمہ کے در پر کیسے پہنچے؟
پھر پچھلی طرف پلٹ گئے اور بقولے آواز دی **يَا اُخْتَاهُ** اے بہن زینبؑ! چنانچہ بہن آئی تو بھائی سامنے نظر نہ آیا... پس واپس گئی دوبارہ نحیف آواز سے فرمایا **يَا اُخْتَاهُ** تو دوبارہ در خیمہ پر آئی لیکن بھائی نظر نہ آیا... اب جو تیسری بار امام حسینؑ

نے صدا دی تو برقعہ پہنا اور خیمہ سے باہر آئی اور خیمہ کی پچھلی جانب آ کر دیکھا تو خدا کسی بہن کو بھائی کی یہ حالت نہ دکھائے جو حضرت زینبؑ نے امامؑ کی دیکھی۔

ایک ہاتھ کمر پر ہے اور دوسرا ہاتھ چوبِ قنات پر ہے..گردن جھکائے ہوئے ہیں، ہر زخم سے خون بہہ رہا ہے اور کہہ رہے ہیں زینبؑ تیسری دفعہ آواز دے رہا ہوں لیکن جواب نہیں دیتی؟ پس روکر بہن نے عرض کیا میں تو حاضر ہوں کیا حسینؑ تو ہے؟ جو سر سے پاؤں تک خون میں گلگون ہے؟ فرمایا ہاں نانا کی امت نے یہ حال بنا دیا پھر فرمایا اے بہن! اگر کوئی کپڑا ہے تو میری پیشانی والے زخم پر پٹی باندھ دو، شاید خون روک کر سکینہؑ اور باقی سادانیوں سے وداع کرنا چاہتے ہوں گے؟ بی بی نے روکر عرض کیا ہوگا حسینؑ بھیا! تیرے کس کس زخم پر پٹی باندھوں؟ جب کہ سرتاپا کوئی جگہ زخموں سے خالی نہیں ہے۔

بقولے...جب حضرت علیؑ کے سر پر امام حسینؑ نے اپنے عمامہ سے پٹی باندھی تھی تو حضرت علیؑ نے فرمایا تھا بیٹا حسینؑ تو خوش نصیب ہے تیرا بابا زخمی ہے اور تو پٹی باندھ رہا ہے لیکن جب تو زخمی ہوگا تیرا بیٹا تجھے پٹی نہ باندھ سکے گا؟

بقولے... بی بی نے عرض کیا بھیا! مجھے ماں کی وصیت پوری کرنے دیجئے گردن جھکایئے تاکہ میں گردن کا بوسہ لوں؟ جب بی بی نے بھائی کی گردن کو بوسہ دیا تو امام حسینؑ نے فرمایا بہن! مجھے بھی اجازت دیجئے کہ تیرے سر کے بالوں کو بوسہ دے دوں؟ چنانچہ انہوں نے سر سے چادر کا دامن ہٹایا اور امامؑ نے بوسہ دیا۔

آخر میں امام حسینؑ نے فرمایا بہن زینبؑ! **لا تُنسِینِی فِی صَلوٰۃِ اللَّیل** مجھے نماز تہجد میں نہ بھولنا..پس بی بی نے ہر منزل پر نماز تہجد کو جاری رکھا..خواہ کس قدر ہی مشکل سفر تھا اور زندانِ شام میں بیٹھ کر نماز ادا کرتی رہیں۔

چنانچہ امام سجادؑ نے پھوپھی زینبؑ سے وجہ پوچھی تو فرمایا قیدیوں کے لیے کھانا

اتنا مختصر آتا ہے کہ اگر ہم خود اپنا حصہ پورا لیں تو یتیم بچے بھوکے رہ جاتے ہیں؟ پس جب سے شام میں آئی ہوں پانی سے گزارہ کر رہی ہوں..لہذا جسم میں کھڑے ہو کر نماز کی طاقت نہیں رہی؟

لہذا شیعو! نماز کو ہرگز قضا نہ کیا کرو..ورنہ کیا جواب دو گے؟

وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ

لٹن کیتے بے وارثاں کوں جڈاں فوجی در تے آ گئے
ظلم تو ڈریاں سیدانیاں دے کمسن بچے گھبرا گئے
ایہہ جیاں ظلم دیاں بھائیں لگیاں کل خیمے رنگ بدلا گئے
قرآن دیاں تفسیراں توں بے دین غلاف لہا گئے

پچیسویں مجلس

یَوۡمَ نَدۡعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمۡ

(اس دن کو یاد رکھو) جس دن ہم سب لوگوں کو اپنے اپنے امام کے ساتھ بلائیں گے..امام کے معنی ہیں آگے چلنے والا پس آگے چلنے کا وہی حقدار ہے جو راستے سے انجان نہ ہو۔

کس قدر دانشمند ہیں وہ لوگ جو خود تو اندھے ہوں لیکن ان کا پیشوا (امام) آنکھیں رکھتا ہو اور کتنے احمق ہیں وہ آنکھوں والے جو آنکھوں کے باوجود نابینے کے پیچھے چلنا پسند کریں۔

کس قدر نیک بخت ہے وہ شخص جس کو اللہ نے حضرت علیؑ جیسا امام عطا فرمایا ہے حالانکہ یہ مقام حضرت ابراہیمؑ نے اللہ سے مانگ کر لیا تھا..جب عالم ملکوت کی حضرت ابراہیمؑ کو سیر کرائی گئی تو زیر عرش ایک تصویر نور کو دیکھا، پس دریافت کیا کہ یہ کس کی تصویر ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ تیری پوتی..سلطان الانبیاءؐ کی شہزادی..میری کنیز خاص فاطمہ زہراؑ کے نور کی تصویر ہے،تو حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا اس کے سر پر نورانی تاج کیا ہے؟ تو جواب دیا گیا یہ اس کے والد حضرت خاتم الانبیاءؐ کا نور ہے، پھر پوچھا اس کے گلے میں نورانی ہار کیا ہے؟ تو جواب ملا یہ اس کے پاک شوہر علیؑ بن ابی طالبؑ کا نور ہے، پھر عرض کیا اس کے کانوں میں وہ نورانی گوشوارے کون ہیں؟ تو جواب ملا یہ اس کے دو شہزادوں حسنؑ و حسینؑ کا نور ہے، پھر پوچھا ان کے گرد نو نور کن کے ہیں؟ تو جواب ملا اس کی اولاد میں سے نو اماموں کے انوار ہیں،

پس عرض کیا کہ ان چودہ کے گرد تا حد نگاہ انوار کن کے ہیں؟ تو جواب ملا یہ ان کے قیامت تک ہونے والے شیعوں کے انوار ہیں، تو حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا اے اللہ! مجھے ان چودہ کے شیعوں میں سے کر کے اُٹھانا..... پس شیعوں کی نسبت حضرت علیؑ کی طرف ہے بلکہ ان کی پہچان یہی ہے کہ مولا علیؑ کے شیعہ ہیں پس ان کو ایسے کردار سے گریز کرنا چاہیے جس کو دیکھ کر حضرت علیؑ بیزار ہو جائیں۔

چنانچہ مسجد کوفہ سے نکلتے ہوئے چند آدمیوں نے حضرت علیؑ کو سلام عرض کیا تو آپ نے دریافت فرمایا تم کون ہو؟ تو وہ کہنے لگے ہم لوگ آپ کے شیعہ اور حبدار ہیں، تو آپ نے فرمایا **مَا لِیْ لا أریٰ فِیْکُمْ سِیْمَا الشِّیْعَۃِ** میں حیران ہوں کہ تم میں شیعوں کی ایک بھی علامت موجود نہیں؟ تو وہ کہنے لگے شیعوں کی کیا علامتیں ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ان کی آنکھوں میں خوفِ خدا کی وجہ سے آنسوؤں کی نمی ہوا کرتی ہے.. پیشانی سجدۂ ربانی کی گواہ ہوتی ہے.. ماہِ رمضان کے روزوں سے ان کے پیٹ پشت سے ملے ہوتے ہیں، ایسا نہ ہو جس طرح عام لوگوں میں ایک فقرہ مشہور ہے: **کھادی رَکھ تے پیتی رَکھ** .... **دم حیدرؑ حیدرؑ کیتی رَکھ**
امامؑ نے فرمایا شیعو! ہماری زینت بنو ہمارے لیے داغ مت بنو؟

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا میرے والد حضرت امام محمد باقرؑ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی شہر میں دس ہزار لوگوں کی آبادی ہو اور ہمارے شیعوں میں سے صرف ایک گھر ہو تو وہ ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر باہر کا مسافر آ کر پوچھے کہ اس شہر میں کوئی دیانتدار.. مہمان نواز.. عبادت گزار آدمی موجود ہے؟ تو ۹۹۹۹ گھر اسی ایک گھر کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ وہ ایک گھر ہے اگر چہ ہے شیعہ؟

دیکھیئے... ہم اگر بدمعاش امام پسند نہیں کرتے تو ہمارا امام بھی بدمعاش غلام کو پسند نہیں کرتا، جس طرح کہ امام حسینؑ نے اعلانِ جنگ کے بعد اپنی فوج کو چھٹی

دے دی اور کافی آدمی چھوڑ کر چلے گئے..گویا امام اس سخت ترین وقت مین بھی فوج کی چھانٹی کر کے واضح کرنا چاہتے تھے کہ ہمیں بھرتی کی ضرورت نہیں بلکہ ہمارے موالی تھوڑے ہوں تو بیشک ہوں لیکن جو ہوں وہ حبیب بن مظاہر کی طرح ہوں۔

ابوثمامہ صیداوی نے عرض کیا حضور! ہم چاہتے ہیں کہ آخری نماز آپ کی اقتدأمیں ادا ہو جائے تو آپ نے دعا دی اللہ تجھے نمازیوں میں سے کرے کہ تو نے اس مشکل وقت میں بھی نماز کو یاد کیا ہے؟ جب ہماری پہچان ہی مولا علیؑ کے نام سے ہے تو ہم ایسا کام کیوں کریں جس سے ہمارا امام ناراض ہو؟ اور قیامت کے دن امت کا حساب امام ہی کے ذمہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کرسیٔ عدالت پر نہیں بیٹھے گا کیونکہ جو کرسی پر بیٹھتا ہے کرسی اس کی ٹیک بنتی ہے اور جو ٹیک کا محتاج ہو وہ خدا نہیں؟ پس کرسی عدالت پر امام علیؑ ہوں گے۔

چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا حدیث وسیلہ میں ہے ایک منبر نصب ہوگا جس پر میں ہوں گا اور اس کے ساتھ دوسرے منبر پر علیؑ تشریف فرما ہوں گے..رضوانِ جنت اور دربانِ جہنم دونوں جنت اور جہنم کی چابیاں میرے قدموں میں ڈالیں گے تو وہ میں حضرت علیؑ کو دے دوں گا..پس علیؑ اپنے موالیوں کو جنت میں اور دشمنوں کو جہنم میں پھینکے گا۔

مروی ہے کہ پل صراط جو جہنم کے اوپر ہوگی جب لوگ اوپر سے گزریں گے تو مولا علیؑ دوزخ کو خطاب کر کے فرمائیں گے کہ وہ تیرا ہے اسے ہڑپ کر جا اور یہ میرا ہے اس کو چھوڑ دے..اس لیے حضرت علیؑ کا لقب ہے **قَسِيمُ النَّارِ وَالْجَنَّةِ**.

شیعوں کی پہچان نام علیؑ سے اس طرح ہے کہ مثلاً کوئی تاریک رات میں کسی راستہ پر جا رہا ہو اور دائیں یا بائیں کہیں سے آواز اس کے کان میں پہنچے یا علیؑ، اگرچہ اس نے اس کو دیکھا نہیں..نہ قد و قامت معلوم..نہ نر و مادہ کی خبر..نہ جن و انس

کا پتہ ہے..صرف نام علیؑ سن کر یہ آدمی خود فیصلہ کرے گا کہ جو بھی ہے..ہے شیعہ۔

اسی طرح کسی بچے کا نام غلام علی یا غلام حیدر وغیرہ ہو تو فوراً فیصلہ کرے گا کہ کسی شیعہ کا بچہ ہے کسی مکان کے دروازہ پر نام علی لکھا دیکھے تو پوچھنے کی ضرورت نہیں خود بخود سمجھ جائے گا کہ شیعہ کا گھر ہے اور مسجد کے دروازہ پر نام علی دیکھے تو ہر بندہ یہی فیصلہ کرے گا کہ یہ شیعہ کی مسجد ہے قرآن کے پہلے خالی ورق پر نام علی لکھ دیا جائے تو ہر قرآن اٹھانے اور پڑھنے والا سمجھ جائے گا یہ قرآن بھی کسی شیعہ کا ہے.....حد یہ ہے کہ کلمہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه پڑھ کر خاموش ہو جائے تو کہا جائے گا کہ مسلمانوں والا کلمہ ہے اور اگر بعد میں کہہ دیا جائے کہ عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰه تو کہا جاتا ہے پورا کلمہ شیعوں کا ہے..حالانکہ پہلے دو حصوں پر تو اتفاق تھا کہ وہ مسلمانوں کا کلمہ ہے؟ گویا معلوم ہوا جس کلمہ توحید کے بعد علیؑ کا نام ہو وہ کلمہ توحید شیعوں کا ہے اور جس کلمہ رسالت کے بعد علیؑ کا ذکر ہو وہ کلمہ رسالت شیعوں کا ہے، اذان میں بھی اگر اللہ اکبر سے لا الہ الا اللہ تک درمیان میں علیؑ کی ولایت کی گواہی نہ ہو تو اذان عام مسلمانوں کی ہے اور ولایت علیؑ کی گواہی آجائے تو اذان شیعوں کی ہے آجکل تو بسوں اور کاروں پر بھی نام علیؑ لکھا دیکھ کر آسانی سے پہچان کی جاسکتی ہے کہ ان کا مالک یا ڈرائیور شیعہ ہے۔

اگر مولا علیؑ کا نام سن کر گھبرانے والوں سے پوچھا جائے کہ تم لوگ یہ نمازیں..روزے..حج..زکواۃ..خیرات وصدقات تو اسی لیے ہی انجام دیتے ہو کہ بہشت نصیب ہو لیکن جب تمہارا خیال ہے جہاں علیؑ ہو وہ شئے شیعوں کی ہوتی ہے تو پہلے کسی سے پوچھ تو لو کہیں جنت کے دروازہ پر کرسی علیؑ کی نہ ہو؟

ہاں ہاں.....وہاں حضرت علیؑ کا ڈیرہ ہوگا اور قسیم جنت وہی ہوں گے، یہاں نام علیؑ سننے سے طبیعت گھبراتی ہے وہاں تو خود بنفس نفیس موجود ہوں گے پھر تم اتنا

ہی کرسکو گے کہ اِدھر سے آنکھیں بند کر کے اگلے گھر (جہنم) چلے جاؤ گے اور شیعانِ علیؑ نعرۂ حیدری لگاتے ہوئے اسی گھر (جنت) میں داخل ہو جائیں گے۔

حضرت علیؑ جس کا نام ہی علیؑ ہے اس کی عظمت کا کیا کہنا؟ علیؑ کا معنی ہے بلند..کس سے بلند؟ کتنا بلند؟ یہ نام رکھنے والا ہی بتائے گا؟ لیکن یاد رہے یہ نام ابوطالبؑ اور فاطمہ بنت اسد نے تجویز نہیں کیا ہے اور نہ ہی حضرت محمد مصطفیٰؐ نے رکھا بلکہ یہ نام اس نے رکھا ہے جس نے علیؑ کو علیؑ بنایا ہے۔

اَمینۂ امامت والدۂ حضرت علیؑ جناب فاطمہ بنت اسد اپنے بیت الشرف میں آرام فرما تھیں کہ توحید کی مخصوص وائرلیس کے ذریعے خفیہ طور پر کان و کان اطلاع پہنچی میری امانت کی ادائیگی کا وقت قریب ہے میرے گھر آ کر میری امانت ادا کیجئے؟ چنانچہ امینۂ امامت نے اپنے بیت الشرف سے بیت اللہ کا قصد فرمایا، پہنچ کر مقامی دستور یا حضرت عبدالمطلبؑ کے قانون کے مطابق کعبہ کا طواف شروع کیا ابھی طواف پورا نہیں ہوا تھا کہ فوری طور پر امانت کی ادائیگی کا مطالبہ شروع ہوا، دیکھا در بند تھا تو پچھلی طرف دیوار کا سہارا لے کر بی بی نے عرض کیا اے اللہ! تجھ پر اور تیرے خلیل اپنے جدّ حضرت ابراہیمؑ پر بھی ایمان رکھتی ہوں تجھے اس مولود کا واسطہ جو میرے شکم میں ہے ادائیگی امانت کی گھڑی آسان فرما اور اس کے اسباب خود مہیا فرما... چنانچہ کعبہ کو جنبش ہوئی اور فوراً پریشانی ہٹی..مشکل کٹی..دیوار پھٹی اور شہرِ علم کے دَر کے لیے نیا در کشادہ ہوا اور صاحبِ خانہ کی دعوتِ خصوصی پر مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے اندر داخل ہوئیں تو جناب آسیہؑ و حضرت مریمؑ کے ہمراہ حورانِ جنت نے بڑھ کر استقبال کیا، دیوار مل گئی اور در بند ہوا تو تاریکی میں نورِ پروردگار کی کرنوں نے اجالا کر دیا، امانت ادا ہوئی..اضطراب ختم ہوا..حورانِ جنت نے ولی اللہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور تین دن مسلسل دسترخوانِ توحید پر مہمان رہیں پھر

مرخص ہوئیں تو کس انداز سے؟ جہاں سے آتے ہوئے در کھلا تھا اسی مقام سے پھر درکشادہ ہوا اور امینۂ امامت اب متاعِ امامت کو بصورتِ ناطق قرآن جنتی غلافوں میں لپیٹ کر اپنے سینے کا تعویز بنائے ہوئے باہر نکلیں۔

جب بی بی اندر گئی تھیں تو باہر بیٹھے ہوئے سردارانِ قریش عباس بن عبدالمطلب اور ابوجہل مخزومی حیران ہو رہے تھے کہ باشعور مستور نے سنت عبدالمطلب کے خلاف آدابِ کعبہ کو نظر انداز کر کے طواف کو ادھورا کیوں چھوڑا؟ دیکھا دروازہ ویسے کا ویسے بند ہے اور قفل لگا ہوا ہے..قدموں کے نشان ایک مقام پر رُک گئے کہ آگے بڑھی نہیں اُوپر کو چڑھی نہیں پس دریائے حیرت میں ڈوب گئے کہ واپس ہٹی نہیں..زمین پھٹی نہیں..دروازہ کھلا نہیں تو کہاں گئی ہوں گی؟

چنانچہ یہی خبر پورے مکہ میں پھیلی اور زن و مرد صحن بیت اللہ میں جمع ہو گئے جتنے منہ اتنی باتیں اور بی بی کے باہر آنے تک تین دن مسلسل یہی چرچا رہا اور لطف کی بات یہ ہے کہ جس کے گھر کا معاملہ تھا اور جس کی ناموس موضوعِ گفتگو تھی (ابوطالب) وہ آرام سے اپنے گھر رہے، اب تیسرے دن جو باہر تشریف لائیں اور لوگوں کا ہجوم دیکھا فوراً کھڑی ہوگئیں اور خطاب کر کے فرمایا مَنۡ مِثۡلِی میری مثل کون ہوسکتا ہے؟ یعنی حضرت حوؑا سے آج تک کی کوئی عورت اس شرف میں میرے ہم پلہ نہیں ہوسکتی کہ میں مسلسل تین دن کے لیے دسترخوان توحید پر بلائی گئی اور پاک مستورات میری خدمت کے فرائض انجام دیتی رہیں... بیشک حضرت مریمؑ کیلئے ایک دن کے لیے کھانا آیا تھا لیکن اسے نہ بلایا گیا بلکہ کھانا پہنچایا گیا اور میری طرف کھانا نہیں لایا گیا بلکہ مجھے خود دسترخوانِ توحید پر بلایا گیا۔

میں نہیں سمجھ سکا کہ حضرت مریمؑ کا قصہ تو سورۂ آلِ عمران میں ہے اور ابھی تک وحی کا نزول نہیں ہوا تھا بلکہ دس سال بعد ہونا تھا تو امام علیؑ کی والدہ نے سورہ

آلِ عمران میں بیان ہونے والے حضرت مریمؑ کے قصہ کو کس سے پڑھا تھا؟

اب تین دن تک گھر میں خاموش بیٹھے رہنے والے کو جتلانے والی ذات نے ظاہری اسباب کے بغیر جتلا دیا اور وہ از خود ولی اللہ فرزند کے استقبال کے لیے بسوئے کعبہ روانہ ہوئے اور راستہ میں ملاقات ہوگئی.. اُدھر مشامِ امامت میں حضرت ابوطالبؑ کی پاکیزگی کی خوشبو مہکی تو یداللہی معصوم ہاتھوں کو جنبش دی تو جنتی غلافِ وجہ اللہی چہرۂ انور سے ہٹاتے ہوئے بابا کے چہرہ کی زیارت کرتے ہوئے دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھ کر عرض کیا **اَلسَّلامُ عَلَیکَ یَا اَبَتَاہ** حضرت ابوطالبؑ نے بڑھ کر مولا علیؑ کو ہاتھوں میں لیا اور سینہ سے لگایا گھر پہنچے دونوں وجہ اللہ کا دیدار کر کے خوش تھے کہ نام رکھنے کی تجویز پیش ہوئی تو غالباً فاطمہ بنت اسد کا خیال تھا کہ اس کا نام اسد ہو اور ابوطالب کا خیال تھا کہ نام ہاشم ہو لیکن مہذب خاندان کے مہذب فرد نہ تو ایک دوسرے کی دل شکنی گوارا ہے اور نہ زبردستی اپنا نظریہ دوسرے پر ٹھونسنا ان کا دستور ہوتا ہے...تو حضرت ابوطالبؑ نے کہہ دیا کہ اس کا نام وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ رکھے گا، یعنی تم بھی اپنا خیال چھوڑ و اور میں بھی اپنا نظریہ ترک کرتا ہوں اگر یہ ہمارے گھر پیدا ہوتا تو نام ہم رکھتے اب جس کے گھر میں پیدا ہوا ہے نام بھی وہ خود رکھے گا.. چنانچہ درِ کعبہ پر پہنچے دہلیز کعبہ پر ہاتھ رکھا اور دوسرے ہاتھ میں ولی اللہ کو تھاما پس حضرت ابوطالبؑ گویا ہوئے:

یَا رَبَّ هٰذَا الْغَسَقِ الدُّجٰی وَالْقَمَرِ الْمُبَلَّجِ الْمُضِیْ

اے اس تاریک رات اور روشن چاند کا پروردگار

بَیِّنْ لَنَا مِنْ أَمْرِکَ الْخَفِیّ مَاذَا نُسَمِّیْ ذٰلِکَ الصَّبِیْ

اپنا مخفی امر واضح فرما کہ ہم اس بچے کا نام کیا رکھیں

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس وقت مکہ کے رؤسا اور صنادید قریش کے جم

غفیر میں حضرت ابو طالبؑ اپنے بچے کا نام پوچھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے تاریک رات اور روشن چاند کا پروردگار تو ہی بتا کہ اس بچے کا نام کیا ہونا چاہئے؟ تو مشرکین مکہ کے سامنے اللہ کی ربوبیت کا اعلان کرنا اور ان کے خداؤں کو نظر انداز کرنا حضرت ابوطالبؑ کا جرأت مندانہ اقدام تھا.. مشرکین مکہ غالباً اسی دن سے سمجھ گئے تھے کہ اس کا دین اور ہے اور ہمارا دین اور ہے اور اگر آج بھی اس دور کے مشرک دوبارہ زندہ ہو جائیں تو ان کو حضرت ابوطالبؑ کی توحید پرستی پر شک نہ ہوگا کیونکہ وہ اپنے کانوں اعلانِ نبوت سے دس سال پیشتر حضرت ابوطالبؑ کی توحید پرستی کا اعلان سن چکے تھے.. پس ان مشرکوں سے بدتر ہیں وہ لوگ جو اب بھی حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کا انکار کرتے ہیں۔

بہر کیف حضرت ابو طالبؑ کی التجا ختم ہوئی اور توحید کی طرف سے جوابی کلمات فوراً فضا میں گونجے.. حضرت موسیٰ کے لیے درخت زیتون کے پتے اور وادئ مقدس کے کنکرے زبانِ توحید بن کر گویا ہوئے تھے اور حضرت ابوطالبؑ کے لیے مسجد الحرام کا ہر ذرّہ.. فضا کا ہر لمحہ اور کعبہ کا ہر گوشہ زبانِ توحید بن کر گونجا، اتنے ہی کلمات.. وہی قافیہ.. وہی ردیف اور وہی وزن آواز آئی:

خَصَّصُتُمَا بِالُوَلَدِ الذَّکِیّ الطَّاهِرِ الُمُنتَخَبِ الرَّضِی

تمہیں ذکی فرزند سے مخصوص کیا گیا جو طاہر برگزیدہ پسندیدہ ہے

اِسُمُهُ مِنُ شَامِخٍ عَلِیّ عَلِیٌّ ن اشُتُقَّ مِنَ الُعَلِی

اس کا نام بلند اللہ کی طرف سے علیؑ ہے جو علیؑ سے مشتق ہے

یعنی تمہیں معمولی بچہ نہیں بلکہ ذکی فرزند عطا کیا گیا ہے.. یہ کفر و شرک کی نجاستوں سے وہاں جا کر پاک نہ ہوگا بلکہ پاک کر کے بھیجا گیا ہے، یہ دنیا میں چناؤ کا محتاج نہیں ہم نے اس کو چن کر بھیجا ہے اور یہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ کا محتاج نہیں

ہے بلکہ ہم نے اس کو اپنے دفتر رضا کا انچارج کر کے بھیجا ہے..میں خود علی ہوں لہذا اس کا نام بھی علیؑ رکھ دیجئے۔

پس حضرت علیؑ تو وہ امام ہے جس طرح امام ہونے کا حق ہے ہمیں بھی ایسا غلام بننا چاہیے جس طرح غلام ہونے کا حق ہے۔

ہمارے مذہب میں توحید و نبوت و امامت کے لیے شرائط و حدود ہیں، ہم خدا اس کو مانتے ہیں جس میں خدائی صفات موجود ہوں..جو ہونی چاہییں وہ صفاتِ ثبوتیہ ہیں اور جو نہیں ہونی چاہییں وہ صفاتِ سلبیہ ہیں، اسی طرح نبی بھی ہر دعویدار کو ہم نہیں مانتے بلکہ اس کے لیے شرائط اور اوصاف ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ معصوم ہو ہم غیر معصوم کو قطعاً نبی ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں.

شیعوں کے نزدیک ایک اہم شرط ہے کہ نبی کافرزادہ نہ ہو نہ اس کا باپ کافر ہو اور نہ ماں کافرہ ہو..اگر کافرزادہ ہوگا تو نبی نہیں ہوگا اور اگر نبی ہے تو کافرزادہ نہ ہوگا۔

نبی اپنی امت کو والدین کی اطاعت کا حکم دیتا ہے اور اگر خود اس کے اپنے ماں باپ کافر ہوں..پس اگر ان کی اطاعت نہ کرے تو لوگوں کو ماں باپ کی اطاعت کا حکم نہیں دے سکتا اور اگر خود ان کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اعلانِ نبوت کے خلاف ہے کیسے ان کی اطاعت کرے گا؟

ہمارا جاہل اور نادان بچہ بھی دودھ کو نجس برتن میں ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ اسے پتہ ہے کہ دودھ اللہ کی نعمت اور اس کی رحمت ہے اگرچہ بازاری قیمت کے لحاظ سے ایک روپے کا ہے...تو جب ہمارا جاہل بچہ اللہ کی ایک روپیہ کی قیمتی نعمت اور رحمت کو نجس برتن میں ڈالنا نعمت کی توہین سمجھتا ہے تو خالق کائنات نے نور محمدی کو جس کے سر پر انبیاؑ کی سلطانی کا تاج ہے نجس رحموں یا نجس صُلبوں میں کیسے رکھا؟

ہم میں سے کوئی آدمی جب قرآن بازار سے خریدنے کے لیے جاتا ہے تو

پہلے گھر میں دیکھتا ہے کہ قرآن کے شایانِ شان کوئی اس کے رکھنے کی جگہ بھی ہے؟ اگر گھر میں جگہ نہیں ہے تو اس کی جگہ بنائے گا پھر قرآن کو لائے گا.. جب اس صامت قرآن کو ناموزوں مقام پر رکھنا ایک عام آدمی برداشت نہیں کرسکتا تو خالق کائنات نے مناسب صلب اور مناسب رحم کی تخلیق کے بغیر نورِ محمدی کو (جس نے عالم کو پاک کرنا تھا) کیسے خلق فرمایا؟

جس طرح نبوت کے لیے شرائط ہیں اسی طرح ہمارے نزدیک امامت میں شرائط کا ہونا ضروری ہے.. پس جس طرح کسی کافر کا بیٹا نبی نہیں ہوسکتا اسی طرح کسی کافر کا بیٹا نبی کا قائم مقام اور اس کا مسند نشین نہیں ہوسکتا؟ پس حضرت علیؑ کی تمام اُمہات فاطمہ بنت اسد سے لیکر حضرت حوّاؑ تک اور تمام آبا حضرت ابو طالبؑ سے لیکر حضرت آدمؑ تک پاک تھے۔

تو شیعہ ہونے کے لیے بھی اوصاف ہیں.. کچھ ثبوتیہ اور کچھ سلبیہ، یعنی مومن کے صفات جو بیان کئے گئے ہیں اس میں ہونے چاہئیں اور وہ صفات جو مومن کی شان سے بعید ہیں ان سے اس کو پرہیز کرنا چاہیے تاکہ بروزِ محشر اگر ہم خوش ہوکر کہیں کہ مولا علیؑ ہمارا امام ہے تو مولا علیؑ بھی بسم اللہ کر کہے یہ میرا غلام ہے۔

دیکھئے... کربلا کے مجاہدین نے اپنے کردار سے واضح کر دیا کہ شیعہ کیسے ہونا چاہیئے؟ پس تھوڑے تھے لیکن یزیدیت کے ایک بڑھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرتے ہوئے خود کٹ گئے لیکن راہِ حق سے کوئی طاقت انہیں ایک انچ بھی ہٹا نہ سکی؟ آخر کار یزیدیت کا آسمان بوس قلعہ دھڑام سے گرا اور پاش پاش ہوا اور حسینیت کا پرچم آج تک بلند ہے اور بلند رہے گا.. حسینی عزادار و حسینؑ نمازیوں کا امام ہے۔

دیکھئے... آپ ہر شبیہ کا احترام کرتے ہیں امام حسینؑ کے جواں فرزند نے بھی ایک شبیہ چھوڑی ہے اور وہ ہے اذان، تو اس مسجد میں ہونے والی اذان کو علی اکبرؑ کی

اذان کی صدائے بازگشت سمجھ کر لبیک کرلیا کروتا کہ شہزادہ علی اکبر کی روح تم پر راضی ہواور جس کے حق میں علی اکبر نے سفارش کردی وہ یقیناً جنتی ہے۔

آیئے دیکھئے امام حسینؑ کے کم سن نوعمر بچے بھی نماز کو قضا نہیں ہونے دیتے تھے

حضرت امیر مسلمؑ کے دو کم سن بچوں کا حال آپ ہمیشہ سنتے رہتے ہیں کہ انہوں نے آخری وقت میں بھی دو رکعت نماز ادا کرنے کی قاتل سے درخواست کی تھی، ایک سال برابر قید میں رہے... قید سے آزاد ہوئے تو کوفہ سے باہر رات کو نکل نہ سکے، پس ایک درخت پر چڑھ گئے، حارث کی کنیز پانی بھرنے کے لیے آئی تو دو نورانی پرتو پانی میں دیکھ کر اوپر نگاہ کی تو دو ہاشمی چاند نظر آئے.. پوچھا کون ہو؟ بتایا ہم امیر مسلمؑ کے دو یتیم ہیں اور ابن زیاد کے ظلم کے ڈر سے درخت پر چھپ کر بیٹھے ہیں رات ہوگئی تو شہر سے نکل جائیں گے..اس نے عرض کیا کہ میری گھر کی مالکہ مومنہ ہے آؤ تمہیں اس کے پاس لے چلوں؟ وہ تمہاری خدمت کرے گی، چنانچہ درخت سے اُترے اور اس کے ہمراہ مومنہ کے گھر وارد ہوئے۔

حضرت امیر مسلمؑ کے فرزند سمجھ کر مومنہ نے بہت عزت کی کھانا پیش کیا اور رات کو الگ کمرہ میں ان کو جگہ دی.. بچے سو گئے، آدھ رات ڈھلے حارث گھر میں آیا جو تھکے ہوئے کتے کی طرح ہانپ رہا تھا مومنہ نے پوچھا کیا خبر ہے؟ کہنے لگا کہ امیر مسلمؑ کے دو فرزند ابن زیاد کی قید سے بھاگ گئے ہیں اور بہت زیادہ انعام ان کی گرفتاری پر مقرر ہوا ہے...سارا دن مارا مارا پھرتا رہا لیکن کہیں ان کا نشان نہ ملا اسلئے تھکا ہوا ہوں، فوراً مجھے کھانا دو تاکہ کچھ آرام کر کے پھر ان کی تلاش میں نکلوں؟ مومنہ عورت نے منتیں کیں کہ اولادِ رسول کی دشمنی سے باز آجاؤ لیکن جھڑک دے کر اس کو خاموش کردیا۔

روٹی کھا کر سویا ہی تھا کہ دوسرے کمرے سے رونے کی آواز بلند ہوئی

شہزادوں نے عالم خواب میں رسولؐ اللہ کی زیارت کی جب کہ وہ حضرت امیر مسلمؑ سے فرمارہے تھے کہ تم اپنے بچوں کونرغہ اعدائمیں چھوڑ کرآ گئے ہو؟

پس بچوں نے یہ خواب دیکھ کرایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر رونا شروع کیا تو حارث نے اپنی بیوی سے پوچھا یہ رونے کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟ مومنہ نے جواب دیا کسی ہمسایہ کے بچے ہوں گے یہ کہنے لگا اگر ہمسایہ کے ہوتے تو ان کوکوئی تسلی دینے والا ہوتا؟ ماں پیار کرتی.. باپ محبت کرتا..یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی لاوارث بچے ہوں جن کو دلاسہ دینے والا کوئی نہیں ہے، پس اُٹھا اور اس قریبی کمرے میں داخل ہوا..دیواریں ٹٹولتا ہوا آگے بڑھتا گیا اچانک اس کے ہاتھ شہزادوں کے سروں پر پڑے..ہائے اس ظالم نے کیا سلوک کیا ہوگا؟

پوچھا کون ہو؟ بچوں نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا تیرے مہمان ہیں سیدزادے ہیں..امیر مسلمؑ کے یتیم ہیں..پس بچوں کی زلفوں میں ہاتھ ڈالا اور کھینچا تو دونوں یتیموں کے قدم زمین سے بلند ہوگئے، یہ ظالم کہنے لگا میں سارادن تمہیں ڈھونڈتا رہا ہوں اور مجھے پتہ نہ تھا کہ تم میرے گھر میں موجود ہو؟

پس ان کو بقولِ مشہور...ایک ستون سے باندھ دیا اور خود ساری رات سوتا رہا بچے کراہتے رہے..روتے رہے..بلبلاتے رہے..صبح سویرے ان کوقتل کرنے کے لیے چلا، پہلے اپنی بیوی بیٹے کوقتل کیا اور دریا کے کنارے پر لے آیا کہا قمیص اُتارو بچوں نے معذرت کی تو اس نے ظلم کیا بچے رورو کر چپ کر گئے۔

بقولے...یتیموں نے کہا اگر توطمعِ زرودولت کے لیے ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے تو بازار میں جا کر ہمیں فروخت کردے اس لیے کہ ہم حضرت یوسفؑ سے حسن میں کم نہیں؟ انعام سے بڑھ کر تجھے پیسہ ملے گا، لیکن اس ظالم نے ایک نہ سنی آخرکار ایک کوقتل کیا..لاش پانی میں رک گئی پھر دوسرے کوقتل کیا اور دریا میں ڈالا، دونوں

بھائیوں کی لاشیں اکٹھی ہوگئیں...خدا جانے مسیّب کیسے پہنچیں حالانکہ دریا کا پانی اُدھر سے ہی آتا ہے؟

بہرکیف دربار ابن زیاد میں دونوں سروں کولایا گیا جبکہ خون میں غلطان تھے، تخت پر سروں کو رکھا ابن زیاد نے پوچھا کیا ہے؟ اس نے کہا مسلمؑ کے یتیموں کے سر ہیں، ابن زیاد نے کہا میں نے ان کے زندہ گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا تو نے ان کو قتل کیوں کیا ہے؟ پس حکم دیا کہ اس کو اسی جگہ لے جا کر قتل کردو جہاں اس نے بچوں کو ذبح کیا ہے..پس ایک مومن کو موقعہ ملا اس نے اس کو وہیں جا کر قتل کیا اور لاش کو دریا میں پھنکا لیکن دریا نے اس کی لاش کو قبول نہ کیا..پس لکڑیوں کا انبار لگا کر اوپر رکھا اور اس کے نجس مردہ کو جلا کر خاکستر کردیا۔

بقولے...ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان سروں کو دھو کر کوئی لے آئے، چنانچہ ایک مومن نے ان دونوں سروں کو جھولی میں لیا اور گھر لایا..زوجہ نے کہا گوشت لانا تھا تو الگ کپڑا لے جاتا؟ اس قمیص کو نجس کیوں کردیا؟ کہنے لگا اس خون کو تو نہیں سمجھتی عام گوشت نہیں امیر مسلمؑ کے دو یتیموں کے سر ہیں دھونے کیلئے مانگ لایا ہوں۔

پس مومنہ نے طشت میں رکھا اور اوپر پانی ڈالا مدت کے گرد آلود بال تھے جو خاک وخون میں لت پت تھے..طشت کا پانی سب سرخ ہوگیا..دھو بھی رہی تھی اور بارگاہِ بتول میں رو رو کر عرض بھی کررہی تھی، اے حسینؑ کی ماں اس کنیز پر ناراض نہ ہونا کہ تیرے دو یتیموں کے خون میں میرے بھی آج ہاتھ رنگین ہیں، لیکن آپ کی خوشنودی کے لیے ان کو نہلا رہی ہوں۔

پس دھو کر سروں کو طشت میں رکھا.. بالوں پر کنگھی کی..آنکھوں میں سرمہ لگایا اور چاند سے چہروں کو دیکھ کر ماتم کیا ہائے تمہاری ماں دیکھتی تو اس کا کیا حال ہوتا؟ پس اوپر رومال ڈال دیا اور وہ مومن اٹھا کر دوبارہ ابن زیاد کے دربار میں حاضر ہوا۔

جب سروں کو تخت پر رکھا گیا تو ابن زیاد ملعون اگرچہ بہت سنگ دل تھا لیکن تڑپا اور کئی بار اٹھا اور بیٹھا؟ کہنے لگا جب پہلی دفعہ میں نے ان کے چہرے دیکھے تھے تو بالکل بے داغ تھے لیکن آج دیکھ رہا ہوں سیاہ داغ موجود ہیں؟ ممکن ہے شہیدوں کے گلوئے بریدہ سے آواز آئی ہو ظالم ہمارا قاتل ساری رات ہمیں ستون سے باندھ کر طمانچے مارتا رہا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْن

تیڈے ظلم دے دام وچ آ گئے ہیں کینہ پاسے جا نہیں سگدے
اساں مل ناہیں سگدے مامے کوں کوئی حال ڈسا نہیں سگدے
ساکوں قید نے کر کمزور ڈتا کھڑ رات نبھا نہیں سگدے
کر منہ پولہے کجھ رسیاں دے ہتھ پیر ہلا نہیں سگدے

چھبیسویں مجلس

هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ

کیا برابر ہیں وہ جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے؟ اللہ تعالیٰ نے انسانی ضمیر کو جھنجھوڑ کر فیصلہ طلب کیا ہے کہ کیا تمہاری عقلیں یہ فیصلہ کرسکتی ہیں کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے سب ایک جیسے ہیں؟ یقیناً تمہارا ضمیر اور تمہاری عقل اس برابری کی قائل نہ ہوگی۔

کیا دھوپ اور سایہ برابر ہیں؟ کیا ظلمت و نور برابر ہیں؟ کیا غمی و خوشی برابر ہیں؟ جس طرح یہ برابر نہیں اسی طرح حلال و حرام برابر نہیں.. خبیث و طیب برابر نہیں اور عالم و جاہل برابر نہیں۔

برابری کا قائل وہی ہوسکتا ہے جس میں عقل نہ ہو کیونکہ اگر ہر شئے کے افراد برابر ہوتے تو عقل کو پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

ہم نیک و بد.. مومن و منافق اور مسلم و کافر کو برابر نہیں سمجھتے پس مومن سے محبت اور منافق سے نفرت فطری امر ہے اور اسی کی دوسری تعبیر ہے تولّیٰ و تبرّیٰ، یعنی نیک سے محبت اور بد سے نفرت۔

پیغمبر اکرمؐ کے بعد سارے صحابی برابر نہیں کیونکہ سب صحابہ نے وقتاً فوقتاً مولا علیؑ سے مسائل دریافت کئے اور کسی بڑی یا چھوٹی کتاب میں کسی قوی یا ضعیف راوی نے نقل نہیں کیا کہ کبھی حضرت علیؑ نے بھی کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا ہو؟ پس صحابہ کا حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرنا اور مولا علیؑ کا کسی کی طرف رجوع نہ

کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ سب برابر نہیں تھے.. بلک حضرت علیؑ عالم قرآن اور مرجع خلائق تھے۔

عالم و جاہل برابر نہیں ہوسکتے...شارحِ نہج البلاغہ نے (عَلٰی مَانُقِلَ عَنہُ) خطبہ میں عجیب فقرہ کہا ہے سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ قَدَّمَ الۡمَفۡضُوۡلَ عَلٰی الۡفَاضِل منزہ ہے جملہ عیوب سے وہ اللہ جس نے فاضل پر مفضول کو ترجیح دی..وہ اپنی تجویز کردہ خلافت کے صحیح ہونے پر اللہ کو بھی اپنے ساتھ شامل کر رہا ہے اور اللہ کے عیوب کی نفی میں مفضول کی فاضل پر ترجیح کا ذکر کیا (اس احمق کو یہ نہ سوجھی کہ مفضول کو فاضل پر ترجیح دینا کتنا بڑا عیب ہے) اس کے بعد حضرت علیؑ کے فاضل ہونے پر اس نے استدلال بھی کیا کہ صفاتِ متضادہ تو انسان میں جمع نہیں ہوسکتیں اور صفاتِ کمال میں سے بعض متضاد ہیں جو جمع ہوسکتیں جیسے شجاعت اور رحم۔

لیکن حضرت علیؑ وہ ذات ہے جو صفاتِ متضادہ کا جامع ہے کہ مثلاً رحیم بھی ہے اور شجاع بھی ہے..یعنی رحمدل بھی ہے اور سخت دل بھی ہے، حالانکہ دل ایک ہے یا سخت ہوتا ہے یا نرم اور اللہ کا جبار قہار اور ستار غفار ہونا اپنے مقام پر ہے کہ وہ دل نہیں رکھتا؟ اب مولا علیؑ کا ان صفاتِ متضادہ کا جامع ہونا اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت علیؑ عام انسانوں سے بلند تر ہے اور مظہر ذاتِ پروردگار ہے۔

مصلائے عبادت پر حضرت علیؑ سے زیادہ نرم دل نظر نہیں آتا اور میدان میں علیؑ سے بڑا بہادر کوئی نہیں....صرف لیلتہ الہریر میں ایک طرف ایک ہزار دشمنان دین بھی قتل کیے اور مصلائے عبادت پر ایک ہزار رکعت نماز بھی ادا فرمائی۔

اس قدر ذکر کرنے کے باوجود پھر مفضول کو فاضل پر ترجیح دینا اس کو نصیب ہوا اور یہ ترجیح خدا نے نہیں دی کیونکہ ظلم ہے اور ظلم سے اللہ پاک ہے بلکہ یہ ترجیح ان لوگوں نے دی جن کی نگاہوں میں ظلم و عدل یکساں ہیں...ہم شیعہ لوگ مفضول کو

ترجیح دینا تو درکنار..مفضول کو فاضل کے جوتے کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔

مجھ سے ایک فاضل غیر شیعہ نے سوال کیا تھا کہ تمہارے نزدیک خلافت کا معیار کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ فاضل ہونا..پس ایک مولوی کی زبان سے نکلا اگر فاضل ہونا معیار خلافت ہے تو ہم جیت گئے اور تم ہار گئے، کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد تمام امت سے فاضل وہ تھا جس کو ہم نے خلیفہ مانا ہے اور اس کے فاضل ہونے کی دلیل ہے پیغمبر اکرمؐ کا فرمان کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ شخص ہوتا؟ اس پر دوسرے نے کہا کہ حدیث تو حضرت عمر کے متعلق ہے لیکن وہ مصرّ رہا کہ حضرت ابوبکر کو حضورؐ نے فرمایا تھا ان کا جھگڑا بڑھا تو میں نے کہا فضول جھگڑ رہے ہو میرے نزدیک وہ دونوں ایک جیسے تھے خواہ یہ پیشگوئی اوّل کے حق میں ہو یا ثانی کے حق میں ہو؟ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کے نزدیک نبوت کا معیار کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا آپ ہی بتا دیں..تو میں نے کہا شیعہ مذہب میں نبوت کا معیار کم از کم یہ ہے کہ زندگی کے کسی حصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی مشرک نہ رہا ہو تو انہوں نے کہا اس معیار کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں...تو میں نے پھر سوال کیا کہ اس معیار نبوت کا خود حضرت پیغمبر اکرمؐ کو علم تھا یا نہ تھا؟ اگر نہ تھا خود ہی نبی کیسے بن گئے؟ جن کو معیار نبوت کا بھی پتہ نہ ہو اور اگر آپ کو اس معیار کا پتہ تھا تو کسی ایسے شخص کے متعلق نبوت کی پیش گوئی کیسے دے سکتے ہیں؟ جو چالیس سال تک مشرک رہا ہو؟ لہذا آپ کی بیان کردہ حدیث خواہ اوّل کے حق میں ہو یا ثانی کے حق میں ہو غلط ہے اور جھوٹ ہے اور پیغمبر اکرمؐ کی طرف ایسی حدیث کی نسبت دینا پیغمبر اکرمؐ کی ناقدر شناسی ہے اس کا ان کے پاس جواب کوئی نہ تھا۔

پھر مجھ سے سوال کیا گیا کہ مذہب شیعہ کے حق ہونے کی دلیل کیا ہے؟

میں نے کہا توحید و نبوت و عقیدہ قیامت وغیرہ میں تو ہمارا اختلاف نہیں

اختلاف صرف مسئلہ خلافت میں ہے؟

لہذا اب میں سوال کرتا ہوں کہ مذہب یقین کا نام ہے یا شک کا نام ہے؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ مذہب یقین کا نام ہے تو میں نے کہا کہ شیعہ مذہب کے حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس کی خلافت بلافصل کے شیعہ قائل ہیں شیعوں کو سو فیصد یقین ہے اور جس کی خلافت کے آپ قائل ہیں آپ کو یقین نہیں ہو سکتا وہ کہنے لگے کیسے؟

میں نے کہا یقین وہ ہے جس پر انسان بلا دریغ قسم کھا سکے ہمارا ادنیٰ سے اعلیٰ.. جاہل سے عالم تک.. ہر صغیر و کبیر.. ہر جگہ.. گھر میں.. مسجد میں.. روضہ رسول کے سامنے اور کعبہ کے اندر یا چھت پر برملا قرآن اٹھا کر قسم کھا سکتا کہ حضرت علیؑ امام برحق ہیں لیکن یہ قسم تم لوگ نہیں اٹھا سکتے اس لیے کہ یقین وہ ہے جو دو طرفہ ہو اور وہ صرف شیعوں کے پاس ہے۔

اس نے کہا کہ ہمارا بھی یقین ہے کہ جس کی خلافت کے ہم قائل ہیں وہ برحق تھا میں نے کہا اپنے نفس کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا، میں خالی کاغذ کو جیب میں رکھ کر ہزاروں کو قائل کر سکتا ہوں کہ میرے جیب میں ایک سو کا نوٹ ہے لیکن ہزاروں کو قائل کرنے کے باوجود اپنے نفس کو قائل نہیں کر سکتا کہ یہ سو کا نوٹ ہے بلکہ مجھے میری ضمیر بھی ملامت کرتی رہے گی کہ جھوٹ ہے.. فریب ہے.. دھوکا ہے، میں نے کہا اگر ایک شخص کے متعلق سارے شہر والے حلفیہ بیان دے کر کہیں کہ یہ چور نہیں ہے لیکن وہ خود پولیس کے سامنے چوری کا اعتراف کرلے تو ان لوگوں کے یقین و حلف کا کیا مقام رہے گا؟ میں ایک شخص کے متعلق کہوں کہ وہ سید ہے لیکن وہ خود انکار کر دے تو میرے یقین کی کیا قیمت ہوگی؟

دیکھئے ہمیں یقین ہے کہ اللہ ایک ہے اور ہم حلفیہ کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے

اور یہ یقین دوطرفہ ہے کیونکہ اللہ نے بار بار اعلان فرمایا ہے کہ میں ایک ہوں، اسی طرح ہمارا یقین محمد رسول اللہ یکطرفہ نہیں بلکہ دوطرفہ ہے وہ خود بھی اپنی رسالت کا بار بار حلفیہ اعلان فرما چکے ہیں اور ہمارا یقین ہے کہ حضرت علیؑ محمد مصطفیٰؐ کے برحق جانشین ہیں تو مولا علیؑ بھی حلفیہ بیان دے چکے ہیں کہ میں ان کا برحق جانشین ہوں چنانچہ منبر پر آتے ہی فرمایا **اَلْاٰن رَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی مَحَلِّه** کہ اب حق اپنے مقام پر پلٹ کر آ گیا یعنی محمد مصطفیٰؐ حق تھے اور اب میں آ گیا ہوں تو گویا پلٹ کر حق دوبارہ اپنے مقام پر پہنچ گیا ہے۔

پس ہمارا یقین اور ہماری حلف دوطرفہ ہے لیکن اپنے خلیفہ کے متعلق اگر آپ حلف اٹھا بھی لیں کہ وہ برحق جانشین پیغمبرؐ تھے وہ خود قطعاً حلف نہیں اٹھا سکتے کہ میں ان کا برحق جانشین ہوں.. چنانچہ انہوں نے اپنی خلافت کے پہلے دن بھی اپنی نااہلیت کا اعلان فرمایا کہ میں خود اس کے اہل نہیں ہوں تم لوگوں نے مجھے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے، اگر مجھ سے غلطی سرزد ہو تو وہ شیطان کی طرف سے ہوگی پس مجھے سیدھا کر لینا اور زندگی کے آخری دن بھی عبدالرحمٰن بن عوف کے سامنے اعتراف کیا کہ کاش میں رسول اللہ سے پوچھ لیتا کہ اس مقام کا اہل کون ہے؟ پس جس کو پہلے دن یقین نہیں ہے اور نہ اڑھائی سال کے بعد آخری دن یقین ہے تو آپ لوگوں کو چودہ سو سال کے گزرنے کے بعد کس نے یقین دلایا کہ وہ برحق جانشین پیغمبرؐ تھا؟ اور اس یکطرفہ یقین کی قیمت کیا ہوگی؟

دیکھئے جس شخص (عمر) نے پہلے دن اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس نے اپنے دور خلافت میں برسر منبر کہا تھا **اِنَّ بَيْعَةَ أَبِیْ بَكْرٍ كَانَتْ فَلْتَةً وَقَى اللّٰهُ شَرَّهَا** یعنی حضرت ابوبکر کی بیعت غیر آئینی تھی (فراڈ) تھا جس کے انجام بد سے اللہ نے بچا لیا خبردار... اس قسم کی غلطی کو پھر نہ دہرایا جائے؟ (یعنی ہم غلط اور ناجائز

خلیفہ بنالیں تو گرفت سے بالاتر ہیں اور کوئی دوسرا آدمی ایسا قدم اٹھائے تو وہ قابل گرفت ہوگا) اب دیکھئے کہ جس نے اس کو خلیفہ بنایا تھا جب اس کو یقین نہیں بلکہ اس کے حق نہ ہونے کا یقین تھا تو آپ کو سینکڑوں برس کے بعد اس کے برحق ہونے کا یقین کیسے ہوگیا؟

پس ہم سب کے برابر ہونے کے قائل نہیں بلکہ حضرت علیؑ برحق جانشین پیغمبرؐ ہیں اور آنے والا وقت بتائے گا جب ادھر پردہ غیبت اٹھا کر پیغمبر اکرمؐ کا آخری جانشین آئے گا اور ادھر سابق انبیأ میں آخری نبی حضرت عیسیٰؑ چرخِ چہارم سے اتریں گے وہ بتول مریمؑ کا بیٹا اور یہ بتول زہراؑ کا فرزند..پس صحن بیت اللہ میں اکٹھے ہوں گے تو امام مہدیؑ کہیں گے اے چچا عیسیٰؑ نماز پڑھاؤ تو حضرت عیسیٰؑ معذرت پیش کریں گے اور جرأت نہ کریں گے۔

پس جب محمدؐ رسول اللہ کے مصلیٰ پر کھڑے ہونے کی ایک نبی جرأت نہیں کر سکتا تو اس مقام پر کوئی دوسرا خاکی آدمی کیسے کھڑا کیا جاسکتا ہے؟ اور جب حضرت عیسیٰؑ حضرت محمدؐ کے آخری وصی کو نماز نہیں پڑھا سکتا تو کوئی خاکی حضرت محمدؐ کے بلافصل وصی مولا علیؑ کو نماز کیسے کیسے پڑھا سکتا ہے؟

اگر حضرت عیسیٰؑ کے سامنے سابق کے تمام نبی ہوتے تو سب حضرت عیسیٰؑ کی اقتدأ میں نماز ادا کرتے اور حضرت عیسیٰؑ اقتدأ کرے گا امام مہدیؑ کی اور حضرت مہدیؑ نماز پڑھیں گے امام حسن عسکریؑ کے پیچھے اور یہ سلسلہ بڑھتا ہوا امام حسنؑ و امام حسینؑ تک پہنچے گا وہ نماز پڑھیں گے حضرت علیؑ کے پیچھے...اب مڑ کر دیکھئے تو مولا علیؑ کے پیچھے سابق کی کل نبوتیں اور آنے والی کل امامتیں موجود ہیں لہذا حضرت علیؑ اگر اقتدأ کریں گے تو حضرت محمد مصطفیؐ کی۔

ہمارے ہاں ایک غریب آدمی شیعہ ہوا تو لوگوں نے بائیکاٹ کر دیا پس

مولویوں کو لائے کہ اس کو واپس راہِ راست پر لاؤ.. چنانچہ جب لوگ اکٹھے ہوئے تو مولویوں نے اس بات پر زور دیا کہ بھائی تم توبہ کرلو؟ اس نے کہا کس سے توبہ کروں؟ انہوں نے کہا مذہب شیعہ سے، اس نے کہا مجھے صرف ایک بات کا جواب دو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہر آدمی اپنے امام کے ساتھ محشور ہوگا تو اس کا جواب شیعہ تو یہ پیش کرتے ہیں کہ ہمارے گیارہ اماموں کے بھی امام حضرت علیؑ ہیں اور مولا علیؑ کے امام خود نبی کریم ہیں.. یہ تو سب نبی کے پیچھے ہوں گے لیکن مذہب اہل سنت کے چار فرقے ہیں اور ہر فرقہ اپنے اپنے امام کے ساتھ اٹھے گا لیکن یہ بتاؤ کہ ان چار اماموں کا امام کون ہے؟ جس کے پیچھے یہ امام اٹھیں گے؟ اس لیے کہ پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ سے ان کے زمانہ تک کافی فاصلہ ہے؟ اس دلیل کا ان مولویوں کے پاس جواب نہ تھا اور شرمندہ ہوکر اٹھے اور کہا کہ اس کے ساتھ بات کرنا گناہ ہے کیونکہ یہ نہیں مانتا۔

ہم لوگ صحابہ کے قائل ہیں اور صحابہ کا بھی احترام کرتے ہیں لیکن سب کو برابر نہیں سمجھتے... ہم صرف اُن کا احترام کرتے ہیں جو آلِ محمد علیہم السلام کا احترام کرتے ہیں اور جن کے دلوں میں آلِ محمد علیہم السلام کا احترام نہیں ہمارے دلوں میں ان کا احترام نہیں؟ اگر آلِ محمد علیہم السلام کا احترام نہ کرنا ان کا قابل معافی جرم ہے تو ان کا احترام نہ کرنا ہمارے لیے قابل معافی کیوں نہیں؟

نظامُ الدین اولیاؒ دِلّی والے سے مرید نے کہا آپ بھی ولی ہیں اور حضرت علیؑ بھی ولی ہیں تو فرق کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تم جس شہر میں ہو وہاں کا رئیس کیا کھاتا ہے؟ اور تمہاری غذا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا اس کی غذا گندم اور ہماری بھی گندم.. پس نظام الدین اولیاؒ بولے کہ پھر تم میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ جبکہ غذا دونوں کی ایک ہے؟ مرید نے جواب دیا بڑا فرق ہے کہ جو گندم اس کی غذا ہے

وہ اس کی ذاتی جاگیر سے ہے اور جو گندم ہماری غذا ہے وہ اس کے دروازہ سے گدا کردہ ہے، پس نظام الدین اولیاؒ نے فوراً جواب دیا یہی فرق ہے ہماری اور امام علیؑ کی ولایت میں..کہ مولا علیؑ کی ولایت ان کی ذاتی جاگیر ہے جو کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی اور ہماری ولایت اُن کے درِ فیض سے گدا کردہ ہے۔

حضرت علیؑ بھی جنتی ہیں اور صحابہ بھی...لیکن مولا علیؑ جنت کے مالک ہیں اور صحابہ وہی جائیں گے جن کو خود امام علیؑ بھیجیں گے، اسی طرح صحابہ کوثر پیئیں گے لیکن وہ جن کو مولا علیؑ دیں گے؟ وہ پینے والے اور امام علیؑ پلانے والے، لہذا جب داتا موجود ہے تو گداگر سے گدا کرنے کا کیا جواز؟

ہم محمد مصطفیٰؐ کی آل کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے جو اُن کا غلام ہم اس کے غلام ہیں، اپنی اولاد کے قاتل کو معاف کر سکتے ہیں لیکن رسول اکرمؐ کی اولاد کے قاتلوں کو نہ ہمارے بزرگوں نے معاف کیا اور نہ آج ہم معاف کرتے ہیں اور نہ قیامت تک ہماری نسلیں معاف کریں گی۔

ہمارے پاس کیا بچ گیا؟ جب ہماری مخدوم زادیاں قید ہوگئیں؟

کہتے ہیں کہ اونٹوں میں ایک خاکستری رنگ کا اونٹ تھا جو اپنی بولی میں کچھ کہتا تھا اور سارے اونٹ روتے تھے..جب جناب فضہ نے یہ ماجرہ ذکر کیا تو بی بی زینب عالیہؑ نے فرمایا گرچہ نانا کی امت نے ہماری قدر نہیں کی لیکن یہ اونٹ جانتے ہیں کہ ہم رسولؐ زادیاں ہیں، پس وہ اونٹ دوسروں سے بیان کرتا ہے کہ خبردار تمہارے اوپر امام حسینؑ کی بہنیں..بیٹیاں..مخدرات سوار ہوں گی تیزی سے قدم نہ اٹھانا تاکہ بیبیوں کو تکلیف نہ ہو؟ پس وہ سارے سن کر رو رہے ہیں...لیکن ہائے افسوس وہ ظالم تازیانے مار مار کر اونٹوں کو تیز دوڑاتے تھے کہ بچے گر جاتے تھے اور بیبیاں فریاد کرتی رہتی تھیں..لیکن کوئی سنتا نہ تھا۔

چنانچہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک کافی بچوں کی قبریں راستہ میں بن گئیں اور سوال یہ ہوتا ہے کہ بیبیاں ان کو پکڑتی کیوں نہ تھیں؟

تو عزادارو! پکڑا جاتا ہے ہاتھوں سے اور بیبیوں کے ہاتھ پس گردن رسن بستہ تھے..راستہ میں ظالموں نے دوپہر کے وقت ایک ٹھنڈی جگہ پر درختوں کے جھنڈ میں آرام کیا اور قیدیوں کو ایک ٹیلے پر قیام کرنے کا حکم دیا..جب دھوپ کی حرارت سے حضرت سجادؑ کے زنجیر گرم ہوئے تو اٹھ کر ایک خیمہ کے سائے میں ستانے کے لیے آبیٹھے، کڑی پر کڑی جو لگی تو سردارِ خیمہ حصین بن نمیر نے نوکر سے کہا اس قیدی سے کہو یہاں سے اٹھ کر چلا جائے کسی قیدی کا ہمارے خیمہ کے سائے میں بیٹھنا ہماری توہین ہے؟

اس نوکر نے کہا تو حضرت سجادؑ نے فرمایا میرے زنجیر گرم ہو گئے ہیں ٹھنڈا ہونے پر چلا جاؤں گا..آخر کار وہ کمینہ ظلم کا تازیانہ لے کر نکلا اور کہا کہ خود اٹھو گے یا میں اٹھاؤں؟ پس شاید ادھر سے سکینہؑ خاتون نے دیکھا ہوگا تو گڑگڑا کر عرض کیا ہوگا بھیا سجادؑ! یہ شخص ظالم ہے آپ ادھر آجائیں میں خود سورج کے آگے کھڑے ہو کر تیرے اوپر سایہ کرلوں گی۔

زندانِ شام میں بقولے... بی بی زینبؑ خاتون نے محسوس کیا کہ کسی نے سر پر ہاتھ رکھا ہے پوچھا کون؟ تو خاموشی چھا گئی اس وقت رات ڈھل چکی تھی اور زندان میں تاریکی چھائی ہوئی تھی پھر بی بی سو گئیں تو دوبارہ سر پر ہاتھ آیا لیکن پوچھا تو پھر خاموشی رہی..جب تیسری دفعہ ہاتھ آیا تو بی بی اٹھ بیٹھیں اور فرمایا کون ہے میرے سر پر بار بار ہاتھ لگانے والا؟ اس وقت دھیمے لہجے سے گریہ میں ڈوبی ہوئی آواز سے عرض کیا پھوپھی جان! ناراض نہ ہونا میں تیرے مظلوم بھائی حسینؑ کی یتیم بچی ہوں، تو بی بی نے فرمایا تجھے نیند کیوں نہیں آتی حالانکہ تیرے عمر کے بچے تو سرِ شام سو

جایا کرتے ہیں؟ بتاؤ کیا مانگتی ہو؟ پس رو رو کر بچی نے عرض کیا اگر مل سکے تو بابا کا سینہ مانگتی ہوں..پس ایک ایک بی بی نے باری باری اٹھایا لیکن بچی نے رونا بند نہ کیا تو امام سجادؑ نے فرمایا اسے میرے سینے پر سلا دو شاید بابا کا سینہ سمجھ کر خاموش ہو جائے؟ چنانچہ امام سجادؑ زمین پر لیٹے اور بچی کو اوپر سلایا گیا کچھ دیر تک تو بچی خاموش رہیں لیکن پھر اٹھ بیٹھیں اور حضرت سجادؑ کی داڑھی میں ہاتھ پھیرنے لگیں پس رو کر عرض کیا بھائی جان! آپ تو میرے بھائی سجادؑ ہیں آپ مجھے کیوں نہیں بتاتے کہ میرے بابا حسینؑ کہاں گئے؟

چنانچہ زندانِ شام میں دن رات رونے والی بچی کی یزید کو اطلاع ہوئی کہ وہ ہر وقت روتی ہے تو یزید نے طشت طلا میں امام حسینؑ کا سر رکھ کر اوپر رومال ڈالا اور اس بچی کے سامنے وہ طشت رکھ کر پوچھا گیا بی بی بتاؤ اس سر والے کو پہچانتی ہو؟ جب بچی نے دیکھا کہ یہ تو میرے بابا کا سر ہے، فوراً سر کے اوپر منہ رکھ لیا اور کہا بابا! مجھے ظالموں میں چھوڑ کر آپ کہاں چلے گئے؟ اور تیرے ان نازنین رگوں کو کس ظالم نے تیغ جفا سے کاٹا؟ کس نے تیری ریش اقدس کو خون سے رنگین کیا؟ ہائے اس کو میری کمسنی پر رحم نہ آیا؟ ہائے اس کو میری یتیمی پر ترس نہ آیا؟ اس نے جلد رونا شروع کر دیا اور ہچکی بندھ گئی..حتیٰ کہ جب کچھ دیر کے بعد ہچکی رُکی اور رونے کی آواز بند ہوئی، معصومہ کی نبض پر ہاتھ رکھا گیا تو روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

دل ہر مومن دا باہر آندائے سن حال ڈکھے سیداں دے
شبیر دا سر تنور دے وچ رہے ظالم وچ نشیاں دے
پتر دا درد تاں ہر کوئی سہندا ائے نہیں پچدے درد دھیاں دے
خاتون دیاں لاوارث دھیاں تاہیں رُل گیاں وچ سفراں دے

ستائیسویں مجلس

حُبُّ عَلِيٍّ يَأْكُلُ الذُّنُوبَ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

حضرت علیؑ کی محبت گناہوں کو اس طرح کھاتی ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ہر شئے کے چار وجود ہوتے ہیں اور ان میں سے صرف ایک کار آمد ہوتا ہے:

وجودِ حقیقی ، وجودِ ذہنی ، وجودِ ملفوظی ، وجودِ مکتوبی

مثلاً ایک ہے پانی کا وجودِ حقیقی جو دریا میں ہے..کنوئیں میں ہے یا گلاس میں ہے، دوسرا اس کا وجود کہ جو ہم ذہن میں تصور کرتے ہیں یہ وجود ذہنی ہے اور تیسرا ہم منہ سے بولتے ہیں پ ا ن ی یہ وجودِ ملفوظی ہے اور چوتھا جو ہم کاغذ پر لکھتے ہیں یہ اس کا وجودِ مکتوبی ہے۔

اگر کسی کو پیاس لگے تو نہ وجودِ ذہنی اس کو ختم کرے گا ہزار ہا پانی کا تصور کیجئے پیاس نہ بجھے گی بلکہ بڑھے گی...اسی طرح ہزار دفعہ منہ سے پانی پانی کہتے رہو پیاس ویسی کی ویسی رہے گی اور کاغذ پر ہزار ہا بار لکھو پانی پانی پیاس نہ بجھے گی بلکہ پیاس کو ختم کرے گا تو صرف پہلا وجود یعنی خود پانی جو کہ پانی کا حقیقی وجود ہے۔

حضرت علیؑ وہ ذاتِ شریف ہے جس کے چاروں وجود کار آمد ہیں اس کا وجود حقیقی جو حضرت محمد مصطفیؐ کا قائم مقام ہے ان کے باقی ہر سہ وجود بھی بے کار نہیں، مولا علیؑ کا تصور کرنا اور ان کی محبت کا دل میں رکھنا عبادت (وجودِ ذہنی) امام علیؑ کا زبان سے ذکر کرنا عبادت اور زبان کے گناہ معاف (وجودِ ملفوظی) حضرت علیؑ کا نام

لکھنااوران کے فضائل کوقلمبند کرنا عبادت اور ہاتھ کے گناہ معاف (وجودِمکتوبی)

حضرت علیؑ کی محبت گناہوں کو کھاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتی ہے اس کی تشبیہ بتاتی ہے کہ جس طرح آگ کے وجود سے پہلے لکڑیوں کا انبار لگا ہوتو جب آگ آئے گی اس انبار کو کھا جائے گی، پھر جب تک روشن رہے گی وہاں نئی لکڑی جنم لے ہی نہیں سکتی....تو اس کا مقصد یہ ہے کہ مولا علیؑ کی محبت کے آنے سے پہلے جس قدر گناہ تھے وہ سب جل گئے لیکن اب جب تک امام علیؑ کی محبت کی شمع روشن رہے گی نیا گناہ نہ آسکے گا۔

حضرت علیؑ کے شیعوں کی یہی شان ہونی چاہیے...دیکھئے ہر غلام اپنے سردار کی زیارت کو جایا کرتا ہے اور مولا علیؑ وہ سردار ہیں جن کی زیارت حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک تمام نبیوں کے لیے باعث فخر ہے، اب کس قدر نیک بخت ہوگا وہ غلام جس کی زیارت کرنے حضرت علیؑ جیسے سردار خود چل کر جائیں۔

چنانچہ حضرت علیؑ کا دستور تھا کہ میثم تمار کی زیارت کے لیے اس کی دکان پر جایا کرتے تھے...میثم تمار وہ آدمی ہے جس کے جیب میں پیسہ نہیں لیکن دل کا خزانہ دولت ایمان سے پر ہے، منڈی سے کچھ کھجوریں لاکر بازار میں کہیں بیٹھ کر بیچا کرتا تھا جس سے گزر بسر ہوتی تھی، ایک دن حضرت علیؑ تشریف لائے میثم تمار ضروری کام کے لیے چلا گیا اور دکان مولاؑ کے حوالے...ایک عورت آئی جس نے کچھ پیسے دیئے اور مولاؑ نے اسے کھجوریں دیں، جب میثم تمار واپس پلٹا تو دیکھا کہ وہ پیسے سب کھوٹے تھے حضرت علیؑ نے فرمایا عادل امام کے ہاتھ کا سودا ہے اگر پیسے کھوٹے ہیں تو اس ہاتھ سے کجھور کا کوئی کھرا دانہ نہ گیا ہوگا... چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد عورت واپس آئی قبلہ! وہ کجھور کے دانے تو اس قدر خراب تھے کہ کھانے کے قابل ہی نہ تھے آپ نے فرمایا تو اپنے پیسے واپس لے جا اور کجھوریں یہاں رکھ دے۔

ایک دن میثم تمار کو حضرت علیؑ نے فرمایا اگر محبت کا امتحان دینا پڑے تو تو کیا کرے گا؟ عرض کیا کہ یہ آنے والا وقت ہی بتلائے گا؟ آپ نے فرمایا فلاں شخص یا خاندان والوں کے دروازہ کے سامنے تجھے سولی پر لٹکایا جائے گا، میثم نے سرِ تسلیم خم کرلیا..وقت گزرتا رہا..زمانہ بدلتا رہا اور میثم انتظار کی گھڑیاں گزارتا رہا۔

ایک دن اسی دروازہ سے گزرا تو ایک شخص دروازہ کے سامنے درخت کا پودہ لگا رہا تھا..میثم نے شکر پروردگار ادا کیا کہ مولاؑ کے فرمان کے پورا ہونے کی یہ بھی ایک علامت ہے، ہر روز خود اسے پانی سے سیراب کرتا تھا آخر وہ وقت آیا کہ جب میثم پر محبتِ حضرت علیؑ کا مقدمہ چلایا گیا اور نتیجہ کے طور پر اسی درخت پر اُسے سولی پر لٹکایا گیا اور ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے لیکن اس نے زبان سے ذکرِ علیؑ کو ترک نہ کیا، اگر کسی کہنے والے نے کہہ بھی دیا تو میثم نے انگڑائی لے کر کہا جب تک منہ میں زبان ہے نامِ علیؑ وِردرہے گا اور دیواروں پر میرے خون کی رنگینی اور زمین پر میرے خون کا بہتا ہوا ہر قطرہ ایک یادگار چھوڑ جائے گا اور قیامت تک کے شیعوں کو درس دے گا کہ حضرت علیؑ کے سچے محبّ اور موالی کا سر باطل کی تلوار سے کٹ سکتا ہے لیکن دشمنِ علیؑ کے آگے جھک نہیں سکتا؟ اور نہ حضرت علیؑ کے مشن سے پیچھے ہٹ سکتا ہے۔

میں نے عرض کیا ہے کہ بعض غلام ایسے ہوا کرتے ہیں جن کی طرف سردار چل کر آتے ہیں... چنانچہ یہاں ایک مومنہ عورت کا ذکر بھی خالی از فائدہ نہیں ہے، وہ جس نے اطاعت رسولؐ میں اپنے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دی اور ذاتی جذبات کو کچل کر راہ حق پر ثابت قدم ہو کر صنفِ نازک کیلئے ایک مثال قائم کر دی۔

ہم اس زمانہ میں آئے ہیں جب کہ ہر طرف سے کفر اور لادینی کے بادل ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں؟ ایک وقت تھا جب استارِ کعبہ کو پکڑ کر آنے والے زمانے کے بعض دلسوز حالات پیغمبر اکرمؐ نے ذکر کئے تو جناب سلمان جیسے صحابہ کی

چیخیں بلند ہوئیں آپ نے فرمایا ایسا زمانہ ہوگا جب عورتیں بے لگام ہوں گی اور ان کے سامنے مرد بے بس ہوں گے؟ جناب سلمان نے عرض کیا وہ عورتیں کس مذہب سے تعلق رکھنے والی ہوں گی؟ تو آپ نے فرمایا میری اُمت سے ہوں گی، جناب سلمان سخت روئے لیکن جن حالات کو سن کر جناب سلمان روتے تھے آج وہ حالات ہمارے سامنے ہیں اور ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے؟

ایسے حالات ہیں کہ نصیحت کرنے والے خود گھبراتے ہیں کہ کیا کہا جائے؟ ایسا زمانہ کہ بے دینی دین ہے اور دین پسماندگی کا نام ہے؟ انسان جتنا دین سے دور اتنا ترقی یافتہ اور جس قدر دین کے قریب اتنا ہی معتوب اور پسماندہ سمجھا جاتا ہے۔

میں ایک عورت کا ذکر کر رہا تھا... مدینہ میں شادی شدہ ایک عورت تھی اس کا شوہر سفر میں تھا، اچانک اس کا باپ بیمار ہوگیا اور اس کو اطلاع پہنچی پس حضرت پیغمبر اکرمؐ کی طرف اس نے اپنی کنیز کو بھیجا کہ میرا شوہر سفر میں ہے اور میرا باپ بیمار ہے چونکہ شوہر سے اجازت لینا ناممکن ہے اسلئے آپ دین وشریعت کے وارث اگر اجازت دیں تو میں اپنے بابا کی احوال پرسی اور عیادت کے لیے چلی جاؤں؟ جب اُس کنیز نے پیغمبر اکرمؐ سے درخواست کی تو حضورؐ نے فرمایا جا کر اپنی مالکہ سے کہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے دین کو پہنچانے والا ہوں نہ کہ اُس کے دین میں خیانت کرنے والا؟ کہو صبر کر کے بیٹھی رہو میں اللہ کے حکم کو توڑنے کا حق نہیں رکھتا، چنانچہ اس کا باپ مر گیا.. پھر اس نے کنیز کو بھیجا اور حضورؐ نے وہی جواب دہرایا، آخر کار اس کا باپ دفن ہوگیا اور پھر بھی کنیز وہی جواب حضورؐ سے لیکر واپس آئی تو وہ مومنہ عورت خاموشی سے گھر میں باپ کا غم کرتی رہی اور خدا اور رسولؐ کے فیصلہ سے سرتابی نہ کی۔

مومنہ عورت کی اس اطاعت گزاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے جبریل کی معیت میں بھیجے جنہوں نے حضورؐ کا سلام کر کے عرض کیا اللہ تعالیٰ

اس عورت پر راضی ہے اور فرما رہا ہے کہ آپ بنفس نفیس اپنے قدموں سے چل کر اس عورت کو اس امتحان سے کامیابی کی مبارک باد پیش کریں کہ خدا نے تیرے اور تیرے بابا کے گناہ بخش دیئے... چنانچہ حضرت پیغمبر اکرمؐ ملائکہ کی تعداد کثیر کے ساتھ اس عورت کے گھر کے دروازہ پر پہنچے ..دقّ الباب کیا..دروازہ کھلا..اجازت ملی اور آپ نے اندر قدم رکھا، اس عورت نے بستر بنایا حضورؐ تشریف فرما ہوئے، آپ نے فرمایا مجھ سے آنے کا سبب پوچھو؟ عرض کیا اللہ کی رحمت خود چل کر آئے اور میں کہوں کہ کیوں آئی ہے؟ آپ خود فرمائیں تو حضورؐ نے فرمایا تو نے اللہ کے دین کی لاج رکھی ہے اور اطاعت خدا و رسول کا فریضہ ادا کیا ہے اب اللہ تعالیٰ نے جبریل کو ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس کے صلہ میں اس نے تیرے اور تیرے بابا کے گناہ بخش دیئے ہیں اور تو اس عظیم امتحان میں کامیاب ہے۔

حضورؐ کا فرمان ہے کہ اگر عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم رکھے تو اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں جب تک واپس گھر میں قدم نہ رکھے اور گھر سے باہر اس کی کوئی عبادت بھی قبول نہیں اگر شوہر کی اجازت نہیں ...لیکن آج کل کی زہریلی فضا میں کنیزانِ بتول کا اللہ محافظ؟

جناب سلمان رو رہے تھے کہ حضرت پیغمبرؐ نے اپنے آخری وصی حضرت مہدیؑ و ہادی کا ذکر کیا کہ وہ آئیں گے تو زمین کو عدل و انصاف سے بھریں گے جس طرح ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی، جناب سلمان نے عرض کیا کہ میں تین سو سال کا بوڑھا تو نہ دیکھ پاؤں گا کہ وہ وقت کیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا خدا تجھے دوبارہ زندہ کرے گا..جناب سلمان نے عرض کیا یہ دلجوئی ہے یا وعدہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا دلجوئی نہیں بلکہ وعدہ ہے اور صرف میرا نہیں بلکہ میرا اور میرے اللہ کا اور میرے اوصیاؑ کا بھی وعدہ ہے کہ صرف تو نہیں بلکہ جو مومن حضرت مہدیؑ کے زمانہ کی انتظار

میں مرجائے گا اس وقت اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا...حضرت مہدیؑ خود اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اذن دے اور میں قاتلانِ حسینؑ سے بدلہ لوں کیونکہ ان کو بھی شب و روز روتے گزرتے ہیں۔

میرا بیان یہی تھا کہ حضرت علیؑ کی محبت گناہوں کو مٹا سکتی ہے یعنی جہاں آپؑ کی محبت ڈیرہ جمالے وہاں گناہ جا ہی نہیں سکتے..اسلئے کہ محبتِ علیؑ جلوہ گر ہے؟ پس محبتِ علیؑ خود ایک واعظ ہے جو دل میں موجود ہے، اگر آنکھ غلط نگاہ کرنا چاہے تو دل میں محبتِ علیؑ موجود ہے وہ روک دے گی، اسی طرح کان اگر غلط آواز سننا چاہے گا تو محبت علیؑ اس کو روک دے گی، اسی طرح زبان.. ہاتھ.. پاؤں..وغیرہ تمام اعضأ کو محبتِ علیؑ خود روک دے گی۔

اگر دعویٰ ہو حضرت علیؑ کی محبت کا لیکن اس کو محبت علیؑ ان بدکاریوں سے روک نہ سکے تو سمجھے کہ محبت کمزور ہے پھر اس کا علاج سوچنا چاہیے، پس عالم کا فرض ہے کہ معاشرتی اصلاح کے لیے زبان کھولے لیکن آجکل کا مبلّغ یہ سوچتا ہے کہ مجھے یہ لوگ کیا دیں گے؟ اس نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ میں ان کو کیا دوں گا؟ اور واعظ دوسروں کو تب ہی وعظ کرے گا جب اپنے وعظ پر خود عامل ہوگا کیونکہ آپ لوگوں کے کان میری آواز کو دور سے سن رہے ہیں لیکن میرے اپنے کان میری آواز کو بہت نزدیک سے سن رہے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت پیغمبرؐ کے پاس ایک عورت اپنے بچے کو لائی اور عرض کیا کہ میرے بچے کو شہد کے زیادہ استعمال سے روکیں؟ آپ نے فرمایا اس کو کل لے آنا، چنانچہ وہ دوسرے دن حاضر ہوئی تو آپ نے بچے سے فرمایا بیٹا! ماں کی اطاعت کرنا فرض ہے شہد کو جس طرح وہ حکم دے ترک کردو، بچے نے حضورؐ سے وعدہ کرلیا تو اس عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! اتنی سی بات اگر آپ کل ہی فرما دیتے تو میرا

بیٹا یہی وعدہ کر لیتا اور انکار نہ کرتا؟ آپ نے کل نہ فرمایا بلکہ آج کے آنے کی فرمائش کی، آپ نے فرمایا تیرے آنے سے پہلے میں خود شہد کھا چکا تھا اور مجھے شرم آتی ہے کہ کسی کو ایسی چیز سے کیسے منع کروں جس کو میں خود کر چکا ہوں؟ کل جس وقت سے تم گئی ہو میں نے اس وقت سے اب تک شہد کو استعمال نہیں کیا کیونکہ نصیحت کرنے والے کی نصیحت تب کامیاب ہوتی ہے جب خود اس پر عامل ہو۔

اسلئے معصومؑ نے فرمایا ہماری امت کے غلط کار علماٗ کا حشر فرعون اور نمرود وغیرہ کے ساتھ ہوگا اور نیک علماٗ کا حشر انبیاٗ واولیاٗ کے ساتھ ہوگا اور علمائے سُو کو یہود کے علمائے سُو کے مشابہ قرار دیا گیا۔

ایک حدیث میں ہے جب علماٗ کو اُمرأ کے دروازوں کا طواف کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ بدترین علماٗ ہیں اور جب اُمرأ کو علماٗ کے دروازوں کا طواف کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ بہترین اُمرأ ہیں۔

خداوند کریمؑ حضرت قائم آل محمدؑ کے ظہور میں تعجیل فرمائے تاکہ نیک لوگوں کا وقار بلند ہو اور باطل کا علم سرنگوں ہو.... پڑھنے والا سمجھتا ہے مجلس وہ مقبول ہے جسے عوام قبول کر لیں حالانکہ معیار مقبولیت عوام نہیں بلکہ درحقیقت مجلس وہ مقبول ہے جسے آئمہ طاہرین علیہم السلام قبول فرمائیں، اگر ایک آدمی بھی کلماتِ حق اور وعظ سن کر ایک گناہ سے توبہ کر لے تو مجلس کی مقبولیت کی وہ سند ہے۔

دین کے لیے کیا کیا مصائب جھیلے آل محمد علیہم السلام نے؟ دل کانپتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے... ہائے کوفہ کا بازار اور زینبؑ جیسی پردہ دار؟ بلکہ تبلیغ دین کیلئے بی بی نے سب کچھ برداشت کیا، جب کوفہ کے کھچا کھچ بھرے بازار سے گزر ہوا اور لوگوں کا ہر طرف ہجوم دیکھا تو بی بی نے اونٹ کی پشت پر ایک خطبہ دیا:

پہلے فرمایا اے اہل کوفہ خاموش! اس لفظ میں اس قدر تاثیر تھی ہوا کی سرسراہٹ

اور پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹ رُک گئی اور آدمی تو بجائے خود اُونٹوں کی گردنوں میں بندھی ہوئی گھنٹیاں بھی خاموش ہوگئیں...پس بی بی نے حضرت علیؑ کے لہجہ میں آواز بلند کی لوگو! آؤ نبی زادیوں کا تماشہ دیکھ لو؟ جن کو باغی کہہ کر مغالطہ دیا گیا تھا سب سمجھ گئے کہ یہ باغی نہیں بلکہ خاندانِ رسولؐ کی شہزادیاں ہیں، پس ایک کہرام بپا ہوا اور گریہ کی صدا آسمان تک پہنچی...کہتے ہیں امّ حبیبہ بھی چھت پر چڑھ کر قیدیوں کا تماشہ دیکھ رہی تھی کہ قریب سے گزرتے ہوئے جناب سکینہؑ کے خشک ہونٹوں پر نگاہ ڈالی پس کہنے لگی اے کم سن قیدن شہزادی! میں تجھے پانی پلاتی ہوں میرے لیے تین دعائیں کرو:

- جیسے تو کمسنی میں قید ہوئی خدا میری اولاد کو اس مصیبت سے محفوظ رکھے.
- جس طرح تو یتیم ہوئی خدا میری اولاد کو یتیمی میں مبتلا نہ کرے.

جناب سکینہؑ نے یہ دونوں دعائیں دیں اور پوچھا کہ تیسری دعا کیا ہے؟

- امّ حبیبہ نے عرض کیا میں مدینہ میں رہ کر آئی ہوں اور جناب زینبؑ بنت علیؑ سے بہت کچھ سیکھا ہے، جب سے کوفہ میں آئی ہوں میں اپنی مرشدزادی کی زیارت کیلئے ترس رہی ہوں دعا کرو کہ خدا مجھے حج نصیب کرے تاکہ مکہ کے بعد مدینہ جاؤں اور اپنی مخدومہ زینبؑ بنت علیؑ کی زیارت کرلوں؟

یہ سننا تھا کہ جناب سکینہؑ خاتون نے اپنے گریہ پر کنٹرول کرتے ہوئے فرمایا اگر تجھے زینبؑ بنت علیؑ کی زیارت یہاں نصیب ہوجائے تو مدینہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کہنے لگی آوارہ ماحول اور کثیف بازار میں تو میری مرشدزادی کا نام لینا بھی ان کی شان کے خلاف ہے بازار کجا اور وہ پردہ کجا؟ جناب سکینہؑ خاتون نے فرمایا وقت بدلتے رہتے ہیں اور زمانہ کروٹیں لیا کرتا ہے اگر سوئے اتفاق سے بی بی یہاں ہوتو تم اسے پہچان لوگی؟ پس جناب سکینہؑ نے پھوپھی کی طرف دیکھا تو جناب زینبؑ خاتون نے خود فرمایا اے امّ حبیبہ! بچی سے کیا پوچھتی ہو؟ میری طرف

دیکھواور مجھے پہچاننے کی کوشش کرو؟ امّ حبیبہ نے جواب دیا چہرہ دیکھا ہوا ہے لیکن پہچان نہیں سکتی.. بی بی نے سر کے پریشان بالوں کو جھٹکا دے کر ایک طرف کیا اور فرمایا میں زینبؑ بنت علیؑ ہوں اور سامنے نیزہ پر میرے بھائی حسینؑ کا سر ہے اور عباسؑ وا کبرؑو قاسمؑ وعونؑ ومحمدؑ سب مارے گئے اور میں اُجڑ کر اسیرہ ہو کر تیرے شہر میں آئی ہوں۔

دربارِ شام میں داخلہ ہوا تو شرابی حاکم شراب کے نشے میں مست تھا، پس کھڑے کھڑے قیدیوں کو کافی دیر ہوئی تو اس کمینے نے امام حسینؑ کے سر کی ایسی بے ادبی کی کہ تمام قیدیوں میں صدائے گریہ بلند ہوئی..اس نے طشت طلا میں موجود امام حسینؑ کے سر پر سے رومال ہٹایا اور اپنے ہاتھ کی چھڑی سے دندان مبارک پر چوٹ لگائی... ہائے ہائے کی صدا بلند ہوئی۔

امام محمد باقرؑ کا سن چھوٹا تھا تقریباً ۴ برس کے قریب اور اپنی ماں فاطمہ بنت حسنؑ ان کو اٹھائے ہوئے تھیں، تھکا ہوا بچہ ماں کی گودی ٹھنڈک پا کر ماں کے کندھے پر سر رکھ کر سو گیا...جب یہ گریہ کی آواز بلند ہوئی اور ماں کے گرم گرم آنسو امام محمد باقرؑ کے رخساروں پر پڑے تو آنکھ کھلی اور دریافت کیا اماں رونے کا سبب کیا ہے؟ کیا دربار کی پیشی سے گھبرا گئی ہو؟ فرمایا نہیں میرے لعل میں اکیلی نہیں تیری دادی زینبؑ اور تمام بیبیاں بھی رو رہی ہیں اور تیرا بابا سجادؑ بھی محوِ گریہ ہے، شہزادہ نے عرض کیا ماں اگر دربار کی پیشی سے گھبرائی ہو تو یہ خیال کرو کہ دادی زہراؑ بھی تو دربار میں پیش ہوئی تھیں اور کوئی دوسری وجہ ہے تو فرمائیے؟ بی بی نے فرمایا سامنے فرعونِ وقت تخت پر ہے اور ساتھ تیرے دادا کا سر طشت طلا میں ہے، ہم سب اسلئے رو رہے ہیں کہ وہ کمینہ شراب کے نشہ میں امام حسینؑ کے دندانِ مبارک پر چھڑی مار کر کہتا ہے اے حسینؑ کیا یہی شراب حرام ہے؟ اور پھر پیالہ میں بچا ہوا شراب اوپر گرا دیتا ہے؟

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْن

بروز چہلم ۲۰ صفر المظفر بمطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۷ء

اٹھائیسویں مجلس

اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہ

اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو مجھ (محمد مصطفیٰ) کی اتباع کرو پھر اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا۔

لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو تمہیں یہ محبت ہرگز فائدہ نہ دے گی جب تک وہ تم سے محبت نہ کرے، اسلئے کہ میں جس سے محبت کروں مجھے اس محبت کا کوئی فائدہ نہیں جب تک وہ مجھ سے محبت نہ کرے۔

یاد رکھئے! محبت یا نفرت بغیر سبب کے نہیں ہوا کرتی، ویسے مادّہ محبت اور نفرت ہر انسان میں ہے لیکن اس کا وجود میں آنا محتاجِ اسباب ہے.. اگر اسباب کے بغیر محبت ہوتی تو ہر ایک کو ہر ایک سے ہوتی، اسی طرح نفرت بغیر اسباب کے ہوتی تو بھی ہر ایک کو ہر ایک سے ہوتی، کسی سے ہونا اور کسی سے نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ جہاں اسباب محبت ہوں گے وہاں ہوگی ورنہ نہ ہوگی۔

ہر انسان کے ذہن میں سبب محبت الگ الگ ہے.. اسی لئے محبت الگ الگ ہے، یعنی ہر انسان نے محبت کے لیے ایک معیار مقرر کیا ہوا ہے اور اس کی محبت اسی معیار کے ماتحت ہوتی ہے، کسی کے نزدیک میعار حسن ہے تو محبوب وہی ہوگا جو حسین ہو.. کسی کے نزدیک میعار محبت علم ہے پس محبت وہاں ہوگی جہاں علم ہو.. کسی

کے نزدیک معیارِ محبت وفا ہے پس محبت وہاں ہوگی جہاں وفا ہو..کسی کے نزدیک معیارِ محبت دولت ہے محبت وہاں ہوگی جہاں دولت کی امید ہو..کسی کے نزدیک معیارِ محبت کرسی ہے تو محبت وہاں ہوگی جہاں کرسی ملنے کا امکان ہو اور کسی کے نزدیک معیارِ محبت ایمان ہے تو محبت کا محورِ ایمان ہوگا اور کسی کے نزدیک محبت کا معیار دین ہے محبت دین والے سے ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ ہر مختلف الخیال طبقہ کے معیار کے مطابق میں ہر ایک کے محبوب بننے کی صلاحیت رکھتا ہوں اسلئے کہ میں ہر معیار پر پورا اُترتا ہوں کیونکہ محبت کا جو بھی معیار تجویز کرو گے وہ مجھ میں موجود ہے، حسن کا خالق ہوں..دولت کا مالک میں ہوں..اقتدار کی کرسی میرے ہاتھ میں ہے بہرحال وہ کونسی شئے ہے جس کے تم طالب ہو؟ اور وہ میرے پاس موجود نہ ہو؟

اے اغراض کے ماتحت محبت کرنے والو! یاد رکھو.تم کبھی بغیر غرض کے محبت نہیں کرتے بلکہ باپ بھی بیٹے سے اگر محبت کرتا ہے تو غرض ملحوظ ہوا کرتی ہے اگر بیٹا باپ کی غرض پر پورا نہ اُترے تو بیٹا عاق کر دیا جاتا ہے...اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں ہر صاحب غرض کی غرض کو پورا کر سکتا ہوں لہذا مختلف الخیال ہوتے ہوئے بھی تم لوگ اگر مجھ سے محبت کرو تو میں لائق محبت ہوں۔

میرے ساتھ محبت کرو کیونکہ میں محبت کے قابل ہوں،لیکن کیا تم بھی محبت کے قابل ہو کہ میں تم سے محبت کروں؟ یکطرفہ محبت ناکام محبت ہے اگر تم محبت کرو اور میں تم سے محبت نہ کروں تو تمہاری محبت کس کام کی؟

نالائق ہے وہ محبّ جو محبوب میں تو اپنا معیار پرکھے اور اپنی اغراض کو ڈھونڈے لیکن اپنے اندر محبوب کی محبت کا معیار پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے اور یہ نہ سوچے کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں آیا اس کا بھی کوئی معیار ہے تاکہ وہ میرے

اندر ہو؟ اور وہ بھی مجھ سے محبت کرے؟

ہم نے ہر دعویدارِ خدائی کو خدا نہیں مانا بلکہ جس میں معیارِ خداوندی یعنی صفاتِ ثبوتیہ اور سلبیہ موجود ہیں اس کو خدا تسلیم کیا..اسی طرح ہر مدعی نبوت کے سامنے نہیں جھکے بلکہ جس میں معیارِ نبوت تھا اس کا کلمہ پڑھ لیا..اسی طرح ہمارا امامت کے بارے میں بھی معیار مقرر ہے ہم اُسی کو امام مانتے ہیں جو معیارِ امامت پر پورا اُترتا ہو لیکن یہ کبھی نہیں خیال کیا کہ آیا شیعہ اور مومن ہونے کا بھی کوئی معیار ہے جس پر ہم نے پورا اُترنا ہے؟ خدا اور رسول و آئمہ کے نزدیک مومن اور شیعہ کیلئے کونسی صفات کا ہونا ضروری ہے؟ تا کہ وہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

ہماری خدا او رسول و امام سے اغراض وابستہ ہیں..لہذا ہم ان سے محبت کرتے ہیں اور یہ فطرت ہے کہ دینے والے سے محبت کی جاتی ہے لینے کے لالچ میں اور مارنے والے سے محبت کی جاتی ہے اس کی گرفت سے بچنے کے لیے، چنانچہ باپ کی اطاعت کرنے میں اولاد کی تین قسمیں ہیں:

- وہ ہے جو باپ کی اطاعت اس لیے کرتی ہے کہ وہ کچھ دے گا.
- وہ ہے جو باپ کی فرمانبردار ہے کہ نہ کرنے کی صورت میں وہ سزا دے گا.
- لائق اولاد وہ ہے جو باپ کی اطاعت اسلئے کرتی ہے کہ وہ باپ ہے.

اسلئے کہ لالچ میں آکر اطاعت کرنے والے کی اطاعت مزدور جیسی ہے جس طرح مزدور کام کرتا ہے کچھ لینے کے طمع میں اور سزا کے ڈر سے اطاعت کرنے والا غلام کی مثل ہے جو آقا کے ڈر سے اس کی اطاعت کرتا ہے۔

اس مقام پر حضرت علیؑ کا نظریہ ملاحظہ فرمائیے کہ بارگاہِ ربوبیت میں عرض کرتے ہیں اے اللہ! میں تیری اطاعت تیری جنت کے لالچ میں نہیں کرتا اور نہ اسلئے اطاعت کرتا ہوں کہ مجھے جہنم کا ڈر ہو بلکہ اس لیے تیری عبادت کرتا ہوں کہ تو

عبادت کے لائق ہے یعنی میں تیری اطاعت میں نہ مزدور ہوں اور نہ غلام بلکہ اس معاملہ میں آزاد ہوں اور تجھے عبادت کے لائق جان کر ہی تیری عبادت کرتا ہوں۔

چنانچہ ایک مقام پر امام علیؑ کا ارشاد ہے اے اللہ! میرے فخر کے لیے اتنا کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے اور میری عزت کے لیے کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں۔

ایک مقام پر فرمایا اے اللہ! تو میرا وہ ربّ ہے جس کو میں پسند کرتا ہوں اور مجھے اپنا ایسا عبد بنا جسے تو پسند کرتا ہے..یعنی تو میرا ربّ مرتضٰی ہے اور مجھے اپنا عبد مرتضٰی بنادے۔

اسی لئے بعض عارفین نے کہا ہے کہ اوّلین و آخرین کے عارفانہ کلمات کو اگر اکٹھا کر کے کتابوں کے طومار لگا دیئے جائیں تو حضرت امیر المومنینؑ کے ایک کلمہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے..یعنی اگر ترازوئے عدل پر تولا جائے تو تمام عارفین کے تمام جملے ایک پلڑے میں ہوں اور حضرت علیؑ کا صرف ایک جملہ دوسرے پلڑے میں ہو تو تمام عارفین کے معرفت آموز کتابوں کے طومار کا پلڑا اُٹھتا نظر آئے گا اور حضرت علیؑ کے صرف ایک یہ جملہ کا پلڑا جھکتا نظر آئے گا۔

معاشرتی عدل کی تمام جزئیات کو صرف ایک جملہ میں بند کرتے ہوئے آپ نے سمندر کو ایک کوزے میں بند کر دیا.. چنانچہ امام حسن مجتبیٰؑ سے فرمایا بیٹا! لوگوں سے برتاؤ کرنے میں اپنے نفس کو معیار قرار دو، پس لوگوں کے لئے وہ پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور ان کے لئے وہ چیز پسند نہ کرو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے ،یعنی جس طرح اپنے لئے احسان کو پسند کرتے ہو اور ظلم کو پسند نہیں کرتے اسی طرح لوگوں کے ساتھ بھی تمہارا برتاؤ احسان کے ساتھ ہو ظلم کے ساتھ نہ ہو اور جس طرح اپنے لئے گالی گلوچ پسند نہیں کرتے بلکہ ذکرِ خیر کو پسند کرتے ہو اسی طرح تمام لوگوں کے لئے گالی گلوچ کو پسند نہ کرو بلکہ ذکرِ خیر کو پسند کرو، جس طرح

اپنے لئے عفوو درگزر کو چاہتے ہولوگوں کے لیے بھی عفوو درگزر کا برتاؤ رکھو، یعنی تمام معاشرتی معاملات میں اپنے نفس کو معیار قرار دو.... گویا آپ نے نہایت مختصر پیرا میں معاشرہ کے تمام احکام کی جزئیات کو سمو کر رکھ دیا۔

اس مقام پر حضرت علیؑ کے ایک شاگرد خصوصی کا تذکرہ کردوں جس کا نام ہے جناب ابوذر غفاری، جس کے متعلق حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا تھا **مَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَ وَ لا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءَ عَلٰى ذِىْ لِهْجَةٍ أَصْدَقُ مِنْ أَبِىْ ذَر** یعنی زمین کے خاکی فرش کے اوپر اور آسمان کی نیلی چھت کے نیچے کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو ابوذر سے زیادہ سچی زبان رکھتا ہو۔

جناب ابوذر کا ربذہ میں ایک راہگزر مسافر مہمان ہوا تو انہوں نے اپنا قیمتی اونٹ نحر کر کے اس کی ضیافت کی..اس مہمان نے گزارش کی کہ میں تو بہت کم کھا سکتا ہوں اس پورے اونٹ کو نحر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو آپ نے جواب دیا مال کے چار طالب ہیں:

- موت مال کو طلب کرتی ہے کہ خدا جانے کس وقت مالک مرے.
- چور اس کا طالب ہے کہ کس وقت مالک غافل ہو اور وہ لے جائے.
- وارث اس کا طالب ہے کہ کب مالک مرے گا اور میں مالک بنوں گا.
- خود مالک.تو وہ کس قدر کمزور مالک ہے جو قدرت رکھنے کے باوجود باقی تین امیدواروں کے لیے مال کو چھوڑ دے اور اس کو اپنے استعمال میں نہ لائے؟

جناب ابوذر کے جواں سال فرزند ذر کا ربذہ میں انتقال ہوا تو اس کی قبر کے سرہانے بیٹھ کر انہوں نے ایک درس آموز جملہ فرمایا اور وہ یہ کہ اپنے بیٹے کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے عرض کیا اے پروردگار! یہ مرنے والا میرا بیٹا ہے اور تیرا بندہ ہے میں اس کا باپ ہو کر اس پر عائد شدہ تمام فرائض وحقوق کو معاف کرتا

ہوں اور جب میں باپ ہو کر اس کو معاف کرتا ہوں تو خالق ہو کر اپنے اس بندے کو کیسے معاف نہیں کرے گا؟ بس تو بھی معاف کر دے۔

بہر کیف میں اس بات کو بیان کر رہا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے تو محبت کرتے ہیں کہ وہ محبت کے قابل ہے دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم بھی اس قابل ہیں کہ وہ بھی ہم سے محبت کرے؟ اور ہم کس معیار پر پورے اتریں تا کہ وہ ہم سے محبت کرے اور ہم فَاذْکُرُوْنِیْ أَذْکُرْکُم کے مصداق ہو جائیں، پس ہم فرشِ زمین پر اس کا ذکر کریں اور وہ عرشِ بریں پر بزمِ ملائکہ میں ہمارا ذکر کرے۔

قرآن مجید میں خداوند نے اپنی محبت کا معیار بتایا ہے کہ اے میرے حبیب! ان لوگوں سے کہہ دیجئے اگر تم مجھ سے محبت کرو اور چاہو کہ اللہ بھی تم سے محبت کرے تو میرے محمد مصطفیٰ کی اتباع کرو پس میں تم سے محبت کرلوں گا، کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ کے دوست کو میں اپنی محبت سے محروم نہیں رکھتا اور حضرت محمد مصطفیٰ کے دشمن کو اپنی محبت کے قابل نہیں جانتا۔

پس شیعہ قوم کے نزدیک دین ہے حضرت محمد مصطفیٰ کے قول و عمل کی متابعت (تابعداری) ہم قلت و کثرت کو معیار نہیں سمجھتے بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ کی اطاعت ہی ہمارے لیے مشعل راہ ہے..پس ہمارا دین جذبات کی پیروی نہیں بلکہ حضورؐ کی اطاعت ہے اور ہماری محبت بھی جذباتی نہیں بلکہ حضورؐ کے فرمان کے تابع ہے، پس اُن سے محبت کریں گے جن کے متعلق یقین ہو کہ حضورؐ کی اُن سے محبت تھی اور اسی کا نام تولیٰ ہے اور اُن سے نفرت کریں گے جن سے حضورؐ کو نفرت تھی اور اس کا نام تبرا ہے...پس تولیٰ یا تبرا گالی گلوچ کا نام نہیں نہ کسی پر ہٹ اور نہ کسی کی توہین مقصود ہوتی ہے بلکہ یہ دین ہے کہ ہر نیک اور نیکی سے محبت ہو اور ہر بد اور برائی سے نفرت ہو، پس اگر ہمارا اپنا بیٹا حضرت محمد مصطفیٰ کا غلام نہ ہو تو ہم اپنے بیٹے کو

چھوڑ دیں گے اور اگر ہمارا خاندان آپؐ کا غلام نہ ہوا تو وہ خاندان چھوڑ دیں گے اور اگر ہمارا باپ بھی حضورؐ کا غلام نہ ہوتو ہم اس سے بھی قطع تعلق کر لیں گے لیکن حضورؐ کی اطاعت وتابعداری کو چھوڑنا ہم کسی قیمت پر برداشت نہ کریں گے۔

حضرت علیؑ سے اسلیئے محبت کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ کو ان سے محبت تھی، پس امام علیؑ سے محبت جذباتی نہیں بلکہ مشیّاتی ہے اور ہمارا علیؑ علیؑ کرنا دکانداری نہیں بلکہ ایمانداری ہے..پس حضرت علیؑ کی محبت ہماری جان ہے..ہماری آن ہے..ہماری شان ہے..ہمارا ایمان ہے اور مولا علیؑ کا دشمن ہمارے نزدیک فرعون ہے.. ہامان ہے..بے ایمان ہے اور شیطان ہے۔

ہم جنابِ بتول معظّمہ خاتونِ جنت سے محبت رکھتے ہیں کیونکہ حضورؐ کی ان سے محبت تھی، پس ہم جنابِ زہرؑا کے روح کو خطاب کر کے عہد کرتے ہیں اے بنتِ رسول اور امام حسینؑ کی ماں! ہمارا عہد ہے کہ ہم ہر آدمی سے صلح کر سکتے ہیں لیکن آپ کے دشمن سے نہ ہمارے بزرگوں نے صلح کی نہ آج ہم صلح کرتے ہیں اور نہ قیامت تک آنے والی ہماری نسلیں ان سے صلح کریں گی...اپنے بچوں کے قاتل کو شاید ہم کسی وقت معاف کر دیں لیکن آپ کی اولاد کے قاتلوں کو ہم کبھی معاف نہ کریں گے۔

کیونکہ اپنے بچوں کے قاتلوں کو معاف کرنا جذبات کشی ہے اور آپ کی اولاد کے قاتلوں کو معاف کرنا ایمان کشی ہے...ہم اپنے جذبات پر تو پانی پھیر سکتے ہیں لیکن ایمان کشی نہیں کر سکتے۔

ہم امام حسینؑ سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ حضورؐ کو ان سے محبت تھی، ایک شاعر نے ایک نعت لکھی ہے:

تیری خیر ہووے پہرے دارا روضے دی جالی چم لینڑ دے
اَساں ویکھڑاں اے رب دا نظارہ روضے دی جالی چم لینڑ دے

غالباً اس شخص نے روضہ رسولؐ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ نعت لکھی ہے کیونکہ نجدی لوگ قبر رسولؐ یا روضہ نبی کو بوسہ دینا بدعت کہتے ہیں اور جو بھی پیغمبرؐ کے روضہ کی جالی کو چومے بدعت بدعت کہہ کر اسے پیچھے دھکیلتے ہیں اور جو ضد کرے اسے تازیانے مارتے ہیں...تو غالباً اس شاعر صاحب کو بھی روکا گیا ہوگا تو اس نے عرض کیا تیری خیر ہو مجھے یہ جالی چومنے دے۔

میں اس شاعر سے کہوں گا کہ سارا زمانہ اسے بدعت کہے شیعہ قوم بدعت نہ کہے گی اور نہ شرک کا فتویٰ دے گی... کیونکہ چومنے والا تو جالی کو حضرت محمد مصطفیٰؐ سمجھ کر چومتا ہے نہ کہ اس کو اپنا خدا مانتا ہے تو شرک کیسے؟ البتہ چونکہ اس جالی کو حضورؐ سے نسبت ہے لہذا جالی کا چومنا صرف نسبت کا ہی احترام ہے۔

لیکن میں گزارش کروں گا اے جالی کو چومنے والے! یہ جالی جس کو چومنے کا تو خواہش مند ہے نہ تو حضورؐ نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور نہ یہ جالی حضورؐ کے جسم اطہر سے مس ہونے کا شرف رکھتی ہے؟ تاہم نسبت کا احترام ہے بیشک جالی کو بوسہ دو لیکن یہ یاد رکھو کہ امام حسینؑ وہ ہیں جن کو جالی والا خود چومتا تھا..اُٹھا اُٹھا کر..گود میں بٹھا بٹھا کر..سینے پر لٹا لٹا کر اور گلے سے لگا لگا کر پیار کرتا تھا۔

ایک دن امام حسینؑ آئے تو حضورؐ نے اپنے سینے پر لٹا کر منہ اور گلا چوما..سینے کا بوسہ دیا..پھر پہلو سے قمیص الگ کر کے پہلو پر بوسہ دیا، بتول معظّمہ نے رو کر عرض کیا بابا! بچوں کا منہ ہر ایک چومتا ہے لیکن باقی اعضأ کے چومنے کا کیا مقصد؟ رو کر فرمایا میں ان مقامات کو بوسہ دے رہا ہوں جہاں تیر.تلواریں اور نیزے پڑیں گے۔

ایک دفعہ ایک بی بی نے منافقت کو چھپا کر پیار کے انداز سے عرض کیا حضورؐ! یہ بچہ آپ کو تنگ کرتا ہے میں اس کو آپ کے سینے سے اٹھا کر الگ کر دوں؟ تو آپ کے تیور بدلے اور فرمایا تو اس بچے کو کیا سمجھتی ہے؟ جب تیری قوم خواب غفلت میں

ہو گی اور دین ظلم کے طوفانوں میں گھر جائے گا تو میرا یہ بچہ اپنا سب کچھ قربان کر کے میرے دین کی حفاظت کا بندوبست کرے گا...پس جس شخص نے اس کے حق کو جانتے ہوئے اس کی شہادت کے بعد اس کی قبر کی زیارت کر لی تو اس کو میرے ساتھ کئے ہوئے حج کے برابر حج کا ثواب ملے گا،تو اس نے ازراہِ حیرت کہا حج کا ثواب؟ تو آپ نے فرمایا دو حجوں کا ثواب..پھر اس نے ازراہِ تعجب اپنا سوال دہرایا کہ دو حجوں کا ثواب؟ تو آپ نے فرمایا پانچ حجوں کا ثواب..بہر کیف اس کا تعجب بڑھتا گیا اور زبانِ وحی ترجمان سے ثوابِ زیارت میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ حضورؐ نے فرمایا جو میرے اس بے گناہ مقتول فرزند کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا تو اس کو ستر یا باختلاف روایات نوّے ہزار حج کا ثواب نصیب ہو گا جبکہ میرے اس بیٹے کی معرفت بھی رکھتا ہو۔

تو میں کہوں گا اے روضہ رسولؐ کی جالی کو بوسہ دینے کی خواہش رکھنے والو! سوچو سمجھو بے شک اس روضہ کی جالی کو بوسہ دو لیکن اس کے ذکر کو بدعت نہ کہو جس کو رسول اللہ خود بوسہ دیا کرتے تھے، یہ ماں..بہن اور بیوی میں فرق امام حسینؑ نے بتایا اگر امام حسینؑ نہ ہوتے تو یہ تمیز کون بتاتا؟ اور نکاح میں حلال وحرام کا پتہ کیسے چلتا؟ امام حسینؑ نے سب کچھ قبول کر کے نکاح کو بچالیا ہے،تو یہ کہتا ہے کہ امام حسینؑ کی مجلس سننے سے نکاح ٹوٹتا ہے؟ اپنے آپ کو دھوکا نہ دو بلکہ یہ کہو کہ امام حسینؑ کی مجلس سننے یا نہ سننے سے حلالی اور حرامی کی پہچان ہوتی ہے۔

امام حسینؑ کی بہن جناب زینب عالیہؑ نے کن کن حالات سے گزر کر اور اپنی چادر لٹا کر تیری ماؤں..بہنوں..بہوؤں اور بیٹیوں کے پردے بچائے، ہائے کہاں جناب زینب عالیہؑ اور کہاں بازار؟ کہاں یہ پردہ دار اور کہاں دربار؟

بقول بعض واعظین امام حسینؑ کی خاموش رہنے والی بہن جناب امّ کلثومؑ

بھی دربارِشام میں خاموش نہ رہ سکی.. جب زوجہ یزید نے پردہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سر برہنہ دربار میں حاضر قیدیوں کا جائزہ لیا تو یزید نے فوراً اس کو پردہ میں چلے جانے کا حکم دیا اور اس کے سر پر ردا ڈالی..پس امّ کلثومؑ سے رہا نہ گیا اور فرمایا اے یزید! أَمَائِکَ وَرَاءَ السَّتُوْرِ وَ نَحْنُ بَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰہ آج تیری کنیزیں بھی پردہ میں ہیں اور نبی زادیاں ننگے سر تیرے دربار میں کھڑی ہیں؟

کہتے ہیں بے غیرت یزید نے پوچھا امام حسینؑ کی بہن کہاں ہے؟ تو جواب ملا کہ قیدیوں میں ہے..تو اس ظالم نے زبان نجس کو حرکت دیتے ہوئے کہا کہ وہ کہاں ہے مجھے نظر نہیں آرہی؟ شمر نے کہا ایک کنیز اس کا پردہ بنا کر کھڑی ہے، تو (بقولے) یزید نے کہا اس کنیز کو ہٹاؤ تو سپاہیوں نے کنیز سے ہٹ جانے کو کہا لیکن جناب فضہ نے قدم نہ ہٹایا..پس پشت پر ہاتھ رکھ کر جناب زینب عالیہؑ نے فرمایا اے میری ضعیفہ کنیز تم ہٹ جاؤ میں بھرے دربار میں اپنے مظلوم بھائی کی بے گناہی کو ثابت کروں گی۔

کہتے ہیں حبشیوں نے جو دربار میں موجود تھے پوچھا تم کس خاندان سے تعلق رکھتی ہو؟ تو کنیز نے اپنا حسب ونسب بیان کیا..پس حبشیوں نے تلواریں کھینچ لیں اور دربار یزید میں ہلچل مچادی، پس اس موقع پر بعید نہیں کہ جناب زینب عالیہؑ نے فریاد کی ہو کہ نانا! جناب فضہ کے تو وارث آگئے لیکن ہمارا کوئی وارث نہیں ہے؟

مشہور یہی ہے کہ قید سے آزادی کا حکم ہوا تو جناب زینب عالیہؑ نے فرمایا ہمیں ایک حویلی خالی کرادی جائے تاکہ ہم امام حسینؑ کا جی بھر کر ماتم کرلیں چنانچہ سات دن تک یا کم وبیش ماتم ہوتا رہا۔

کربلا میں چہلم کے روز پہنچی تو بھائیوں کی قبروں پر کیا کیا بین کیئے ہوں گے؟ یقیناً کہا ہوگا بھیا حسینؑ! تیری بہن شام کی قید سے آزاد ہوکر آگئی ہے ممکن ہے قبر

سے آواز آئی ہو میری یتیم بچی کہاں ہے؟ تو جناب زینب عالیہؑ نے جواب دیا ہو گا اُسے شام میں دفن کر کے آئی ہوں..پس تین دن کربلا میں رہیں اور روانہ ہوتے وقت کہا اے کربلا کی زمین زینبؑ خود اُجڑ گئی لیکن حسینؑ جیسا بھائی دے کر تجھے آباد کر کے خود خالی واپس جا رہی ہوں۔

وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ

نہ کوئی نام حسینؑ دا دم بھرسی جیویں بھینڑ حسینؑ دی بھر گئی
اکھیں کھول امت مرحوم دیاں بند اَپڑیاں اکھیاں کر گئی
پڑھ خطبے سر اسلام اُتے احسان دی دنیا دھر گئی
ودا جگ نظرایا نت روسی میڈی سینڑ تاں لونھدے مر گئی

اُنتیسویں مجلس

وَ الضُّحٰی ۝ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ۝ وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ۝ وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ۝ اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۝ وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ وَ وَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ۝

مجھے پھیلی ہوئی روشنی کے وقت چاشت کی قسم اور چھائی ہوئی تاریکی والی رات کی قسم یعنی دن رات کی قسم.. یا یوں عرض کروں سیاہ وسفید کی قسم یا نور وظلمت کی قسم نہ اے میرے حبیب! تجھے تیرے ربّ نے چھوڑا ہے اور نہ تجھ پر ناراض ہے، اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کو ستاتے تھے کہ جب بھی مسلمانوں پر کوئی تکلیف یا مصیبت آتی تو زبانِ طعن دراز کرتے اور کہتے کہ دیکھو اگر تمہارے نبی کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق ہوتا تو تمہارے اوپر یہ مصیبتیں نہ آتیں یا تو وہ تمہیں چھوڑ گیا ہے اور یا پھر تم پر ناراض ہے.. پس کمزور عقیدہ کے لوگوں کے قدموں میں لغزش آجاتی تھی۔

یہ دستور آج کا نہیں ہمیشہ سے چلا آتا ہے کہ جب بھی مومنوں پر تکلیف آتی ہے تو کافر کہا کرتے ہیں کہ اگر تمہارے ہادی تمہاری مدد کر سکتے یا تمہارا دین حق ہوتا تو تم پر یہ مصائب نہ آتے... پس اللہ تعالیٰ بطورِ تسلی فرماتا ہے کہ میرے حبیب گھبراؤ نہ اور کفار کی طعنہ زنی سے متاثر نہ ہو، تیرے خدا نے نہ تجھے چھوڑا ہے اور نہ وہ تم پر ناراض ہے.... میری نعمات کی پہلے بھی تم پر کمی نہیں تھی اور جو بعد میں دوں گا ان سے بدرجہا بہتر ہوں گی اور بعد والی نعمتیں پہلی نعمتوں سے زیادہ ہوں گی۔

پیغمبر اکرمؐ کو جو نعمات پہلے دی گئیں ان کا تذکرہ خداوند فرماتا ہے کیا آپ یتیم نہیں تھے اور میں نے تجھے اپنے دامن میں پناہ دی؟ کیا آپ راہِ تبلیغ میں حیران نہیں تھے کہ میں نے پریشانیاں دور کر کے ایک واضح راستہ کی طرف نشاندہی کی؟ اور کیا آپ غریب و نادار نہیں تھے کہ میں نے دولت دے کر غنی کر دیا؟

یتیمی میں آپ کی پرورش اور دولت دے کر غنی کرنے کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب فرما رہا ہے حالانکہ مفسرین کا تقریباً اس امر پر اتفاق ہے کہ یتیم پروری کے فرائض ادا کرنے والے حضرت ابو طالبؑ تھے اور دولت دے کر غنی کرنے والی جناب خدیجہؑ طاہرہ تھیں۔

قرآن مجید کے اسلوب بیان کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی کافر کے فعل کو اپنا فعل نہیں قرار دیتا خواہ کافر کا فعل اچھا ہی کیوں نہ ہو...فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو پالا اور قرآن نے فرعون کا قول نقل کیا ہے اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًا کہ کیا ہم نے تجھے پالا پوسا نہیں ہے؟ حضرت ابو طالبؑ نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو پالا..لیکن فرعون کے پالنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فعل نہیں قرار دیا اور حضرت ابو طالبؑ کے فعل کو اللہ تعالیٰ اپنا فعل قرار دے کر فرما رہا ہے اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی کیا تجھے یتیم پا کر ہم نے پالا نہیں ہے؟ پس فرعون کے فعل کو اپنا نہ کہنا (حالانکہ وہ بھی نبی پروری تھی) اور حضرت ابو طالبؑ کے فعل کو اپنا کہنا اس امر کی دلیل ہے کہ فرعون کافر تھا اسلئے اس کے فعل کو اپنا فعل نہ کہا اور حضرت ابو طالبؑ مومن تھے اسلئے ان کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔

بلکہ اللہ تعالیٰ معصومین کے فعل کو اپنا فعل کہا کرتا ہے..حضرت عیسیٰؑ نے اپنے نمائندے انطاکیہ والوں کی طرف بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰسین میں ارشاد فرمایا اِذْ أَرْسَلْنَا اِلَیْھِم یعنی ہم نے دو بھیجے ان کی طرف پھر تیسرا بھی ہم نے بھیجا اور

حضرت محمد مصطفیٰ نے سنگریزے مارے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف منسوب کرلیا مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی جب تو نے سنگریزے مارے تھے وہ تو نے نہیں مارے بلکہ ہم نے مارے تھے...جب حضور اکرمؐ نے بیعت شجرہ لی تو فرمایا یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ان کے ہاتھوں پر تیرا ہاتھ نہیں تھا میرا ہاتھ تھا..اسی طرح فرمایا وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی یہ اپنی مرضی اور خواہش سے نہیں بولتا بلکہ ہماری وحی ہوا کرتی ہے، پس قرآن میں یا تو انبیاؑ کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فعل کہا یا حضرت ابوطالبؑ اور جناب خدیجہؑ کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔

حضرت ابوطالبؑ اور جناب خدیجہؑ کا فعل اس قدر پسند آیا کہ سیاہ وسفید اور نور وظلمت کی قسم کھا کر فرمایا کہ میں نے تیری یتیم پروری کی اور دولت دے کر غنی کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں احسان عمومی ہیں کیونکہ وہ ہر ایک کو پالنے والا اور ہر ایک کو دولت دینے والا ہے..پس حضورؐ کو خصوصی طور پر متوجہ کرنا صرف اُمت محمدیہ کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ قرآن کے ختم کرنے والو! اور سرسری طور پر قرآن کے الفاظ سے گزر جانے والو! کبھی معانی پر توجہ کیا کرو کہ نہ حضرت ابوطالبؑ کا احسان بھلا دینے کے قابل ہے اور نہ جناب خدیجہؑ کا احسان فراموش کرنے کے قابل ہے اور میں اللہ اِن دونوں کے اسلام پر احسان کی طرف سیاہ وسفید کی قسم کھا کر تمہیں توجہ دلاتا ہوں کہ ان کو نظر انداز نہ کرنا جس کے فعل کو میں اپنا فعل قراد دے رہا ہوں، حالانکہ حضرت محمد مصطفیٰ پر میرے مخصوص احسان بہت زیادہ ہیں ان کی رحمت للعالمین بنایا.سیدالانبیا بنایا..یہ صاحب معراج ہیں.شافع امت ہیں وغیرہ اور میں نے ان احسانات کا تذکرہ نہ کرکے ان دو محسنوں کا ذکر کیا ہے تاکہ تنبیہ ہوجائے۔

ذات پر احسان اور مشن پر احسان کی وقعت الگ الگ ہے، ذات پر جو احسان ہے اس کی افادیت محدود ہے اور جو مشن پر احسان ہے جب تک مشن رہے

گا اس محسن کا اس میں حصہ رہے گا، مجھے کھانا کھلایا میری ذات پر احسان ہے لیکن میرے مدرسہ کو پائی پیسہ کی امداد دینا مشن پر احسان ہے کہ جب تک مدرسہ رہے گا اس کارِخیر میں دینے والے کی نیکی لکھی جائیگی۔

حضرت ابوطالبؑ اور جناب خدیجہؑ کا احسان حضرت محمد مصطفٰےؐ کی ذات تک محدود نہیں کیونکہ قرآن حضورؐ کی ذات کی ترجمان کتاب نہیں بلکہ مشن کی تبلیغی کتاب ہے پس ان کا احسان مشنِ اسلام پر تھا کیونکہ اسلامی مشن کی کتاب اس کو وقیع انداز میں ذکر کررہی ہے۔

دیکھئے..کوئی تحریک چلانے والا جب اپنی تحریک کو ہمہ گیر بنانا چاہے تو اسے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے بلکہ رطب و یابس کا سہارا لینا پڑتا ہے مثلاً اگر سیاسی تحریک ہو تو مقبولیتِ عامہ کی خاطر ہاتھ پیر مارنے پڑتے ہیں کہ اس تحریک کو اُمرأ طبقہ بھی قبول کرے اور غربأ بھی ساتھ دیں... کیونکہ اُمرأ کا رسوخ اور غریب کا ووٹ کامیابی کی ضمانت ہوا کرتا ہے، جب یہ دونوں طبقے ساتھ نہ دیں تو کامیابی مشکل ہے، لیکن ان دونوں کے مزاج مین تضاد ہے کیونکہ امیر کا مزاج یہ چاہتا ہے کہ غریب موجودہ حالت سے غریب تر رہے تا کہ میری خدمت کرتا رہے اور اس کے دماغ میں کبھی میرے ساتھ برابری کرنے کا تصور تک نہ پیدا ہو..اور غریب یہ سوچتا ہے کہ امیر بھی مجھ جیسا ہوجائے تا کہ اس کو غریب کی قدر ہو، پس ان دونوں متضاد مزاج طبقوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے جھوٹ سے کام لیے بغیر چارہ نہیں....پس کامیاب سیاستدان وہی ہوگا جو جھوٹ بولنے میں مہارت رکھتا ہو خواہ برادرانِ ملت کہہ کر خطاب شروع کرے یا نَحْمَدُهُ وَ نُصَلِّی کہہ کر بیان شروع کرے جھوٹ کے بغیر مقبولیت مشکل ہے، امیر کو کرسی پیاری ہے پس جھوٹا وعدہ دے کر اُسے کرسی کی ضمانت دے اور غریب کو روٹی پیاری ہے بس جھوٹ بول کر روٹی کپڑا اور مکان کا ان کے ساتھ وعدہ کرے۔

حضرت محمد مصطفیٰ نے اسلام کی عالمگیر تحریک چلانے کی ابتدا کی تو مکہ کے امیر وغریب دشمن ہو گئے.. کیونکہ امیروں کی کرسی خطرہ میں تھی اور غریبوں کی روٹی کو خطرہ تھا کہ اگر کلمہ پڑھیں گے تو امیر طبقہ ہمیں نوکریوں سے محروم کر دے گا؟ جس کی وجہ سے ہماری روٹی پر اثر پڑے گا...اور امیر طبقہ سمجھتا تھا کہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے بعد ہمیں کرسی سے ہاتھ دھونا پڑے گا، اسی وجہ سے دونوں طبقے دشمن تھے اور سیاستدانوں کی طرح جھوٹ بول کر اپنے ساتھ ملانا ناممکن تھا کیونکہ زبانِ رسالت جھوٹ اور غلط بیانی سے مبرّا ومنزّہ تھی۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوطالبؑ کے احسان سے اُمرا طبقہ تک کلمہ حق پہنچانا آسان کر دیا اور دوسری طرف جناب خدیجہؑ کے ذریعے غریب عوام کے لیے اسلام کا قبول کرنا سہل کر دیا کہ غربا طبقہ کے لوگ جناب خدیجہؑ کی دولت سے روٹی کی فکر سے بے نیاز ہو کر اسلام کے حلقہ میں داخل ہو جائیں....پس حضرت ابوطالبؑ کے ذریعہ اُمرا کو اور دولتِ جناب خدیجہؑ کے ذریعے غربا کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرنے کی مشکل آسان ہوگئی...اور.. وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى کا معنی بھی صاف ہو گیا کہ آپ اس تبلیغی کاروائی میں حیران تھے تو یہ دونوں محسن دے کر میں نے تبلیغ کے راستہ میں حائل شدہ رکاوٹیں دور کر دیں اور تیری یہ پریشانی ختم کر دی، پس یہ دونوں صرف تیری ذات کے محسن نہیں بلکہ مشنِ اسلام کے محسن ہیں اگر حضرت ابوطالبؑ نہ ہوتے تو اُمرا طبقہ کو کلمہ نصیب نہ ہوتا اور اگر جناب خدیجہؑ کی دولت نہ ہوتی تو غریب طبقہ کو اسلام کا کلمہ نصیب نہ ہوتا۔

میں حیران ہوں کہ اسلامی تاریخ نے ان دونوں کو پس پشت کیوں ڈال دیا؟ تو معلوم ہوتا ہے مسلمان روزِ اوّل سے ان دونوں سے بغض رکھتے ہیں، حضرت ابوطالبؑ کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے والد ہیں اور جناب خدیجہؑ طاہرہ

کا قصور یہ ہے کہ وہ جناب زہرؑا کی والدہ ہیں... پس حضرت علیؑ کے دشمنوں نے حضرت ابو طالبؑ کو کافر کہہ کر مولا علیؑ سے دشمنی کی بھڑاس نکال لی اور جناب زہرؑا کے دشمنوں نے جنابِ خدیجہؑ کو فراموش کر کے انتقام لے لیا۔

دیکھئے..حضرت ابو طالبؑ اور جناب خدیجہؑ بارہ معصومینؑ کے ماں باپ ہیں..کیونکہ امام حسنؑ سے امام مہدیؑ تک گیارہ امام ہیں جو حضرت ابو طالبؑ کے پوتے اور جناب خدیجہؑ کے نواسے ہیں اب اگر اِن گیارہ کے ساتھ حضرت علیؑ کو ملایا جائے تو بارہ کا باپ حضرت ابو طالبؑ ہے اور اِن گیارہ کے ساتھ جناب زہرؑا کو شامل کر لیا جائے تو بارہ معصومینؑ کی ماں جناب خدیجہؑ ہے، پس ان دونوں کی ہی نسل ہے جو تا قیامت دین اسلام کی پاسبان ہے، پس جب تک اسلام رہے گا نہ حضرت ابو طالبؑ کا احسان ختم ہوگا اور نہ جناب خدیجہؑ کا احسان ختم ہوگا، پس پورا اسلامی مشن تا حیات ان دونوں کا ممنونِ احسان ہے۔

دیکھئے..جناب خدیجہ نسلِ سادات کی ماں ہیں اور حقیقی ماں ہیں نہ کہ اعزازی؟ کیونکہ جن کی جناب زہرؑا ماں ہے ان سب کی جناب خدیجہؑ ماں ہے اور لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ہونے والی نسل کی ماں ہے، آج چودہ سو سال کے عرصہ میں کروڑوں سادات مرد و عورت دنیا میں آئے اور چل بسے..آج بھی ہیں اور قیامت تک کروڑوں اور پیدا ہوں گے پس اِن کروڑ ہا نسل کی حقیقی ماں ہونے کے باوجود کھلے منبروں پر جناب خدیجہ کو امّ المومنین کہتے ہوئے زبان لرزتی ہے لیکن جس بیچاری کو ماں ہونا نصیب ہی نہیں ہوا اس کے لیے ببانگِ دہل منبروں پر کھڑے ہو کر امّ المومنین ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے؟ اور اس میں نہ شرم ہے نہ جھجک اور یہ تاریخ اسلام کی ایسی شرمناک حرکت ہے جس کی حد نہیں؟

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو طالبؑ چونکہ حضورؐ کے چچا تھے لہذا خونی رشتہ کی بنا

پر بھائی کی اولاد سمجھ کر انہوں نے تربیت کی تھی..تو میں عرض کروں گا کہ کسی پر کسی کو قربان کرنے کا بھی اصول ہوتا ہے مثلاً ایک سو روپیہ حاصل کرنے یا بچانے کے لیے ایک روپیہ بھی قربان کرنا آسان ہے.. ہزار روپیہ بچانے کے لیے ایک سو کو قربان کرنا قرین قیاس ہے وعلی ہذا القیاس..لیکن یہ ناممکن ہے کہ چھوٹی چیز کو بچانے کے لیے بڑی کو قربان کیا جائے۔

اب سیرتِ حضرت ابو طالبؑ کا مطالعہ کیجئے... حضورؐ کی خاطر مکہ کو چھوڑ کر شعبِ ابی طالبؑ میں تین سال مسلسل جلاوطنی کی زندگی گزاری..پس مکہ کو خیر باد کہا حضرت محمد مصطفیٰ کی خاطر..تجارت کو ختم کر دیا حضورؐ کی خاطر..گھر اور خاندان سے بچھڑ گئے حضورؐ کی خاطر..حتیٰ کہ کلید بردار بیت اللہ تھے اور بیت اللہ کو چھوڑ دیا حضورؐ کی خاطر..کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ حضرت محمد مصطفیٰ کے مقابلہ میں یہ تمام چیزیں ہیچ ہیں جن کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

پھر غور فرمایئے کہ خاندان کا مقابلہ ہو بھتیجے سے تو خاندان کے مقابلہ میں بھتیجا قیمتی ہے..پس خاندان کو بھتیجے پر قربان کیا جائے گا لیکن اگر بھتیجے کے مقابلہ میں بیٹا ہو تو فطری تقاضوں کے ماتحت بیٹا قیمتی ہے بھتیجے سے کیونکہ وہ اپنا خون ہے اور یہ بھائی کا خون ہے..پس بیٹے کو بچانے کے لیے بھتیجا قربان کرنا چاہیے، لیکن وہ کون سی شئے ہے جو بیٹے کے مقابلے میں آجائے تو بیٹے کو قربان کر کے اس کو بچایا جائے؟ وہ ہے دین کیونکہ بیٹے سے دین قیمتی ہے۔

جب حضرت ابو طالبؑ قریش سے بائیکاٹ کر کے حفاظتِ پیغمبر کی خاطر شعبِ ابی طالبؑ میں آئے تو رفتہ رفتہ یہ خبر پورے عرب میں پھیل گئی اور ہر جگہ قریشیوں کا شکوہ ہونے لگا کہ انہوں نے ہاشمی سردار کو ناراض کر کے جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا ہے..پس بصورتِ وفد اکابرین قریش شعبِ ابی طالبؑ میں پہنچے تا کہ

مذاکرات ہوجائیں اور کچھ لو اور کچھ دو کی بنا پر آپس میں صلح وصفائی ہوجائے، چنانچہ انہوں نے باہمی مذاکرات میں دو نکات پیش کیے:

❁ اے ابوطالبؑ! ہم آپس میں سودا کریں کہ قریش مکہ کا نوابزادہ عمارہ بن ولید جو کہ ایک حسین وجمیل نوعمر لڑکا ہے اس کو آپ لے لیں اور اپنا بھتیجا (محمد مصطفیٰ) ہمیں دے دیں پس ہمارا اور آپ کا جھگڑا ختم.... حضرت ابوطالبؑ نے جواب دیا اس قدر غلط تقسیم تم نے کی ہے احمقو! تمہارا بیٹا پالنے کیلئے لوں اور اپنا بیٹا تمہیں ذبح کرنے کیلئے دے دوں؟ جاؤ ہم تمہاری چال میں آنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

❁ دوسرا یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰ سے کہو ہم سے جو چاہے منوالے ہم بلا عذر مانیں گے اگر شادی کا خواہشمند ہے تو قومِ قریش کے جس گھرانے کی لڑکی سے شادی کرنا چاہے ہم اسی وقت رشتہ طے کرا دیں گے..اگر گھر بنانا چاہے تو جس طرح کی بلڈنگ چاہے ایک عالیشان محل تیار کروادیں گے..اگر دولت وزر کی خواہش ہو تو ہم سارے قریشی اس کا مطالبہ ماننے سے دریغ نہیں کریں گے اور اگر حکومت کرنا چاہے تو ہم باتفاقِ رائے اس کے سر پر تاجِ شاہی رکھنے کو تیار ہیں، ہمارا صرف ایک مطالبہ ہے کہ ہمارے خداؤں کی توہین نہ کرے اور نیا مذہب ایجاد نہ کرے۔

حضرت ابوطالبؑ نے حضورؐ کی خدمت میں قریش مکہ کا مطالبہ عرض کیا تو حضرت پیغمبرؐ نے سن کر فرمایا چچا جان! اِن سے برملا کہہ دیجئے کہ اگر فلک چہارم سے سورج اتار کر میرے ایک ہاتھ پر رکھ دیں اور چاند کو اپنی جگہ سے بلا کر میرے دوسرے ہاتھ پر رکھ دیں یعنی پوری کائنات کا سونا وچاندی میرے قدموں میں ڈال دیں میں سب کو ٹھکرا دوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ میں ذرّہ بھر کوتاہی نہ کروں گا..قریش کے منشور نا قابل قبول ہوئے تو بڑبڑاتے اٹھے اور واپس چلے گئے۔

حضرت ابوطالبؑ نے سوچا کہ مذاکرات کے فیل ہونے کے بعد بدمعاش

لوگوں کا راستہ تشدد ہو سکتا ہے کہ شبِ خون مار کر میرے محمد مصطفیٰ کو میری غفلت میں قتل کر دیں تو میری زندگی کی محنت برباد ہو جائے گی اور قریش دیکھ کر گئے ہیں کہ حضورؐ کہاں سوتے ہیں اور میرے بچے کہاں سوتے ہیں؟ پس حضرت محمد مصطفیٰ کو اُٹھا کر اپنے بچے کی جگہ سلایا اور اپنے فرزند (امام علیؑ) کو حضورؐ کے بستر پر لٹایا تا کہ پیغمبر اکرمؐ کے بستر پر سونے والا میرا بچہ ذبح ہو تو ہو لیکن حضورؐ پر آنچ نہ آنے پائے؟

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ کم قیمت یا ادنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کیا جاتا ہے، حضرت ابوطالبؑ نے گھر..خاندان..مکہ اور کعبہ کو قربان کر دیا حضرت محمد مصطفیٰ پر، کیونکہ حضورؐ قریب ہیں اور خاندان کا تعلق دور کا ہے، اب بیٹے اور بھتیجے کے مقابلے میں اگر پیغمبر اکرمؐ کو بھتیجا سمجھتے تو اپنے بیٹوں کو حضرت محمد مصطفیٰ پر ہرگز قربان نہ کرتے کیونکہ یہ اپنا خون ہیں اور حضورؐ بھائی کا خون ہیں لیکن بیٹے کو پیغمبر اکرمؐ کی جگہ پر سلا کر قربان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اے دنیا والو! اگر میں محمد مصطفیٰ کو بھتیجا سمجھتا تو بیٹے کو بچاتا اور بھتیجے کو قتل ہونے دیتا لیکن ایسا ہرگز نہیں بلکہ بیٹے کو بیٹا سمجھتا ہوں اور حضورؐ کو دین جانتا ہوں اور جب دین و اولاد کا مقابلہ ہو تو دین بچایا جاتا ہے اور اولاد کو قربان کیا جاتا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ کفار کو جرأت نہ ہو سکی اور حضرت ابو طالبؑ مسلسل ایسا کرتے رہے لیکن مشیتِ توحید نے محفوظ رکھا دین بھی بچ گیا اور بیٹا بھی محفوظ رہا ورنہ حضرت ابوطالبؑ کی نیت میں فرق نہ تھا... بعینہٖ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ پیاری چیز کو راہِ خدا میں قربان کرو اللہ تعالیٰ کا امر دین ہے اور پیاری چیز بیٹا تھا پس حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کی گردن پر چھری رکھ دی اسلئے کہ دین کی حفاظت بیٹے کی حفاظت سے اہم ہے..لیکن مشیتِ توحید نے دنبہ بھیج کر حضرت اسماعیلؑ کو بچا لیا ورنہ حضرت ابراہیمؑ کی نیت میں فرق نہ تھا..پس جس طرح وہاں مشیت نے حضرت اسماعیلؑ کو بچا لیا اسی طرح یہاں بھی حضرت ابو طالبؑ کے بیٹے کو مشیت

نے بچالیا، وہاں حضرت ابراہیمؑ کی نیت میں فرق نہ تھا یہاں حضرت ابو طالبؑ کی نیت میں فرق نہ تھا... یہ سنت جاریہ رہی اسلئے کہ حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی تھی وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ کہ ہم دونوں یعنی حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسماعیلؑ کی ذرّیت سے ایک گروہ پیدا فرما جو تیرے سامنے سر تسلیم خم کرنے والا ہو۔

حضرت پیغمبر اکرمؐ کی گود میں ایک طرف حضرت ابراہیمؑ اپنا فرزند اور دوسری طرف امام حسینؑ شاید دونوں ہم سن ہوں گے..پس کبھی بیٹے کو پیار کرتے تھے کبھی امام حسینؑ کو چومتے تھے، اسی خوشی خوشی میں جبریل نازل ہوا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان دونوں میں سے ایک کو چن لو دوسرا ہمیں دے دو..پس پیغمبرؐ نے دونوں شہزادوں کو دیکھ کر فوراً فیصلہ کر لیا کہ حسینؑ کو میں لیتا ہوں بیشک اللہ تعالیٰ میرے ابراہیمؑ کو لے لے...غالباً یہ مصلحت کارفرما تھی کہ حضرت ابراہیمؑ فرزند ہے اور امام حسینؑ دین ہیں..فرزند جاتا ہے تو جائے دین نہ جائے۔

اب امام حسینؑ نے میدانِ کربلا میں اپنے بزرگوں کی خاندانی روایت کو برقرار رکھا بلکہ اُن سے بڑھ چڑھ کر آگے قدم رکھا..وہاں صرف دین کے مقابلے میں ایک فرزند کی قربانی کا معاملہ پیش آتا رہا لیکن یہاں صرف ایک فرزند نہیں پورا گھرانہ..حتی کہ بہنوں کے پردہ تک کو دین کی حفاظت کیلئے قربان کرنے سے دریغ نہ فرمایا۔

غالباً بقولے دسویں کی رات بہن نے پوچھا کہ تیرا امتحان سخت تھا یا دادا حضرت ابراہیمؑ کا امتحان سخت تھا؟ تو امامؑ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے کی گردن پر چھری آئی لیکن اس کے بدلہ میں دنبہ ذبح ہوا اور حضرت اسماعیلؑ ذبح ہوئے بغیر ذبیح اللہ بن گئے...لیکن جو برچھی میرے علی اکبرؑ کے سینے میں آئے گی وہ نہ ٹلے گی..اسی طرح آگ حضرت ابراہیمؑ کے لیے روشن کی گئی تھی وہ بالآخر گلزار بن گئی لیکن جو آگ یہاں جلے گی وہ گلزار نہ ہوگی؟

ہائے..کس قدر المناک ہے یہ داستان؟ اُجڑ گئی حضرت علیؑ کی بیٹی ہمارے پاس کیا بچا؟ جب ہماری مخدومہ کھلے سر بازاروں میں پھرائی گئی؟ بے شک نبی زادیوں پر امتحانات آئے لیکن وہ مصائب کے آگے نہ ٹھہر سکیں۔

چنانچہ جناب رحمہ خاتون حضرت ایوبؑ کی زوجہ حضرت ذوالکفل کی ماں اور حضرت یوسف کی پوتی یا بیٹی خاندانِ نبوت کی شہزادی بارہ فرزند بیک وقت کوٹھے کی چھت کے نیچے دب کر مر گئے لیکن اُف تک نہ کی.. پورا گھر تباہ و برباد ہوا لیکن صبر سے کام لیا اور حضرت ایوبؑ خود سخت ترین مرض میں ایک دو سال نہیں بلکہ ۱۳ یا ۱۷ برس بیمار رہے لیکن دامن صبر ہاتھ سے نہ چھٹنے دیا.... لیکن ایک وقت آیا کہ اس صابرہ خاتون کے ہاتھ سے دامن صبر چھوٹ گیا اور وہ یہ کہ حضرت ایوبؑ کی خدمت کے لیے گھر سے نکلیں کسی راستہ پر تھیں کہ کہیں سے چند نوجوان آرہے تھے انہوں نے جناب رحمہ خاتون سے اپنا نسب پوچھا تو بتایا میں حضرت یوسفؑ کی پوتی یا بیٹی ہوں اور حضرت ایوبؑ نبی کی زوجہ ہوں میرا شوہر بیمار ہے اور اس کے لیے مزدوری کرنے چلی ہوں ان میں سے ایک بے حیا نے (شاید) کہہ دیا کہ تمہارے باپ حضرت یوسفؑ کے بال سنہرے اور خوبصورت تھے پس سر سے چادر کا دامن سرکاؤ اور ہمیں سر کے بال دکھاؤ پھر ہم تیرے شوہر کی ہر ممکنہ خدمت کر دیں گے.. یہ سننا تھا کہ شریف زادی کی چیخ بلند ہوئی اور گھر تک روتی ہوئی واپس چلی آئی جب حضرت ایوبؑ نے اپنی زوجہ کو گریہ کرتے دیکھا تو گھبرا گئے اور سوال کیا اے میری شریک حیات! اور میری صابرہ.. وفادار اور دمساز اس رونے کی کیا وجہ ہے؟ بس جب بی بی نے وجہ بیان کی تو حضرت ایوبؑ جیسے صابر نبی کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اور چلّا کر عرض گزار ہوئے اے میرے اللہ! کیا یہ میرا امتحان ہے یا میری غیرت اور ناموس کا؟ میں ہر امتحان سہہ سکتا ہوں لیکن ناموس کا درد مجھ سے نہیں سہا جا سکتا

پس میرا امتحان ختم کر دے چنانچہ ان کا امتحان ختم ہوا۔

میں زوجہ حضرت ایوبؑ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اے نبی زادی! تیرے سر سے چادر چھینی کسی نے نہیں صرف اُنہوں نے بالوں کا نام لیا جس کو برداشت نہ کر سکی ہائے زینب عالیہؑ! کس طرح ظالموں نے تیرے سر سے ردا چھینی اور تو کس طرح نامحرموں کے مجمع میں کھلے سر جاتی رہی؟ یہ تیرا ہی حوصلہ تھا۔

میں عرض کروں گا اے حضرت ایوبؑ! آپ کی زوجہ کے سر سے چادر کسی نے اتاری نہ تھی ہائے ایوبِ کربلا تو نے کس طرح بچشمِ خود دیکھا ہوگا کہ ماؤں.. بہنوں اور پھوپھیوں کے سروں سے چادریں اتار لی گئیں؟

ہماری عام عورتیں بھی خدا گواہ ہے صرف ایک میل تک شتر برہنہ پشت پر سوار نہیں ہو سکتیں... خدا جانے سینکڑوں میل کا سفر بتول زادیوں نے بے کجاوہ اونٹوں پر کیسے کیا ہوگا؟ اور یہ ان کے عزم و استقلال کا نتیجہ ہے کہ انبیاؑ کی بیٹیاں صرف ایک مصیبت سے گھبرا گئیں اور حضرت علیؑ کی بیٹی پر مصائب کے پہاڑ اُٹھے لیکن پائے استقلال سے سب کو ریزہ ریزہ کر کے آگے قدم بڑھاتی گئیں اور مصائب خود دم توڑ گئے اور جناب زینب عالیہؑ کے استقلال میں فرق نہ آیا۔

میں آپ سے سوال کرتا ہوں دنیا میں کوئی ایسا بھائی بھی ہوگا جس کے سامنے سال کے بعد بہن آئے اور بھائی اسے پہچان نہ سکے؟

جب یہ لٹا ہوا قافلہ واپس مدینہ پہنچا تو حضرت محمد حنفیہ ملنے کیلئے دو غلاموں کے سہارے تشریف لائے.. حضرت سجادؑ اٹھ کر ملے تو چچا محمد حنفیہ نے بھتیجے کو سینے سے لگایا اور دبایا تو امام سجادؑ کی چیخ نکلی چچا جان! میری پسلیاں درد کرتی ہیں!

حضرت محمد حنفیہ نے پوچھا بیٹے! میں بیمار ہوں مجھے ملنے بھیا حسینؑ نہیں آئے؟ امام سجادؑ نے جواب دیا چچا جان میں یتیم ہو کر آیا ہوں.. بابا مارا گیا، انہوں

نے پوچھا میرے باقی بھائی کہاں ہیں؟ تو امام سجادؑ نے روکر جواب دیا سب شہید کر دیئے گئے... پھر انہوں نے سوال کیا کہ پورے خاندان میں کتنے بچ کر آئے ہو؟ تو امام سجادؑ نے بتایا کہ ایک میں اور دوسرا آپ کا پوتا محمد باقرؑ باقی بچے ہیں اور امت محمدیہ نے باوجود پیغمبر اکرمؐ کی وصیت کے ہمارے اوپر جو مظالم ڈھائے اگر حضورؐ ظلم کا حکم دے جاتے تب بھی اس سے بڑھ کر ظلم نہ ہوتا؟ حالانکہ وہ اپنی آل پر احسان کرنے کی وصیت فرما گئے تھے۔

قافلہ میں تھوڑی سی بیبیاں تشریف فرما تھیں کیونکہ کہا تو یہ جاتا ہے کہ کل تین اونٹوں کی سواریاں تھیں پس حضرت محمد حنفیہ نے سوال کیا میری بہن زینبؑ واپس نہیں آئیں حالانکہ وہ سامنے تشریف فرما تھیں لیکن بھائی پہچان نہ سکا؟ تو حضرت سجادؑ نے اشارہ کر کے فرمایا وہ سفید سر والی بی بی جو کربلا کی طرف منہ کر کے اپنے بھائی کو رو رہی ہے وہی میری پھوپھی زینبؑ ہے.... بقولے..... اِدھر سے حضرت محمد حنفیہ چلے اور اُدھر جناب فضہ نے بازو ہلا کر عرض کیا بی بی تو ترستی تھی کہ کبھی مجھے بھی کوئی بھائی ملنے کے لیے آئے گا؟ وہ دیکھ تیرا بھائی محمد بن حنفیہ تجھے ملنے آرہا ہے... بھائی کا نام سننا تھا کہ کنیز کے سہارے اٹھیں اور چند قدم پہلے ہاتھ دراز کر کے بھائی کے گلے میں ڈال کر کہا اے اللہ؟ تیرا شکر ہے کہ ایک علیؑ کی تصویر میں نے آنکھوں سے دیکھ لی... حضرت محمد بن حنفیہ نے پوچھا بھیا حسینؑ کے بعد کیسے زندہ رہ گئی؟ جواب دیا بھائی موت اپنے بس میں نہ تھی.. پھر حضرت محمد حنفیہ نے پوچھا بھائیوں کے بعد کیا گزری اور کیسے گزری؟ جواب دیا بھائی یہ سوال نہ کریں کیونکہ آپ جانتا ہیں کہ میں جناب زہرؑا کی غیرت مند بیٹی ہوں اور آپ حضرت علیؑ کے غیور فرزند... بھائی ہو کر بہن کے درد نہ سن سکیں گے، جب حضرت محمد حنفیہ نے اصرار کیا تو بی بی نے بتایا جگر پر ہاتھ رکھو.. بھائیوں کی شہادت کے بعد

میرے سر سے چادر اُتر گئی؟ میں قید ہوگئی.. پھر بازار دیکھے.. دربار دیکھے اور وہ کچھ دیکھا جو میری خاندانی روایات کے موزوں نہیں تھا، پس محمد حنفیہ غش کھا کر گر گئے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار نے خواہش کی اے سجادؑ! اپنی پھوپھی سے کہو بیٹیاں ملاقات کے لیے ترس رہی ہیں آ کر بیٹیوں سے ملے؟

چنانچہ امام سجادؑ کے کہنے پر گھر گئیں لیکن عون و محمد کی خالی مسند کو دیکھنا پسند نہ کیا ایک دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئیں.. جب حضرت عبداللہ گھر آئے تو دیکھا ایک بوسیدہ اور پرانے لباس میں ملبوس مستور دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی ہے؟

(بقول بعض واعظین) حضرت عبداللہ نے اپنی بڑی بیٹی سے فرمایا بیٹی! میں نے تجھے کئی دفعہ کہا ہے کہ اپنی ماں کے بعد گھر کی مالکہ تم ہو اگر کوئی سائلہ عورت گھر میں آئے تو اس کو کچھ دے کر فوراً بھیج دیا کرو تا کہ اس کو انتظار نہ کرنا پڑے؟ یہ سامنے بوسیدہ لباس والی بی بی کو تم نے کس لیے انتظار میں بیٹھایا ہے؟ یہ کہنا تھا کہ شہزادیوں کی چیخیں بلند ہوئیں اور عرض کیا بابا یہ سائلہ نہیں ہے آپ نے نہیں پہچانا یہی تو ہماری ماں زینب عالیہؑ ہے... بقولے... خود آزمانے کے لیے حضرت عبداللہ آگے بڑھے اور قریب ہو کر پوچھا خود بتائیں آپ کون ہیں؟ تو بی بی نے درد بھرے لہجے میں جواب دیا اے عبداللہ! آپ نے نہیں پہچانا علی مرتضٰی کی بیٹی زینبؑ میں ہوں، از راہِ تعجب حضرت عبداللہ نے سوال کیا یہ سر کے بال یکسر سفید ہو گئے حالانکہ اتنا زیادہ عرصہ نہیں گزرا؟ تو جواب دیا اپنے بھائیوں.. بیٹوں.. عزیزوں کے لاشے کربلا کی گرم زمین پر بے کفن و بلا دفن چھوڑ کر شام کی اسارت نبھا کر آئی ہوں.. پھر حضرت عبداللہ کی نظر جو کلائیوں پر پڑی تو پوچھا کیا ہوا؟ بی بی نے رو کر فرمایا یہ اُن زنجیروں کے داغ ہیں جو پہنائے گئے تھے۔

وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ

یہ مجلس ابوظہبی میں یوم الجمعہ کو پڑھی گئی

تیسویں مجلس

اَلْحُسَیْنُ مِنِّیْ وَ أنَا مِنَ الْحُسَیْن

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں... یہ فقرہ اس زبان نکلا ہے جو کینہ پرور نہیں بلکہ حق پرور ہے.. خاندان پرست نہیں بلکہ حق پرست ہے اور اقربا پرور نہیں بلکہ حق پرور ہے... اگر کسی کی تعریف کی تو اپنا قریبی سمجھ کر نہیں بلکہ حق سمجھ کر اور کسی کی شکایت کی تب بھی اپنے سے دوری کی بنا پر نہیں بلکہ حق سے دور سمجھ کر۔

پس حضرت علیؑ کی تعریف کی تو بھائی سمجھ کر نہیں بلکہ حق سمجھ کر اور جناب زہراؑ کے حق میں کچھ فرمایا تو بیٹی سمجھ کر نہیں بلکہ حق سمجھ کر فرمایا اسی طرح امام حسینؑ کے متعلق بھی جو کچھ فرمایا صرف فرزند سمجھ کر نہیں بلکہ حق سمجھ کر فرمایا۔

جو حدیث رسول میں نے آپ حضرات کے گوش گزار کی ہے اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ کا سمجھنا نہایت آسان ہے لیکن دوسرے حصے کو سمجھنا بڑا مشکل ہے، پہلا فقرہ (حسینؑ مجھ سے ہے) اس کو ہر بندہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے کیونکہ بیٹا باپ سے ہوتا ہے اور فرع اصل سے ہوتی ہے...لیکن دوسرا فقرہ (میں حسینؑ سے ہوں) اس کو سمجھنا مشکل ہے اسلئے کہ باپ بیٹے سے نہیں ہوا کرتا اور نہ اصل فرع سے ہوتی ہے۔

میں دو حصوں کی وضاحت اپنے انداز سے کروں گا بشرطیکہ آپ کہانی سمجھ کر صرف کانوں کو متوجہ نہ کریں بلکہ حقیقت آموز درس سمجھ کر دل و دماغ کو متوجہ فرمائیں۔

دیکھئے..انسان کے متعارف ہونے کے دوطریقے ہیں ایک ہے اس میں ذاتی کمال کا پایا جانا اور دوسرا ہے کسی صاحب کمال کی طرف منسوب ہونا...ذاتی کمال کا نام علمی اصطلاح میں حسب ہے اور نسبی کمال نسب ہے۔

ایک شخص ذاتی کمال کی بدولت متعارف ہوا کرتا ہے کہ بڑا عالم ہے..فاضل ہے یا دنیاوی اعتبار سے فلاں عہدہ پر فائز ہے اور دوسرا شخص دینی یا دنیاوی کوئی عہدہ نہیں رکھتا بلکہ اس کا باپ عہدہ دار ہے پس وہ اپنے باپ کی طرف سے متعارف کرایا جائے گا کہ فلاں صاحب کا فرزند ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ذاتی کمال پائیدار اور نسبی کمال وشرف عارضی ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ ذاتی کمال اور نسبی کمال میں تلازم نہیں ہے یعنی حسب اور نسب میں لازم وملزوم کی حیثیت نہیں ہے..پس ضروری نہیں ہے کہ جس کا حسب بلند ہو اس کا نسب بھی اعلیٰ ہو؟ یا جس کا نسب اعلیٰ ہو اس کا حسب بھی اعلیٰ اور کردار بھی بلند ہو؟ ہاں جس کا نسب اعلیٰ ہو اس کو نسبی اور جس کا حسب اعلیٰ ہو اس کو حسبی کہا جائے گا۔

حضرت آدمؑ کا فرزند قابیل نسب میں بلند ہے کہ نبی زادہ ہے لیکن ذاتی حسب وکردار میں پست ہے کہ اپنے بھائی کا قاتل ہے اور اپنے بابا کی شریعت کا دشمن ہے...اسی طرح حضرت نوحؑ کا فرزند کنعان نسب اعلیٰ رکھتا ہے لیکن عمل و کردار کے اعتبار سے پست ہے پس اس کی قسم کے آدمیوں کو حسبی نہیں کہا جائے گا البتہ نسب اعلیٰ رکھتے ہیں لہذا نسبی ہیں۔

ان کے مقابلہ میں ایسے آدمی بکثرت موجود ہیں جن کا نسب پست ہے اور حسب وکردار بلند ہے...ان میں جناب سلمان فارسی..جناب بلال حبشی اور جناب محمد بن ابی بکر کی واضح مثالیں موجود ہیں کہ جن کا نسب بلند نہیں لیکن حسب میں بلند مقام رکھتے ہیں جو حدیث میں نے پڑھی ہے **حُسَیْنُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْن**

اس میں حضورؐ اپنے فرزند امام حسینؑ کو متعارف کرنا چاہتے ہیں کہ اس کو صرف نسبی بلندی کے اعتبار نہ دیکھو بلکہ اس کا اپنا حسب و کردار بھی بہت بلند ہے اور اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ اگر حسینؑ کا نسبی مقام دیکھنا ہو تو حسینؑ مجھ سے ہے لیکن اگر اس کا حسب دیکھنا ہو تو میں حسینؑ سے ہوں۔

دیکھئے... حضرت پیغمبرؐ کا نسب ہے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف حضرت آدمؑ تک اور ان کا حسب یعنی ذاتی کمال یہ ہے کہ آپ سلطان الانبیأ.. شافعِ محشر.. صاحب معراج.. بانئ اسلام اور صاحبِ قرآن ہیں، حضورؐ کے آبائے طاہرین حضرت عبداللہ سے لیکر حضرت آدمؑ تک نسب کے لحاظ سے تو آپ کے باپ دادا ہیں لیکن حسب کے لحاظ سے وہ سب کے سب آپ کی امت میں داخل ہیں... پس حضورؐ کے فرمان کا مقصد یہ ہوا کہ اگر میں نہ ہوتا تو حسینؑ کا نسب نہ بنتا اور اگر حسینؑ نہ ہوتا تو میرا حسب محفوظ نہ رہتا، پس نسب میں وہ مجھ سے ہے اور حسب میں میں اس سے ہوں۔

نسب کے دو پہلو ہیں ایک طول دوسرا عرض.. نسب کا طول اوپر کی طرف باپ.. دادا.. پردادا وغیرہ حضرت آدمؑ تک اور نیچے بیٹا.. پوتا آخر تک یہ ایک زنجیر ہے جس کی ہر کڑی دوسری سے ملی ہوئی ہے اور عرض نسب ہے بھائی.. بہن جو سلسلہ طول میں داخل نہیں ہے، عام انسانوں میں کوئی انسان نہ اپنے طولی سلسلہ کی ضمانت دے سکتا ہے اور نہ اپنے عرضی سلسلہ پر اطمینان کر سکتا ہے... لیکن امام حسینؑ سلسلہ نسب کے وہ سلطان ہیں جن کا طول بھی شک و ریب سے بالاتر ہے اور عرضی بھی لائق فخر ہے.. طول میں اوپر حضرت علیؑ سے حضرت آدمؑ تک ہر صلب پاک اور حضرت زہراؑ سے حضرت حواؑ تک ہر رحم پاک **أَشْهَدُ أَنَّکَ كُنْتَ نُورًا فِی الْأَصْلَابِ الشَّامِخَةِ وَ الْأَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ لَمْ تُنَجِّسْکَ الْجَاهِلِيَّةُ بِأَنْجَاسِهَا**

زیارت وارث ہے کہ اے امام حسینؑ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہمیشہ بلند صلبوں میں اور پاکیزہ رحموں میں رہتے رہے اور کسی دور میں بھی جاہلیت (شرک وکفر) آپ کو اپنی نجاستوں سے آلودہ نہ کرسکیں۔

پس آپ کا طولانی سلسلہ اوپر کی طرف حضرت آدمؑ وحواؑ تک پاک اور تحتانی سلسلہ امام سجادؑ سے امام مہدیؑ تک پاک.. پس اوپر کا سلسلہ بھی پاک اور نیچے کا سلسلہ بھی پاک گویا اصل بھی پاک اور نسل بھی پاک۔

امام حسینؑ نسب کے اعتبار سے عظمتوں میں گھرے ہیں نانا عظیم.. بابا عظیم.. ماں ملکہ عظمت یا یوں عرض کروں نانا ہے تو سید الانبیأ.. بابا ہے تو سید الاولیأ.. دادا ہے تو سید العرب.. نانی ہے تو سیدۃ العرب.. ماں سیدۃ النسأ العالمین اور خاتونِ جنت بھائی سید جوانانِ جنت.. بہن سیدہ صبر امّ المصائب.. بیٹا سید الساجدین۔

غالباً اسی بنأ پر حضورؐ کا ایک ارشاد منقول ہے کہ مقام نسب میں خود میں بھی حسینؑ کا مقابلہ نہیں کرسکتا کیونکہ حسینؑ کا نانا سید الانبیا ہے اور میرا نانا ایسا نہیں، حسینؑ کا بابا سید الاوصیأ ہے اور میرا بابا ایسا نہیں، حسینؑ کی ماں خاتونِ جنت ہے اور میری ماں کا یہ مقام نہیں اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبرؐ کا بھائی حسینؑ کے بھائی جیسا نہیں.. پیغمبرؐ کی نانی حسینؑ کی نانی جیسی نہیں.. پیغمبرؐ کی بہن حسینؑ کی بہن جیسی نہیں اور پیغمبرؐ کے بیٹے حسینؑ کے بیٹوں جیسے نہیں.. پس امام حسینؑ سلسلہ نسب کے وہ سلطان ہیں جن کی مثال ہیں تو صرف ایک امام حسنؑ اور بس۔

علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطأ (جو ہمارے استاذ الاستاذ ہیں) انہوں نے ایک مقام پر فرمایا کہ ہمیشہ مقام تعارف میں بے ہمت انسان اپنا نسب پیش کرتا ہے اور باہمت اپنا کردار وحسب پیش کرتا ہے یعنی باہمت آدمی دنیا میں اپنے کمال سے متعارف ہوتا ہے اور بے ہمت آدمی پدرم سلطان بود کے نعرہ پڑھی

محدود ہوتا ہے اور در حقیقت زندہ انسان وہ ہے جو اپنے قدموں پر کھڑا ہو، اگر دیکھو کوئی زندہ اپنے مردوں کے سہارے پر زندہ ہے تو اس زندہ کو زندہ مت کہو اور جس کا یہ سہارا لیتا ہے اس کو مردہ مت کہو بلکہ در حقیقت یہی زندہ مردہ ہے جو کہ زندگی کے باوجود مردوں کا سہارا لیتا ہے اور زندہ ہے وہ مردہ جس کا زندہ کو سہارا ہے۔

امام حسینؑ تخلیق پروردگار کے وہ عظیم شاہکار ہیں جنہوں نے نباض انسانیت ہو کر ظلم و جور کی چکی میں پسی ہوئی اور ظلم استبدار و تشدد کے شکنجوں میں جکڑی اور کراہتی ہوئی انسانیت کو عظیم انقلاب کے ذریعے یزیدیت و فرعونیت کے طوفانوں کے منہ موڑنے اور ان کی شوکت کو توڑنے کا جذبہ دیا۔

پس ایسے عظیم انسان کے لیے ناممکن تھا کہ اپنے تعارف کیلئے اپنے آبأ یا بزرگوں کا سہارا لیتے...ورنہ چاہتے تو اپنے نانا کی عظمت اور بابا کی جلالت پر ہی فخر کرنے تک محدود رہتے لیکن امام حسینؑ نے اپنے بلند عزم کے ماتحت غلامی کی زنجیروں میں جکڑی انسانیت کو راہِ آزادی کی نشاندہی کے لیے انتہائی کٹھن مراحل سے گزرنے کو اپنے دستور العمل میں شامل کر دیا، ایسے کٹھن مراحل کہ جن کے تصور سے بھی عام انسان لرز جاتا ہے۔

پس جب امام حسینؑ نے وہ مراحل طے کر کے پوری کامیابی کے ساتھ منزل مراد حاصل کر لی اور مظلوم اقوام کے لیے آزاد زندگی کی راہ ہموار کی لی اور عظمت انسانی اور روحِ اسلامی کو تازگی و تابندگی بلکہ تا ابد زندگی بخش دی.تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے بابا اور نانا کی عظمتوں کا سہارا لیتے خود نانا اور بابا تک محدود نہیں بلکہ تا آدمؑ تمام بزرگوں نے امام حسینؑ کی عظمت کو تسلیم کیا اور مل کر خراجِ عقیدت پیش کرنے اور داد دینے پر مجبور ہوئے۔

اب دیکھنا ہے کہ امام حسینؑ کا حسب کیا ہے جس پر نسب کو ناز ہے؟

تو اس مقصد تک پہنچنے کے لیے چند امور کا سمجھ لینا ضروری ہے:

۞ تاریک گھر میں معمولی چراغ روشنی دے سکتا ہے لیکن جہاں پہلے روشنی موجود ہو وہاں مزید روشنی کے لیے معمولی چراغ کام نہیں دے گا کیونکہ جب اندھیرا تھا تو اسی چراغ سے کام لینا دانشمندی کا تقاضا تھا... لیکن روشن گھر میں اسی چراغ کا جلانا حماقت کی علامت ہے، حق یہ ہے کہ یہاں وہ چراغ آئے جس کی روشنی موجودہ روشنی پر چھا جائے پس اگر پہلے زیرو کا بلب ہے تو ساٹھ والٹ کا لگایا جائے اور ساٹھ کا ہے تو سو والٹ کا لگانا چاہیے اور سو کا ہے تو ہزار کا لگائیں گے.. وعلی ہذا القیاس

۞ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اَن پڑھ گھرانے میں پڑھنا مشکل ہے لیکن اگر پڑھ لے تو چمکنا آسان ہے اسلئے کہ وہ اندھیرے گھر کا چراغ ہے اور اس کے برعکس پڑھے لکھے گھرانے میں پڑھنا اگرچہ آسان ہے لیکن چمکنا اور نامور ہونا مشکل ہے اسلئے کہ یہ روشن گھر کا چراغ ہے یہ اُس وقت چمکے گا جب موجود روشنیوں پر چھا جانے کی صلاحیت رکھتا ہوگا..... اسی طرح بخیل گھرانے میں کچھ دے کر سخی بننا مشکل ہے لیکن اگر کوئی دینے کی ہمت کرے تو شہرت یافتہ ہونا اور چمکنا آسان ہے کیونکہ تاریک گھر کا چراغ ہے اور اس کے برعکس سخی گھرانے میں رہ کر سخاوت کرنا آسان ہے لیکن چمکنا مشکل ہے کیونکہ روشن گھر کا چراغ ہے یہ تب چمکے گا جب تمام گھر والوں سے بازی لے جائے۔

۞ تیسری بات جو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ باپ یا خاندان جتنا گھٹیا یا گمنام ہو اُبھرنے والے بلند ہمت فرزند کے لیے بلندی اور ناموری آسان ہے اور اس کے برعکس باپ یا خاندان جس قدر بلند ہوگا نئی پود کے لیے بلندی کا مقام حاصل کرنا مشکل ہوگا.. مثلاً مقام تعلیم میں باپ اَن پڑھ ہے تو بیٹا معمولی سی تعلیم کے ساتھ باپ سے بڑھ سکتا ہے اور نام پیدا کر سکتا ہے لیکن اگر

باپ تعلیم یافتہ ہو تو جس قدر باپ کی تعلیم کم ہو گی بیٹے کے لیے بلندی اسی قدر آسان ہو گی..مثلاً وہ پرائمری پاس ہے تو بیٹا تھوڑی محنت کر کے مڈل پاس ہو کر باپ سے قدم بڑھالے گا اور اگر باپ مڈل پاس ہو تو بیٹا میٹرک کر کے اپنی شان بنالے گا اگر وہ میٹرک ہو تو یہ بی اے کر لے..وہ بی اے ہو تو یہ ایم اے کر لے، مقصد یہ ہے کہ باپ جس قدر بلند ہوتا جائے گا بیٹے کے لیے مشکل بڑھتی جائے گی۔

زندگی کے ہر شعبہ میں یہی قیاس کیجئے اگر باپ یا خاندان بخیل ہو تو بیٹا سخاوت کر کے سخی کہلائے گا لیکن وہ بھی سخی ہوں تو اِن کو بلندی حاصل کرنے میں اُن سے بڑھ کر قدم رکھنا پڑے گا ورنہ نامور ہونا مشکل ہو گا..کیونکہ مثال کے طور پر اگر باپ حاتم طائی جیسا سخی ہو تو بیٹا پانچ یا دس روپے میں سخی نہیں کہلائے گا بلکہ لوگ اس کو بخیل کہیں گے یعنی جہاں بخیل گھرانے کا فرد ایک روپیہ دے کر سخی کہلا سکتا ہے وہاں سخی گھرانے کا فرد پانچ روپے دے کر بھی بخیل کہلائے گا؟ اسی طرح اَن پڑھ گھرانے کا فرد جہاں پرائمری پاس کر کے تعلیم یافتہ کہلا سکتا ہے وہاں تعلیم یافتہ گھرانے کا فرد مڈل پاس ہو کر بھی اَن پڑھ کہے جانے کا مستحق ہو گا۔

ان باتوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد امام حسینؑ کی عظمت کا اندازہ کیجئے؟

امام حسینؑ تاریک گھر کے چراغ نہیں..بخیل گھرانے کے سخی نہیں..بزدل خاندان کے بہادر نہیں..اَن پڑھ گھرانے کے عالم نہیں..بے نماز گھر کے نمازی نہیں اور گمنام گھرانے کا نامور نہیں بلکہ امام حسینؑ اس گھر میں آئے جہاں معرفت و سخاوت اور شجاعت و عبادت کی گونا گوں قندیلیں چہار دانگِ عالم میں ضیا پاشی کے لیے مصروف کار تھیں...ایک تاریک گھر کا چراغ ہوتے تو معمولی چمک سے اُبھر سکتے تھے اور اگر پہلے معمولی درجہ کی روشنی ہوتی تو یہ تھوڑی سی محبت کر کے اپنی چمک سے نمایاں مقام حاصل کر سکتے تھے، امام حسینؑ جس گھرانے میں آئے وہاں روشنی

پھیلانے والے زیرو یا کم درجہ کے بلب روشن نہیں تھے بلکہ ہائی درجہ کے بلب موجود تھے، یا یوں عرض کروں کہ اس گھر میں روشن ہونے والا نبوت کا بلب ایک لاکھ چوبیس ہزار والٹ کا تھا اور جس مالک و کارخانہ دار (اللہ) نے یہ بلب تیار کیا ہے اس نے یہ نمبر ہی آخری قرار دیا ہے..نہ اس نے بلند درجہ کا پہلے بنایا اور نہ بعد میں بنایا جائے گا، اسی طرح ولایت کا بلب آخری نمبر کا، عصمت وطہارت کا بلب آخری نمبر کا، پھر اِن ہائی روشنیوں میں آکر امام حسینؑ نمایاں طور پر اپنی روشنی پھیلائے اور سابق کے تمام روشن ماحول سے بھی اپنی روشنی منوائے تو کیسے؟ یہ امام حسینؑ کے عظیم مشن کا عظیم منشور تھا جس کو امام نے نبھایا اور بزرگوں سے منوایا۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ باپ جس قدر گمنام اور گھٹیا ہو تو بیٹے کے لئے بلندی کا مقام آسان ہے...لیکن باپ جس قدر بلند ہو بیٹے کے لئے اسی قدر مشکلات میں اضافہ ہوگا۔

امام حسینؑ اس عظیم باپ کے فرزند ہیں جنہوں نے بلندی کا کوئی زینہ چھوڑا ہی نہیں جس پر قدم نہ رکھا ہو؟ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام بھی علیؑ رکھا ہے، پست ہوتے تو عالم الغیب نے ان کا نام علیؑ کیوں رکھا ہوتا؟

اگر کمالات کے متعدد شعبہ جات ہوں اور باپ ایک شعبہ میں بلند مقام حاصل کر لے تو بیٹا دوسرے شعبہ میں آخری ڈگری حاصل کر کے باپ کے برابر کرسی حاصل کر سکتا ہے..مثلاً باپ علم الحساب کے آخری زینہ پر ہو تو بیٹا الجبرا میں آخری ڈگری پر..اسی طرح باپ علم تاریخ میں ماہر ہو تو بیٹا علم جغرافیہ میں صاحب کمال..وعلی ہذا القیاس

لیکن امام حسینؑ اُس باپ کے فرزند ہیں جنہوں نے کمالاتِ انسانیہ میں سے کوئی شعبہ چھوڑا ہی نہیں جس کے آخری زینہ پر قدم نہ رکھا ہو؟

مقام علم میں بابِ مدینہ علومِ نبویہ..مقام شجاعت میں اسداللہ الغالب..مقام معرفت میں سلطان العارفین..مقام تقویٰ میں امام المتقین..مقام اسلام میں اوّل المسلمین..مقام ایمان میں ایک طرف ایمانِ کل اور دوسری طرف امیر المومنین..مقام ولایت میں سید الاولیاً..آخرت میں قسیم الجنتہ والنار..اور بارگاہِ پروردگار میں حاضری کے وقت حامل لواءُ الحمد (انبیاً واولیاً کی پناہ گاہ) اب امام حسینؑ اس بابا سے بڑھیں تو کیونکر؟ جب کہ اس کے بعد ترقی کا کوئی زینہ ہی نہیں؟ اور اس عظیم بابا سے اپنی عظمت منوائیں تو کیسے؟

لیکن آپ کے عزم واستقلال کا کیا کہنا اے امام حسینؑ! آپ نے ہر میدان میں قدم ایسا جما کے رکھا کہ فتح ونصرت نے بڑھ کر آپ کے قدم چوم لیے اور نانا اور بابا بھی آپ کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکے؟

دیکھئے...مقام عبادت میں امام حسینؑ کے نانا سے بڑا عبادت گزار اور نمازی کوئی نہیں ہوسکتا لیکن امام حسینؑ نے اپنا مقام طے کرلیا اور نماز ایسی پڑھی کہ ان کی نماز نے تمام اوّلین وآخرین کے نمازیوں کی نماز کی لاج رکھ لی حتی کہ ایک شاعر نے برملا کہہ دیا:

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
اِک ضرب یداللّٰہی اِک سجدۂ شبیری

حالانکہ اس شاعر نے حلقہ اسلام میں پڑھی جانے والی ہر نماز کو امام حسینؑ کی نماز کے مقابلہ میں کالعدم قرار دے دیا اور میں نے نہیں سنا کہ اس شاعر کو کسی نے کافر کہا ہو؟ وجہ یہ ہے کہ ہے ہر نماز درجہ مقبولیت تک نہیں پہنچتی بلکہ وہ نماز مقبول ہوتی ہے جس میں خضوع وخشوع موجود ہو اور خضوع کے لیے ضروری ہے کہ فضا مناسب..ماحول سازگار..نمازی پرسکون..مطمئن اور بے چینی وپریشانی سے دور ہو،

بے شک حضورؐ نے نمازیں پڑھیں اور انتہائی خضوع وخشوع سے پڑھیں لیکن ماحول سازگار اور فضا پرسکون تھی.. مثلاً مسجد کی چھت کے نیچے سائے میں.. شکم سیر ہو کر.. پورے اطمینان کے ساتھ.. اقتدأ کرنے والے ہزاروں معتقدین کے آگے کھڑے ہوکر.. نہ گرمی نہ درد.. نہ غم نہ فکر.. ادھر جبریل کی آمد.. فتح ونصرت کی خوشخبری.. اسلام کی توسیع.. قرآن کا نزول.. رحمت پروردگار کا سایہ.. دشمن کا غلغلہ نہ شور وغل نہ عزیزوں کا قتل.. نہ جسم پر زخم.. نہ بہن بیٹی کے پردہ کی فکر.. پس ہر طرح سے بےفکر ہوکر آرام واطمینان سے نمازیں ادا فرماتے رہے۔

امام حسینؑ نے ایک نماز ایسی حالت میں پڑھی کہ دنیا میں جس درد وغم کا تصور ہوسکتا ہے وہ سب امام حسینؑ کے لیے موجود تھے اور ہر قسم کی گرمی وجودِ اطہر پر موجود تھی، سورج کی گرمی.. ملک گرم.. فضا گرم.. ہوا گرم.. موسم گرم.. وقت گرم.. جسم پر بےحد زخموں کی گرمی.. تیروں کی برسات.. مارو مارو کی صدائیں.. کسی طرف علی اکبرؑ کا لاشہ.. کہیں قاسم وعباس وعون ومحمدؑ کے لاشے.. ادھر سکینہ کے بین.. باقی سادانیوں کے رونے کی آوازیں.. ان تمام دردوں میں گھر کر پورے اطمینان کے ساتھ خون آلود ریگ صحرا پر تیمّم کرکے بہتر لاشوں کے درمیان کھڑے ہوکر قبلہ کی طرف رُخ کرکے کہتے ہیں.. اللہ اکبر

یہ امام حسینؑ کی وہ نماز تھی جس نے ملأ اعلیٰ میں کہرام بپا کردیا اور غالباً زیارتِ مطلقہ کے الفاظ ارواحِ انبیا اور ملائکہ کی زبان سے بھی بےتحاشا نکلے ہوں گے **أَشْهَدُ أَنَّکَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلاۃَ**.

بے شک امام علیؑ نے زکواۃ دی لیکن امام حسینؑ کا رنگ نرالا ہے، حضرت علیؑ نے زکواۃ میں انگوٹھی دی اور امام حسینؑ نے بھی انگوٹھی دی.. مولا علیؑ نے دی رکوع میں امام حسینؑ نے سجدہ میں.. امام علیؑ نے مسجد کے سائے میں اور امام حسینؑ نے گرم

ریت پر.. حضرت علیؑ نے صرف انگوٹھی دی انگلی بچ گئی لیکن امام حسینؑ نے انگوٹھی دی تو (بقولے) انگلی کٹ گئی؟ غالباً بہن نے سوال کیا ہوگا کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں تو پانچ ہیں لیکن دوسرے کی انگلیاں چار کیوں ہیں؟ اور جب حضرت علیؑ کی روح کربلا میں پہنچی ہوگی تو کیا کہا ہوگا؟

أَشْهَدُ أَنَّکَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتَ الزَّکٰوةَ زیارتِ مطلقہ میں ہے امام حسینؑ میں گواہی دیتا ہوں کہ نماز تو نے پڑھی اور زکواۃ بھی تو نے دی.

اس میں شک نہیں کہ شجاعت و بہادری میں حضرت علیؑ سے کوئی نہیں بڑھ سکتا لیکن جس طرح میں نے پہلے کہا ہے کہ عبادت میں خضوع وخشوع کیلئے پرسکون ماحول اور پراطمینان فضا کا ہونا ضروری ہے اسی طرح شجاعت کے لیے بھی فضائے سازگار ضروری ہے ورنہ جس بہادر کے سر میں درد ہو یا پیٹ میں تکلیف ہو یا اس کے سامنے اس کا بیٹا تڑپ رہا ہو یا وہ ہوشربا مصائب میں خود گھرا ہوا ہو تو میدان میں جوہر شجاعت نہیں دکھا سکتا۔

بے شک حضرت علیؑ نے جنگ کی مگر ہر قسم کی فکر سے آزاد ہو کر لیکن جب امام حسینؑ نے تلوار اٹھائی تو ہر قسم کے افکار میں گھر کر؟ میدانِ خیبر میں حضرت علیؑ لڑے تو ماحول ہمت افزا تھا اور امام حسینؑ جب میدانِ کربلا میں آئے تو فضا ہمت شکن اور ہوشربا تھی؟

حضرت علیؑ نے گھوڑا طلب کیا تو غالباً پیغمبرؐ نے پیش کیا ہوگا تلوار مانگی تو پیغمبرؐ نے عطا کی ہوگی لیکن یہاں امام حسینؑ نے تلوار مانگی تو جناب زینبؑ در پر کھڑی ہو گئی اور گھوڑے پر سواری کا ارادہ کیا ہوگا تو نَظَرَ یَمِیْنًا وَّ شِمَالًا دائیں بائیں دیکھ کر فرمایا یَا فُرْسَانَ الْهَیْجَاءَ مَا لِیْ اُنَادِیْکُمْ فَلَا تُجِیْبُوْنِی کہاں ہو بیشہ شجاعت کے شیرو! آج میں بلاتا ہوں اور کوئی جواب نہیں دیتا؟ شاید بہن نے

جواب دیا ہو کس کو بلاتے ہو؟ کون بچ گیا ہے؟ اگر حکم ہو تو صرف بہن حاضر ہے؟
حضرت علیؑ میدانِ خیبر میں آگے بڑھے تو پیچھے محمد مصطفیٰ کی دعا اوپر رحمت خدا دائیں جبریلؑ بائیں میکائیلؑ آگے عزرائیلؑ پاؤں چومنے کے لیے نصرت پروردگار اور درخیبر میں ہاتھ ڈالا اور اسے اکھیڑ پھینکا..میں عرض کروں گا یاعلیؑ سازگار ماحول اور پرسکون فضا میں قوت یداللہی سے درخیبر کا اکھاڑنا آسان ہے لیکن انتہائی ہوشربا اور روح فرسا حالات میں اور ناساز ماحول میں علی اکبرؑ جیسے نوجوان فرزند کے سینے سے برچھی کا نکالنا مشکل ہے؟

جو شخص ہمارے رونے پر اعتراض کرتا ہے میں اس سے دریافت کرتا ہوں کہ تیرا ایسا نوجوان فرزند ہوتا جس کی عمر ۱۸ برس ہوتی..شکل میں یوسفؑ..تین دن کا پیاسا..جیٹھ ہاڑ کی گرمی دوپہر کا وقت..سینے میں برچھی..ستر قدم کے فاصلہ پر دیکھنے والی ماں ہوتی اور کمسن بہن کے سر پر قرآن ہوتا اگر تیرا ہوتا تو تو کیا کرتا؟

مدہوش کھڑی تھی ماں کہ کم سن بچی نے شاید دامن کھینچ کر کہا ہو گا ماں کیا دیکھتی ہو بھیا علی اکبرؑ گھوڑے کی زین سے اُتر گئے؟

ہائے..کتنا پیارا بیٹا تھا جناب لیلیٰ کا جس کا نام ہے علی اکبرؑ! اب میں نفسیاتی انداز سے مصائب پڑھتا ہوں ان الفاظ کو کتابوں سے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کریں؟

شیعہ نوجوانو! تم ماتم کر کے اپنے سینے اور سر کا خون قربان کرتے ہو اور کس قدر قیمتی خون ہے نوجوانوں کا جو حضرت علی اکبرؑ کے صدقہ میں گلی کوچوں میں گرایا جاتا ہے؟ اگر چودہ سو سال کا جوانوں کا خون اکٹھا ہوتا تو شاید ایک دریا کی شکل میں بہہ جاتا لیکن میرا عقیدہ ہے کہ شیعہ جوانوں کے خون کا موجزن سمندر بھی ہو تب بھی امام حسینؑ کے نوجوان علی اکبرؑ کے ناحق خون کے قطرہ کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔

جب دسویں کے دن ڈھلے ماں کے دروازہ پر آ کر سلام کے لیے ٹھہرا ہو گا تو

وہ کیسا سماں ہوگا؟ ماں نے کہا ہوگا بیٹے کیسے تشریف لائے ہو؟ تو جھجکتے ہوئے لہجے سے علی اکبرؑ نے کہا ہوگا ماں آپ ترستی تھیں کہ میرا جوان مجھ سے کوئی چیز مانگے اور میں بسم اللہ کر کے دوں آج مانگنے کے انداز سے حاضر ہوا ہوں اجازت ہو تو عرض کروں؟ ماں نے کہا ہوگا بسم اللہ جو چاہو مانگو؟ لیکن میری حیثیت کا اندازہ کر کے مانگنا؟ اماں جان وہی چیز مانگوں گا جو تیرے پاس ہوگی اچھا مانگو میرے لعل، عرض کیا اماں ذرا جگر پر ہاتھ رکھو تو مانگتا ہوں... بیٹا میں ہاجرہ تو نہیں ہوں تیرے صابر بابا کے در کی کنیز ہوں جو جی چاہے مانگ لو عرض کیا اور کچھ نہیں مانگتا بس موت کی اجازت مانگتا ہوں۔

یہ علی اکبرؑ کی ماں کا حوصلہ تھا کہ بیٹے کی زبان سے موت کا نام سن کر سہہ گئی اور کہہ دیا بیٹے تو نے اجازت مانگ لی اور میں نے دے دی، پس کنیز (فضہ) سے فرمایا کہ علی اکبرؑ کے غلام سے کہو گھوڑا تیار کر کے اندر بھیج دے..آج میں خود علی اکبرؑ کو گھوڑے پر سوار کروں گی کیونکہ یہ میرے بیٹے کی آخری سواری ہے۔

چنانچہ گھوڑا تیار کر کے غلام نے اندر بھیج دیا تو علی اکبرؑ کی ماں نے گھوڑے کی باگ پکڑی اور اپنے جوان فرزند کے سامنے آئی اور فرمایا بیٹا! بسم اللہ سوار ہو جاؤ ماں نے کوچ میں ہاتھ رکھا ہوگا، رکاب تھامی ہوگی پس جوان کو سوار کر کے باگ اس کے حوالے کی اور کہا ہوگا کہ چہرہ سے تحت الحنک الگ کر کے تمام بیبیوں کو سلام کرو۔

جناب لیلیٰ نے تمام مخدرات سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے بیبیو! خود بتلاؤ کہ جتنے نوجوان میدان میں گئے ہیں کیا میرے علی اکبرؑ سے زیادہ کوئی حسین تھا؟ پھر فرماتی ہیں کہ بروز محشر مولا حسینؑ کی ماں کے سامنے گواہی دینا کہ میں نے اپنا بیٹا زہراؑ کے بیٹے سے پیارا نہیں سمجھا؟ اور میدانِ شہادت میں روانہ کیا۔

یہ بی بی شرم وحیا کی پیکر تھی..جس کتاب میں میں نے دیکھا ہے جب سے

امام حسینؑ کے گھر میں آئی ہے آج تک حضرت عباسؑ کی مخدومہ بن کر رہی، بیٹے سے فرمایا تم رُکو میں ابھی آ رہی ہوں سر پر چادر اوڑھی اور اپنے خیمے سے نکلتی ہوئی حضرت عباسؑ کے خیمہ کی طرف بچشم گریاں بڑھی... چند خیام سے گزر کر حضرت عباسؑ کے خیمہ کے قریب پہنچی، حضرت عباسؑ کا فرزند جو کہ خیمہ سے باہر میدان کا حال معلوم کرنے کو نکلا تھا کہ اس کی نگاہ چچی کی چادر پر پڑی اور جلدی سے پیچھے پلٹا، حضرت عباسؑ فرماتے ہیں بیٹا جلدی واپس لوٹے ہو؟ عرض کرتا ہے کہ بابا قیامت کے آثار ہیں؟ فرماتے ہیں کونسی قیامت؟ عرض کرتا ہے بابا آج وہ بی بی ہمارے ہاں آ رہی ہے جو کبھی نہیں آئی، حضرت عباسؑ دریافت فرماتے ہیں کون؟ عرض کرتا ہے چچی لیلیٰ، بس جناب لیلیٰ کا نام سننا تھا کہ حضرت عباسؑ کے ہاتھ کانپے.. ہاتھ سے تلوار گر پڑی..دستار کے پیچ کھل گئے.. نعلین نہ سنبھلے اور ہتھیلیاں ٹیک کر جلدی سے اٹھے..دروازے تک پہنچے جناب لیلیٰ کی چادر پر نگاہ پڑی نگاہیں جھک گئیں، عرض گزار ہوئے اے میری مخدومہ کنیز کو بھیج کر مجھے در پر بلوا لیا ہوتا قدم رنجا کیوں فرمایا؟ خدا جانتا ہے کہ گریہ کے لہجے میں فرمایا اے عباسؑ آج مجھے مخدومہ نہ کہو، اے عباسؑ! میرے مخدومہ کے زمانے گزر گئے آج میرے بخت کا سورج ڈھل رہا ہے اور میرا حضرت زہراؑ سے رشتہ کٹ رہا ہے، آج میرا جوان بیٹا موت کی طرف جا رہا ہے اس لئے تیرے پاس آئی ہوں کہ میرا بیٹا ہے اور تیرا شاگرد ہے میرے خیمہ میں آؤ اور میرے بیٹے کو میدان کی طرف روانہ خود کرو..حضرت عباسؑ آئے اور حضرت علی اکبرؑ نے جھک کر سلام کیا، حضرت عباسؑ نے علی اکبرؑ کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور میدان میں جانے کی اجازت دی اور پیچھے ہٹے، اب شہزادہ علی اکبرؑ فرماتا ہے اماں مجھے چچا نے اجازت دے دی، آپ کی اجازت ہو تو چلا جاؤں؟ چنانچہ اجازت لینے کے بعد علیؑ اکبر نے گھوڑے کو اشارہ کیا

اور خیام سے نکلنے کا ارادہ کیا۔

راوی کہتا ہے کہ ہر جوان کے بعد خیام میں صدائے گریہ بلند ہوئی لیکن اس شہزادے کی روانگی پر خیام میں ماتم بپا ہوا ہر مستور نے ماتم کیا کہ ہمشکل پیغمبر روانہ ہو رہا ہے... حضرت زینبؑ عالیہ کو خیمہ میں پڑا ایک پتھر نظر آیا ہر بی بی نے ہاتھ سے ماتم کیا اور حضرت زینبؑ نے پتھر سے ماتم کیا... ہائے علی اکبرؑ

میں نے ایک روایت میں پڑھا ہے بقول حمید بن مسلم خیام کا پردہ تین دفعہ اٹھا اور گرا اور اس کے بعد صدائے گریہ و ماتم بلند ہوئی... تین دفعہ پردہ کا اٹھنا اور گرنا اس کی یہی توجیہ یہی ہوسکتی ہے کہ بیبیوں نے باری باری پیار کیا ہوگا اور شہزادے کو رکنا پڑ گیا ہوگا۔

غالباً پہلی دفعہ جب شہزادے نے گھوڑے کو اشارہ کیا اور گھوڑا روانہ ہوا تو پیچھے سے کسی نے دامن کو کھینچا تو شہزادے نے پوچھا کون ہو روکنے والے؟ گریہ میں ڈوبی ہوئی آواز نکلی تیری پھوپھی ہوں علی اکبرؑ، عرض کیا جب اجازت مل گئی تو روکتی کیوں ہو؟ بھرائی ہوئی آواز میں کہا بیٹا روکتی نہیں ہوں بلکہ ارمان پورا کرنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ جب میں میدان میں ملنے کے لیے آؤں گی تو تیری صورت خاک و خون میں غلطان بوسہ کے قابل نہ ہوگی اس لیئے اگر ہوسکے تو زین سے جھک کر مجھے گلے سے لگا لو تا کہ ایک ایک دفعہ دایاں اور بایاں رخسار چوم لوں؟ پس علی اکبرؑ جھکے ہوں گے اور پھوپھی نے بوسہ دیا ہوگا۔

دوبارہ گھوڑے کو باگ کا اشارہ کیا تو پھر پردہ دار نے دامن کو کھنچا حضرت علی اکبرؑ نے پوچھا کون ہو؟ تو گریہ کے لہجہ میں جواب دیا تیری ماں لیلیٰ ہوں عرض کیا اماں جان! جب اجازت دے دی تو روکنے کا کیا مطلب؟ وہ دیکھو بابا اکیلا ہے؟ بی بی نے جواب دیا جب پھوپھی کو موقعہ دیا ہے تو میں ماں ہوں مجھے بھی محروم نہ کرو

حسرت پوری کرلوں ایک دفعہ چہرہ پر بوسہ دینے دو؟ چنانچہ دوبارہ علی اکبرؑ جھکے اور ماں نے چوما اور پیچھے ہٹی۔

اب جو تیسری بار علی اکبرؑ نے گھوڑے کو اشارہ کیا اور پھر دامن کو کسی نے کھنچا تو علی اکبرؑ نے پوچھا کون ہو روکنے والے؟ خاموشی چھا گئی اور جواب نہ ملا، پس گھوڑے سے فرمایا کیوں رک گئے ہو؟ تو گھوڑے نے زبانِ حال سے اپنی مجبوری بیان کی..تو شہزادے نے فرمایا کونسی مجبوری ہے؟ گھوڑے نے گردن ہلا کر اپنے قدم کی طرف اشارہ کیا، بس علی اکبرؑ نے جھک کر دیکھا تو کمسن بچی گھوڑے کے سموں کو تھامے ہوئے ہے...علی اکبرؑ نے فرمایا اے سکینہؑ گھوڑے کے سم چھوڑ دو پس بھائی کا حکم مان کر اٹھ کھڑی ہوئی اور عرض کیا میرے جوان بھائی میری کم سنی پر رحم کرو، اماں کا قد دراز تھا اور پھوپھی کا قد بھی دراز تھا کہ انہوں نے تیرے چہرے پر بوسہ دیا میرا قد چھوٹا ہے آپ کو مجبور نہیں کرتی اور نہ ہی گھوڑے سے اُترنے کو کہتی ہوں، ذرا اپنا دایاں قدم رکاب سے نکال لو تا کہ اپنے سینے سے بھی لگا لوں اور جی بھر کر چوم لوں شام تک یاد کرتی رہوں گی کہ میں نے علی اکبرؑ کے قدم چومے تھے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْن

لتھا بے وس تھی کے زین اتوں تھی زخمی چن لیلا دا
آکھیا یا ابتاہ ادرکنی میڈا وقت قضا دا
ریہیا اُٹھدا بانہدا کئی واری اُتے خاک تے پیو صغراؑ دا
بہوں اوکھا پہنچا ٹیک کے زانوں اُتے لاش تے چن زہراؑ دا

یہ مجلس العین میں پڑھی گئی

اکتیسویں مجلس

هَلۡ يَسۡتَوِیۡ الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِيۡنَ لا يَعۡلَمُوۡنَ

کیا برابر ہیں وہ جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے؟ انسانی ضمیر کو جھنجھوڑ کر اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ طلب کر رہا ہے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے سب برابر ہیں؟ گویا اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جب ہم نے برابر بنائے نہیں تم برابر کیسے سمجھتے ہو؟

اجناسِ کائنات میں سے کسی جنس کے افراد میں برابری نہیں ہے زمینیں سب برابر نہیں.. آسمان سب برابر نہیں.. ہوائیں سب برابر نہیں.. پہاڑ سب برابر نہیں.. پانی سب برابر نہیں.. پتھر سب برابر نہیں..حیوان سب برابر نہیں.. بندے سب برابر نہیں..ولی سب برابر نہیں..نبی سب برابر نہیں..تو جن نبیوں کا تم کلمہ پڑھتے ہو وہ خود برابر نہیں ہیں تو ان کے پاس بیٹھنے والے کیسے برابر کو سکتے ہیں؟

بعض پتھر موتی کی شکل میں شاہی تاج میں جڑنے کے قابل ہیں اور بعض سڑکوں پر پاؤں کے نیچے روندنے کے لائق ہیں،بعض پانی منہ لگانے کے قابل نہیں اور بعض قابل چند روپے میں بوتل بکتی ہے..گنگا کا پانی بھی پانی ہے..اور کوثر کا بھی پانی ہے..عام پہاڑ بھی پہاڑ ہیں..اور طور بھی پہاڑ ہے۔

سور بھی حیوان ہے اور بکری بھی حیوان ہے..اگر چہ قد میں برابر ہوں..عمر

برابر ہوں لیکن سور سور ہے اور بکری بکری ہے.. یہ بھی گدھے ہیں جن پر مٹی اینٹیں لادی جاتی ہیں..اور وہ بھی گدھے تھے جن پر نبی سوار ہوتے تھے..تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سب برابر ہیں؟ مجھے اپنے پیغمبرؐ کے متعلق تو معلوم نہیں کہ کبھی کسی گدھے پر سوار ہوئے ہوں البتہ حضرت موسیٰؑ گدھے پر سوار ہوتے تھے۔

وہ فرشتہ جس نے سب سے پہلے ولائے علیؑ کا اقرار کیا وہ سید الملائکہ بنا.

ہواؤں میں سے جس نے سب سے پہلے ولائے علیؑ کا دم بھرا وہ بادِ نسیم بنی.

وہ پانی جس نے سب پہلے ولائے علیؑ کا اقرار کیا وہ کوثر بنا.

زمین کا وہ ٹکڑا جس نے سب سے پہلے ولائے علیؑ کا اقرار کیا اس کو مکان کعبہ بنا.

مہینوں میں سے جس نے سب سے پہلے ولائے علیؑ کا اقرار کیا وہ ماہِ رمضان بنا.

انبیاءؑ میں سے سب سے پہلے ولائے علیؑ کا اقرار کیا اور اولوالعزم ہوا.

راتوں میں سے جس نے سب سے پہلے ولائے علیؑ کا اقرار کیا وہ شب قدر بنی.

دنوں میں جس نے سب سے پہلے ولائے علیؑ کا اقرار کیا وہ یوم جمعہ ہوا.

یہ سب برابر نہیں....اسلئے میں کہا کرتا ہوں:

وہ بندہ بندہ نہیں ہے جس کا علیؑ بندہ نواز نہیں.

وہ آدمی آدمی نہیں جس کا علیؑ آدمیت ساز نہیں.

وہ انسان انسان نہیں جس کو علیؑ کی پہچان نہیں.

وہ مسلمان مسلمان نہیں جس کا علیؑ کی طرف دھیان نہیں.

وہ مومن مومن نہیں جس کا علیؑ کل ایمان نہیں.

وہ پیر پیر نہیں جس کا علیؑ پیر نہیں.

وہ مرشد مرشد نہیں جس کا علیؑ مرشد نہیں.

وہ شاہ شاہ نہیں جس کا علیؑ شاہ نہیں.

وہ داتا داتا نہیں جس کا علیؑ امام نہیں.
وہ سلطان سلطان نہیں جس کا علیؑ سلطان نہیں.
وہ امام امام نہیں جس کا علیؑ امام نہیں.
وہ ہادی ہادی نہیں جس کا علیؑ ہادی نہیں (وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَاد)
وہ ولی ولی نہیں جس کا مشکل کشا علیؑ نہیں.
وہ نبی نبی نہیں جس کا علیؑ ولی نہیں.

لَمْ يُبْعَثْ نَبِيٌّ قَطُّ اِلَّا بِوِلايَةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيطَالِبٍ یعنی کوئی نبی مبعوث بہ نبوت نہیں ہوا جب تک اس نے علیؑ کی ولایت کا اقرار نہیں کیا (ینابیع المودۃ)

اگر سب برابر ہوتے تو اللہ تعالیٰ کو عقل پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ عقل تو اسلیئے ہے کہ لائق و نالائق.. نیک و بد.. عالم و جاہل.. اور مومن و منافق میں فرق کرے تا کہ لائق محبت سے محبت کی جائے اور لائق نفرت سے نفرت کی جائے اور یہی ہے تولّا و تبرّا کا مقصد... پس اگر فرق ہی نہ ہو تو عقل کی تخلیق بے فائدہ ہے۔

دیکھیئے.. سکولوں میں درجہ بدرجہ امتحانات کیوں ہوتے ہیں؟ اس لئے کہ لائق و نالائق کو پرکھا جا سکے.. اگر سارے برابر ہوتے تو امتحان لینا فضول ہوتا اسی لیے کسی سرکاری یا غیر سرکاری ملازمت کے لیے انٹرویو اس لیے ہی ہوا کرتا ہے تا کہ لائق کا انتخاب کیا جا سکے.. معلوم ہوتا ہے کہ ایک ڈگری اور ایک سند رکھنے والے بھی سب برابر نہیں ہوتے بلکہ کچھ اپنی ذاتی قابلیت سے پاس ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کچھ دے کر کامیابی کی سند حاصل کر لیتے ہیں۔

البتہ جس کے پاس عقل نہ ہو اس کے لیے سب برابر ہوتے ہیں اور اس قسم کے آدمی کو پھر آزادانہ زمین پر چلنے کی اجازت نہیں ہوتی اُسے رسی یا زنجیر سے باندھ کر پابند کر دیا جاتا ہے یا پاگل خانہ میں بھیج دیا جاتا ہے۔

دیکھئے...حیوان کے پاس عقل نہیں ہے لہذا وہ آزاد نہیں پھر سکتا بلکہ رسی یا زنجیر کا پابند ہوا کرتا ہے... چڑیا گھر کا جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ شیر جیسے طاقتور جانور کی پنجرہ میں بند کرانے والی چیز ہے بے عقلی.. ہاتھی جیسے دیو قامت ہیبت ناک جانور کو پابند سلاسل کیا ہے تو بے عقلی نے..اونٹ جیسے کوہ پیکر جانور کی ناک میں نکیل ڈالی ہے تو بے عقلی نے..اسی طرح گھوڑے جیسے طاقتور جانور کے منہ میں لگام ڈلوائی ہے تو بے عقلی نے..اگر یہ عقلمند ہوتے تو انسان کی غلامی کی زنجیروں میں پابند رہنا قطعاً برداشت نہ کرتے۔

حیوان کی بے عقلی کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ جس نے رسی پکڑی وہ اس کے پیچھے، خواہ رسی پکڑنے والا بچہ ہو یا جوان.. مالک ہو یا چور.. عالم ہو یا جاہل..مومن ہو یا منافق..حیوان یہ بھی نہیں فرق کرتا کہ میری مہار عورت کے ہاتھ میں ہے یا مرد کے ہاتھ میں ہے؟ خواہ وہ حیوان کی رسی پکڑ کر شیر سے اُسے مروا ڈالے۔

انسان کے گلے میں بھی ایک رسی ہے جس کا نام ہے حبلُ اللہ اور اللہ تعالیٰ نے عقل والوں کو اس رسی کے پابند ہونے کی دعوت دی ہے لیکن مجبور نہیں کیا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ پس جس انسان نے اللہ تعالیٰ کی یہ رسی قبول کی ہے جو حبلُ اللہ یا دینُ اللہ ہے تو اس انسان کو سب سے پہلے یہ دعوت دی گئی ہے کہ خبردار! عالم و جاہل کو برابر نہ سمجھنا اور چور و مالک کو ایک جیسا نہ کہنا۔

حیوان کا کام ہے کہ جو بھی مہار پکڑے اس کے پیچھے چل پڑنا ہے..اے انسان تو حیوان زادہ نہیں بلکہ انسان زادہ ہے؟ جو شخص تیرے دین کی رسی کو پکڑ کر اپنی طرف لے جانا چاہے تو عقل کو استعمال کر کے پہلے فرق کر لینا کہ یہ دین کی رسی مالک کے ہاتھ میں ہے یا چور کے ہاتھ میں؟ اگر یہ فیصلہ کر لیا کہ سب برابر ہیں جو بھی پکڑے اس کے پیچھے چلنا ہے تو پھر تیرے اور حیوان کے درمیان فرق کیا رہا؟

البتہ حیوان میں ایک اچھی عادت بھی ہے اور وہ یہ کہ سارا دن حیوانوں کو جنگل میں چرانے والا حیوانوں کو جنگل میں پھراتا رہے لیکن شام کو جب شہر کے قریب پہنچ کر تمام جانوروں کو اپنی پابندی سے آزاد کردے تو وہ ہر جانور کو گھر تک پہنچانے کے لیے ساتھ نہیں جاتا بلکہ خود اپنی فطرت وعادت سے چھٹی کا وقت سمجھ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے ہیں...ان کے راستہ میں اچھے اچھے مکانات اور عالی شان محلات بھی آئیں گے لیکن وہ کسی کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھتے بلکہ گلیوں کے موڑ کاٹتے ہوئے سیدھے اپنے مالک کے کچے مکان کے سامنے آ کر سر جھکا کر کھڑے ہو جاتے ہیں....خواہ چارہ ملے یا نہ ملے مالک کے گھر کی چار دیواری کو اپنا مقدر سمجھ کر سر تسلیم جھکا لیتے ہیں، مگر اس کے مقابلہ میں انسان صاحبِ عقل ہونے کے باوجود جب آزاد ہو تو اپنے مالک کے گھر (مسجد) اور شیطان کے گھر (سنیما) میں فرق نہیں کر پاتا؟ حالانکہ عقل کا فیصلہ ہے کہ جس طرح سب بندے برابر نہیں اسی طرح سارے گھر بھی برابر نہیں۔

آیئے...حضرت آدمؑ کی اولاد پر نگاہ ڈالیے ان کے دو بیٹے تھے ہابیل اور قابیل، ان کے حضرت آدمؑ کے ساتھ چار رشتے تھے...وہ باپ یہ بیٹے..وہ استاد یہ شاگرد..وہ صاحبِ شریعت یہ ان کی امت اور وہ نبی یہ صحابی، یہ عام صحابی نہیں کہ صرف پہلو میں بیٹھنے والے ہوں بلکہ بیٹے ہونے کی حیثیت سے گود میں پلتے رہے تو جب نبی کی گود میں پلنے والے دو صحابی برابر نہیں تو پہلو میں بیٹھنے والے چار کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

کسی عام انسان کو میں حضرت علیؑ کے برابر کیسے کہوں؟ جبکہ مولا علیؑ کے اپنے بھائی اُن کے برابر نہیں...حضرت ابوطالبؑ وفاطمہ بنت اسد کے چار فرزند ہیں:

طالب..عقیل..جعفر طیار اور علیؑ...حضرت علیؑ کا اپنا مقدر کہ اپنے گھر میں بھی چوتھے نمبر پر تھے..وہ تین بھائی بڑے ہیں اور یہ سب سے چھوٹے اور سب کے

عزیز ہیں، لیکن وہ بڑے ہونے کے باوجود شان ورتبہ میں مولاؑ کے برابر نہیں تو شیعہ سنی بھائی بے شک اپنے بستر پر سو کر بھی سوچتے رہنا کہ جب حضرت علیؑ کی اپنی ماں کے بیٹے مولاؑ کے برابر نہیں تو دنیا کی کسی ماں کے بیٹے علیؑ کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

حضرت علیؑ صرف اپنے بزرگ بھائیوں کے امام نہیں بلکہ اپنے والد کے بھی امام ہیں اور اپنی والدہ کے بھی امام ہیں اور صرف اپنے ایک والد اور ایک والدہ کے امام نہیں بلکہ ہر والد اور ہر والدہ کے امام ہیں.... حضرت ابو طالبؑ سے حضرت آدمؑ تک اپنے ہر آباء کے امام ہیں اور جناب فاطمہؑ بنت اسد سے حضرت حواؑ تک ہر امہات کے امام ہیں اور جس طرح اوپر کی طرف ہر آبا کے امام ہیں اسی طرح نیچے کی طرف امام حسنؑ سے امام مہدیؑ تک ہر اِبن کے امام ہیں، پس حضرت علیؑ واحد امام ہیں جو اپنے ہر بزرگ کے بھی امام ہیں اور اپنے ہر عزیز کے بھی امام ہیں، یا یوں عرض کروں کہ اپنی پوری اصل کے بھی امام اور اپنی ساری نسل کے امام ہیں۔

ہمارے باقی آئمہ کو بھی یہ مقام نہیں ملا، مثلاً حضرت امام حسنؑ..امام مہدیؑ تک ہر عزیز کے تو امام ہیں لیکن اپنے بابا حضرت علیؑ کے امام نہیں ہیں اسی طرح امام حسینؑ اولاد کے امام ہیں لیکن اپنے بابا کے امام نہیں ہیں.. پس یہ شرف صرف حضرت علیؑ کا ہے کہ اپنے تمام آباؑ کے بھی امام اور اپنے ہر بیٹے کے بھی امام ہیں۔

میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ حضرت علیؑ اپنی والدہ کے بھی امام ہیں، تو یہ جذباتی فقرہ نہیں تھا بلکہ اصول کافی کی روایت ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ یا یوں عرض کروں کہ برجِ نبوت کے نیّر اعظم آسمانِ رسالت کے آفتابِ معظّم اور بزم نبوت کے تاجدارِ مکرّم اپنی کرسی عظمت پر جلوہ گر تھے کہ مملکت ولایت کے تاجدار.. حامل ذوالفقار.. حضرت حیدر کرارؑ نے حاضر بارگاہ ہو کر سلام نیاز پیش کیا حضورؐ نے جواب سلام کہہ کر ناطق قرآن کے صحیفہ نور (وجہ اللہ) کی زیارت کرتے

ہی فرمایا یا علیؑ آج تیری آنکھیں پرنم ہیں.. شکل پر غم ہے.. چہرہ کملایا ہوا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں کیوں نہ روؤں آج میری مہربان ماں ہمیشہ کے لیے جدا ہوگئی ہے، حضورؐ سن کر اس قدر روئے کہ محاسن شریفہ ریش مقدسہ آنسو سے تربتر ہوگئی اور فرمایا یا علیؑ وہ اکیلی تیری ماں نہیں تھی بلکہ وہ تو میری بھی ماں تھی۔

کیا کہنا اس بی بی کے مقام کا کہ بارہ اماموں کی ماں ہونے کا شرف بھی ہے اور سلطان انبیا نے فرمایا وہ میری بھی ماں ہے تو جناب زہراؑ کو کہنا پڑتا ہے کہ میری بھی ماں ہے، پس یہ واحد مستور ہے جسے چودہ معصومین ماں کہہ کر بلا سکتے ہیں۔

حضورؐ بنفس نفیس حضرت علیؑ کے گھر تشریف لائے اور مدینہ کی پاکباز عورتوں کو غسل پر مامور فرمایا جب غسل مکمل ہو چکا تو اپنے جسم پُرنور سے قمیص کو الگ فرما کر غسالہ عورت کے حوالے کیا اور فرمایا کہ میری ماں کو میری قمیص کا کفن پہنادو میری دنیا کی مستورات بے شک بازاری خریدا ہوا کفن پہنیں لیکن یہ میری ماں ہے میں پسند نہیں کرتا کہ بازاری کفن پہنے؟ پس حضرت پیغمبر کی قمیص کفن بنا مولا علیؑ کی ماں کا۔

حضورؐ نے قبر تیار کروائی اور جب قبر تیار ہوگئی تو بنفس نفیس قبر میں لیٹے اور باہر آئے پھر ماں کو قبر کے حوالے فرمایا... پوری کائنات میں واحد یہ مستور ہے جسے یہ شرف حاصل ہے کہ قبر کے حوالہ کرنے کے لیے دو سلطان بیٹے موجود تھے معمولی سلطان نہیں ایک مملکتِ نبوت کا سلطان اور دوسرا اقلیمِ امامت کا سلطان۔

جب تعویذ قبر بند ہوا اور قبر تیار ہوئی تو حضورؐ خود قبر کے کنارے بیٹھے اور پنجۂ پُرنور قبر کی مٹی پر ٹیک کر میت کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اِبْنُکِ اِبْنُکِ اِبْنُک اب اپنے بیٹے کا نام لو.. بیٹے کا نام لو.. بیٹے کا نام لو۔

لوگوں نے پوچھا ہوگا کہ تین کام آپ نے نئے انجام دیئے ہیں یعنی آج تک کسی کو نہ اپنی قمیص کا کفن پہنایا.. نہ کسی کی قبر میں لیٹے اور نہ کسی کی قبر پر بیٹھ کر تلقین

کے یہ الفاظ ادا فرمائے؟ (اور یہ یاد رہے کہ اسلام میں یہ پہلی تلقین میت تھی جو حضورؐ نے بنفس نفیس فاطمہ بنت اسدؑ کی قبر پر پڑھی) حضورؐ نے فرمایا ایک دن میں نے ماں کے سامنے دربارِ توحید کی پیشی کا ذکر کیا تھا تو گھبرا گئی تھی پس میں نے وعدہ کیا تھا کہ تجھے اپنی قمیص کا کفن پہناؤں گا شاید مقصد یہ ہو کہ ہر لباس کو زمین بوسیدہ کر سکتی ہے لیکن وہ لباس جو محمد مصطفیٰ کے جسم سے مس ہو چکا ہو اس کو زمین بوسیدہ نہیں کر سکتی.. پس جب میری ماں محشور ہو گی تو میری قمیص میں ملبوس ہو کر حاضر دربار ہو گی۔

پھر ایک دن فشار قبر کا میں نے ذکر کیا تو گھبرا گئی پس میں نے وعدہ کیا کہ تیری قبر میں پہلے میں خود لیٹوں گا پھر تجھے حوالہ قبر کروں گا چنانچہ وعدہ پورا کیا اور مقصد یہ ہے کہ قبر میں فشار ہوتا ہے لیکن جس قبر کی مٹی میرے جسم سے مس ہو جائے تو وہ قبر جنت الفردوس بن جاتی ہے۔

جب دفن کر چکے تو حسب دستور دو فرشتے میری اماں کی قبر میں پہنچے اور انہوں نے سوالات شروع کیے:

تیرا ربّ کون ہے؟ ماں نے جواب دیا اللہ میرا رب ہے.
انہوں نے پوچھا تیرا نبی کون ہے؟ تو ماں نے کہا محمد مصطفیٰ.
تیرا دین کیا ہے؟ جواب دیا اسلام.
تیرا قبلہ کونسا ہے؟ تو جواب دیا کعبہ.
تیری کتاب کونسی ہے؟ تو جواب دیا قرآن.

ان کا آخری سوال تھا کہ تیرا امام کون ہے؟ تو ماں خاموش ہو گئی تو میں نے تعلیم دی کہ اپنے بیٹے کا نام لو.. بیٹے کا نام لو.. بیٹے کا نام لو۔

امامت کے سوال کے جواب میں خاموش ہونا غالباً اس لیے نہیں تھا کہ جواب سے ناواقف تھیں بلکہ شاید اس لیے خاموش ہو گئیں کہ سوچ میں پڑ گئی ہوں گی کہ

عظیم بارگاہ کی جانب سے میرے عظیم فرزند کی امامت کا سوال ہو رہا ہے تو کونسا لب ولہجہ استعمال کروں؟ اور اپنے بیٹے کا نام کس لقب سے پیش کروں؟ امیر المومنین کہوں؟ امام المتقین کہوں؟ یعسوب الدین کہوں؟ امیر کہوں؟ خبر گیر کہوں؟ حیدر کہوں؟ صفدر کہوں؟ ابو تراب کہوں؟ ابوالحسن کہوں؟ قسیم جنت کہوں؟ ساقی کوثر کہوں؟ کس لقب سے نام پیش کروں؟

حضرت پیغمبرکی تعلیم کا مقصد یہ ہوگا کہ القاب ہوا کرتے ہیں غیروں کے لیے مثلاً کسی ملک کا صدر ہو تو ساری دنیا اسے صدرِ مملکت کہے گی۔ حضور والا.. جناب عالی وغیرہ کے خطابات سے نوازے گی لیکن وہی صدر جب اپنی ماں کے سامنے آئے گا تو وہ ہر لقب وخطاب سے بے نیاز ہو کر کہے گی آؤ میرے بیٹے، ماں کا بیٹے کو بیٹا کہہ کر بلانا ہر لقب سے بلند لقب ہے...لہذا پیغمبرؐ نے فرمایا ماں! کیوں لقب تلاش کرتی ہو ساری دنیا علیؑ کو القاب سے یاد کرے لیکن تیرا تو بیٹا ہے فرشتوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر کھلے دل سے جواب دو میرا بیٹا میرا امام ہے.. میرا بیٹا میرا امام ہے.. میرا بیٹا میرا امام ہے (اسی لیے فرمایا بیٹے کا نام لو)

یہاں تمام شیعہ وسنی حضرات کے لیے ایک درس آموز فقرہ عرض کرتا ہوں اور وہ یہ کہ قبر میں تھی حضرت علیؑ کی ماں اور وہ عام مومن کی ماں نہیں بلکہ امیر المومنین کی ماں ہے تو جب قبر میں مولا علیؑ کی اپنی ماں کا وقت بغیر علیؑ کا نام لیے نہیں گزر سکتا تو کسی دوسرے کی ماں کا وقت کیسے گزرے گا؟

یہ امیر المومنین کی ماں ہے جب مومنوں کے امیر کی ماں کا بغیر نامِ علیؑ چارہ نہیں تو امّ المومنین کا علیؑ کے بغیر کیسے گزر ہوگا؟ اور جب مومنوں کی ماں کا یہ حال ہے تو خال المومنین کا کیا حال ہوگا؟

دیکھئے...صحابہ بھی جو کامل الایمان ہیں جنت میں جائیں گے لیکن حضرت علیؑ

وہ ہیں جو جنت میں لے جائیں گے کیونکہ قسیم جنت ہیں..پس جانے والے اور ہیں اور لے جانے والے اور ہیں؟ اسی طرح صحابہ کوثر پئیں گے لیکن حضرت علیؑ پلائیں گے کیونکہ ساقی کوثر ہیں..پس کوثر پینے والے اور ہیں اور پلانے والے اور ہیں؟ اسی طرح صحابہ پل صراط سے گزریں گے اور حضرت علیؑ گزاریں گے اور جہنم سے کہیں گے یہ تیرا ہے اسے لے لے اور یہ میرا ہے اسے جانے دے..پس پل سے گزرنے والے اور ہیں اور گزارنے والے اور ہیں..پس ایک جیسے کیسے؟

گویا جن لوگوں نے نبی کو اپنے جیسا سمجھا انہوں نے نبی کے منبر پر بھی اپنے جیسے کو بیٹھایا اور جنہوں نے نبی کو اپنے جیسا نہیں سمجھا انہوں نے اپنے جیسے کو اپنے جیسا سمجھا اور نبی جیسے کو نبی کے منبر کا وارث قرار دیا۔

نیک بخت ہے وہ انسان جس نے حضرت علیؑ کو اپنا تسلیم کر لیا اور بدنصیب ہے وہ بندہ جس کا ہاتھ دامن مرتضیٰ سے کوتاہ ہوا...اگر سب برابر ہوتے تو حضرت عمار نے جب سوال کیا تھا کہ حضورؐ فتنہ وفساد کے زمانہ میں ہمیں کیا کرنا چاہیے تو آپؐ نے فرمایا اگر تمام لوگ ایک وادی میں ہوں اور اکیلا علیؑ دوسری وادی میں ہو تو علیؑ کو نہ چھوڑو کیونکہ علیؑ تجھے گمراہی میں ہرگز نہ لے جائے گا اور حضورؐ نے عمار کو پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا (کہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا) تو حضورؐ کے فرمانے کا صاف مطلب یہ کہ باغی اور ہیں اور ہادی اور ہیں...سب برابر نہیں۔

جس طرح سب امام برابر نہیں اسی طرح سب غلام بھی برابر نہیں، حضرت علیؑ شریفوں کے امام ہیں کمینوں کے نہیں، اے مولا علیؑ کے حبدارو! تم بھی یاد رکھو کہ حضرت علیؑ وہ امام ہیں جس طرح امام ہونا چاہیے تم بھی ان کے ایسے غلام بننے کی کوشش کرو جس طرح حضرت علیؑ کا غلام ہونا چاہیے، جس طرح تمہیں بدمعاش امام کی ضرورت نہیں اسی طرح حضرت علیؑ کو بھی بدمعاش غلام کی ضرورت نہیں۔

بعض غلام وہ ہیں جن کی زیارت کو سردار خود تشریف لے جاتے ہیں، ان غلاموں میں سے ایک میثم تمار ہے جس کی طرف چل کر حضرت علیؑ خود جایا کرتے تھے، اسی طرح ایک مومنہ نے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ رکھا حتی کہ اس کا باپ مر گیا لیکن پیغمبرؐ کے حکم کے ماتحت گھر سے نہ نکلی اور صبر کر کے گھر بیٹھی رہی تو بحکم پروردگار حضور بنفس نفیس اس کے گھر اس کو مبارکباد کہنے کیلئے آئے کہ چونکہ تو نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی لاج رکھی اور محمد مصطفیٰ کے فرمان کی اطاعت کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں تیرے اور تیرے باپ کے تمام گناہ بخش دیئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ کی غلامی کا شرف تاجِ سکندری سے بہتر ہے اور حدیث میں ہے کہ جس کے کانوں پر حضرت علیؑ کا نام آیا اور اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا پس اس شخص کو چاہیے کہ اپنی شریف ماں کا شکریہ ادا کرے جس نے اس کے باپ کا حق میں خیانت نہیں کی (بہت سے کانوں پر حضرت علیؑ کا نام آتا ہے لیکن کلیجہ قسمت والوں کا ٹھنڈا ہوتا ہے)

مسلمانوں نے بھی تقسیم کر کے حضرت علیؑ ہمیں دے دیئے ہیں، ان کا گھریلو فیصلہ ہے کہ مولا علیؑ شیعوں کے ہیں اور باقی سب ہمارے.... دیکھو زبان سے اگر کوئی نہ کہے تب بھی عمل سب کا یہی بتاتا ہے، چنانچہ آپ تجربہ کر لیں اگر کوئی شخص شب تاریک میں کسی راستہ سے گزر رہا ہو اور دائیں بائیں کسی جانب سے نعرہ حیدری یا علیؑ کی صدا گونجنے لگے تو اس گزرنے والے نے اگرچہ اُسے دِکھا کچھ نہیں پہچانا نہیں بلکہ نہ شکل کا پتہ سیاہ ہے یا سفید..خوبصورت ہے یا بدصورت..عورت ہے یا مرد..ہم وطن ہے یا مسافر..اور جنّ ہے یا انسان؟ یہ شخص فیصلہ کر لے گا جو بھی ہے ہے شیعہ!

اس لیے کہ نام علیؑ جس طرح شیعہ کی زبان سے پیارے انداز میں نکلتا ہے وہ دوسری زبان سے نہیں نکلتا کیونکہ جب کوئی آدمی حضرت علیؑ کا نام لے گا تو جھجک

کر لے گا..اٹک اٹک کر لے گا، لیکن جب شیعہ نام علیؑ لے گا تو بے دھڑک لے گا اور کڑک کر لے گا، اسی طرح اگر کوئی دوسرا شخص علیؑ کا نام لے گا تو آہستہ لے گا اور تاوان سمجھ کر لے گا لیکن جب مومن..موالی..شیعہ حیدرِ کرّار نامِ علیؑ کا نعرہ لگائے گا تو با آوازِ بلند لے گا اور ایمان سمجھ کر لگائے گا۔

اسی طرح اگر گزرتے ہوئے کسی بچہ سے کسی نے پوچھ لیا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اور اس نے جواب دیا کہ میرا نام ہے غلام علی..غلام حیدر..غلام صفدر..وغیرہ تو پوچھنے والے کو تسلی ہو جائے گی کہ شیعہ کا بچہ ہے کیونکہ جس باپ نے بچہ کا نام غلام حیدر رکھا ہے وہ ضرور حیدری ہی ہوگا..اگر کسی مکان کے دروازے پر لکھا ہوا ہو یا علیؑ تو ہر گزرنے والا سمجھے گا یہ گھر شیعہ کا ہے، گھر تو گھر! اگر کسی مسجد کے دروازہ پر نام علیؑ لکھا ہوا ہو تو ساری دنیا اُسے شیعہ کی مسجد کہے گی، بلکہ قرآن کے پہلے خالی ورق پر اگر نام علیؑ لکھ دیا جائے تو کھولتے ہی پتہ چل جائے گا کہ یہ شیعہ کا قرآن ہے، اب میں کہوں گا کہ جہاں علیؑ وہ چیز شیعوں کے نام ہے تو مسلمانو! ذرا دیکھنا کہیں جنت کے دروازے پر بھی علیؑ نہ ہوں؟

گویا شیعہ قوم کی پہچان ہی نام علیؑ سے ہوتی ہے تو ہمیں کردار وہی ادا کرنا چاہیے جسے حضرت علیؑ پسند فرمائیں۔

دیکھئے تاریخ انسانیت کا ورق اُلٹ کر نظر غائر سے مطالعہ کیجئے کبھی کوئی سلطان آپ کو نہ ملے گا جس نے اعلانِ جنگ کر کے اپنی فوج کو چھٹی دے دی ہو؟ پس اگر اللہ تعالیٰ کی پوری کائنات میں کوئی ایسا سلطان ہے تو صرف امام حسینؑ جس نے اپنے زمانہ کی سپر پاور سے اعلانِ جنگ کے بعد اپنی پوری فوج کی چھٹی دے دی اور کیا کہنا ان فوجیوں کا جنہوں نے اعلانِ جنگ کے بعد چھٹی ملی لیکن قبول نہ کی اور وہ ہے سپاہ امام حسینؑ، اسی بنا پر اگر مولا ناز کریں تو ان کو زیبا ہے کہ میرے صحابہ

جیسے کسی کے صحابی نہیں ہیں... حتیٰ کہ میرے نانا کے صحابی وہ تھے جن کو بوقت ضرورت وہ بلاتے رہے اور واپس کسی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا؟ اور میرے صحابہ وہ ہیں جن کو مصیبت کے وقت میں رخصت کرتا ہوں تو جانے کو کوئی تیار نہیں ہے۔

امام حسینؑ یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ حق و باطل کی جنگ میں افرادی کثرت یا قلت کو معیار نہیں سمجھا جاتا بلکہ حق اپنے دلائل و آثار سے واضح ہوتا ہے اور باطل اپنی پست و کمینہ حرکتوں سے آشکار ہوتا ہے، بس امام حسینؑ چاہتے تھے کہ میرے صحابہ وہ ہوں جو میرے مشن میں سو فیصد میرے ساتھ ہوں... بے شک ردّی قسم کے انسان جانا چاہیں تو چلے جائیں میں ان کو روکتا نہیں ہوں مگر میرے پاس وہ رہیں جو اگرچہ تعداد میں کم ہوں لیکن کردار میں حبیب بن مظاہر جیسے ہوں۔

چنانچہ زہیر بن قین نے عرض کیا مولاؑ! آپ کے سامنے ستر بار قینچی سے ٹکڑے ٹکرے کر دیا جاؤں تب بھی آپ کے قدموں سے سر نہیں اُٹھاؤں گا۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْن

بزبانِ حال جناب زینبؑ خاتون کا بین

ہک وقت آہا جڈاں دوش نبی تے ہائی ویر شبیر دی منزل
بیا جھولی پاک بتول دے وچ ہائی میں دلگیر دی منزل
بازاراں وچ درباراں وچ میکوں ڈھئی تشہیر دی منزل
بیا تخت یزید دے زینے تے ونج ڈھٹھی ہم ویر دی منزل

یہ مجلس دوبئی قبرستان میں پڑھی گئی

بتیسویں مجلس

مَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِيْدًا أَلا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مَغْفُوْرًا أَلا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ كَامِلُ الْاِيْمَان

جو آلِ محمد کی محبت پر مرا وہ شہید ہوا..جو بھی محبتِ آلِ محمد پر مرا وہ بخشا ہوا مرا..جو آلِ محمد کی محبت پر مرا وہ کامل الایمان ہو کے مرا..جو آلِ محمد کی محبت پر مرتا ہے اس کی قبر ملائکہ رُحمت کی زیارت گاہ بن جاتی ہے..جو آلِ محمد کی محبت پر مرتا ہے اس کی قبر میں جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

اِن کے مقابلہ میں دوسری حدیثیں ہیں:

مَنْ مَّاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ كَافِرًا جو آلِ محمد کا دشمن ہو کر مرتا ہے وہ کافر ہو کر مرتا ہے..جو شخص آلِ محمد کی دشمنی لے کر مرتا ہے اس کی قبر میں دوزخ کے دروازے کھل جاتے ہیں..جو آلِ محمد کی دشمنی پر مرتا ہے اس کی پیشانی پر لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے۔

یعنی جو بھی مرے.. جہاں مرے..جس ملک میں مرے..جس حالت میں مرے..اگر محبتِ آل محمد لے کر مرتا ہے تو وہ شہید ہوتا ہے اور اس کے آگے بہشت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر دشمن آلِ محمد ہو کر مرے تو وہ کافر مرتا ہے اور

اس کے سامنے دوزخ کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

مرنے والا جو بھی ہو مرد ہو یا عورت..عالم ہو یا جاہل اور کہیں کا بھی ہو مکی ہو یا مدنی ہو..گورا ہو یا کالا..سوہرا ہو یا سالا ہو، اگر محبّ آلِ محمد ہے تو اس کی موت ایمان پر ہے اور شہید ہے لیکن اگر دشمن آلِ محمد ہے تو اس کی موت کفر کی ہے۔

ان احادیث کے مقابلہ میں ایک حدیث ہے جس کو سنی وشیعہ دونوں نے نقل کیا ہے مَنْ مَّاتَ وَ لَمْ یَعْرِفُ اِمَامَ زَمَانِہٖ مَاتَ مِیْتَةَ الْجَاھِلِیَّة یعنی جو اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مرجائے وہ جاہلیت (کفر) کی موت مرتا ہے۔

اس حدیث اور پہلی احادیث میں مطابقت تب ہوسکتی ہے کہ امام آلِ محمد سے ہی ہو، کیونکہ اگر امام آلِ محمد سے نہ ہو اور اس کی معرفت ہو جائے مگر آلِ محمد سے دشمنی ہو تو معرفت والی حدیث کہتی ہے کہ وہ کفر کی موت نہیں مرا لیکن حُبّ آلِ محمد والی حدیث کہتی ہے کہ وہ کفر کی موت مرا ہے...اسی طرح وہ امام جو آلِ محمد سے نہیں اگر اس کی معرفت نہ ہو لیکن آلِ محمد سے محبت ہو تو معرفت والی حدیث کی رو سے اس کی موت کفر پر ہے اور حُبّ آلِ محمد والی حدیث کی رو سے اس کی موت شہادت کی ہے؟ تو اِن دو قسم کی حدیثوں میں مطابقت اس وقت ہوگی جب امام اسی خاندان سے ہو جس کی محبت واجب ہے..پس چونکہ محبت آلِ محمد سے واجب سے اسلئے امام بھی آلِ محمد سے ہونا ضروری ہے۔

معصومؑ سے پوچھا گیا موت کیا ہے؟ فرمایا مومن کیلئے جنت کی طرف کھلنے والے دروازے کا نام ہے اور کافر کیلئے دوزخ کی طرف کھلنے والے دروازے کا نام ہے۔

اگر انسان ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہونا چاہے تو اس کے پاس دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے.. اِس ملک سے جانے کا اجازت نامہ جس کو پاسپورٹ کہا جاتا ہے اور اُس ملک میں داخل ہونے کا اجازت نامہ جس کو ویزا کہا جاتا

ہے اگر پاسپورٹ نہ ہو تو یہاں سے جانا مشکل اور اگر ویزا نہ ہو تو وہاں کا داخلہ ناممکن۔

پس جب دنیا سے ہر آدمی جاتا ہے اور آخرت کے لیے ملک صرف دو ہیں ایک دوزخیوں کی رہائش گاہ جس کا نام جہنم ہے اور دوسری مومنوں کی قیام گاہ جس کا نام بہشت ہے اور حضرت پیغمبرؐ نے صریح الفاظ میں فرمایا ہے کہ مملکتِ جنت کی سلطانی امام حسنؑ و امام حسینؑ کے پاس ہے اور وہی اس ملک کے حکمران و سلطان ہیں۔

پس یہاں سے جانے کا پاسپورٹ تو موجود ہے **كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت** اگر جنت میں جانے کا خواہشمند ہے تو ویزا بہشت کی حکومت سے لینا ضروری ہے، کیونکہ ویزا سرحد پار کرنے کے بعد نہیں ملا کرتا پس حسینی سرکار کے نمائندوں سے جنت کا ویزا یہاں رہ کر حاصل کرنا پڑے گا ورنہ جنت میں داخلہ ممکن نہیں ہوگا۔

بیشک امام حسنؑ و امام حسینؑ جنت کے سلطان ہیں.. دیکھیے! کسی ملک کا بادشاہ ملک کے اندر ہو یا باہر جہاں بھی ہو اپنے ملک سے جو چاہے منگوا سکتا ہے چاہے تو وہاں سے کھانا منگوا لے.. چاہے لباس منگوا لے.. دنیا کے بادشاہوں کو فخر ہوتا ہے کہ میرا لباس لندن یا واشنگٹن سے آیا ہے، اور امام حسنؑ و امام حسینؑ وہ سلطان ہیں جن کا لباس جنت سے آیا.. بلکہ ضرورت پڑی تو درزی جنت کا.. دھوبی جنت کا.. رنگ ریز بھی جنت کا.. حتیٰ کہ جھولا جھلانے والا خادم بھی جنت کا؟

کتنا نیک بخت ہے وہ مرنے والا جس کی روح نے پرواز کیا تو جنت کے ائیر پورٹ پر امام حسنؑ و امام حسینؑ نے اُسے **أَهْلًا وَ سَهْلًا** کہہ کر مہمان بنا لیا؟

مرنے والے بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی موت موجودہ لوگوں کے لیے راحت کا پیغام ہوتی ہے اور بعض ایسے ہوتے جن کی موت موجب غم ہوتی ہے تو معصومؑ کے فرمان کے مطابق مومن وہ ہے جو دنیا میں آئے تو راحت لے کر آئے اور دنیا والے اس کی آمد کو رحمت سمجھیں اور دنیا سے جائے تو دنیا والے اس کے فراق

کو نا قابل تلافی نقصان قرار دیں، پس دنیا میں آؤ تو راحت بن کر آؤ اور جاؤ تو عبرت بن کر جاؤ... یعنی آؤ تو ہنسنے والے تمہارا استقبال کریں اور جاؤ تو رونے والے تمہیں الوداع کہیں، ایسا نہ ہو کہ آؤ تو تمہاری آمد کو دنیا مصیبت اور تاوان سمجھے اور جاؤ تو دنیا تمہاری موت کو راحتِ جاں سمجھے۔

کسی نے پوچھا ہم لوگ موت کو کیوں نہیں پسند کرتے؟ تو جواب ملا اس کی وجہ ہے کہ **عَمَّرْتُمُ الدُّنْیَا وَ خَرَبْتُمُ الْاٰخِرَۃ** یعنی تم نے دنیا کو آباد کر رکھا ہے اور آخرت کو برباد کیا ہوا ہے.. اسلئے آبادی سے نکل کر بربادی کی طرف جانے کو پسند نہیں کرتے؟ اگر تمہاری آخرت آباد ہوتی اور دنیا کو قید خانہ سمجھتے تو قید خانہ سے نکل کر آبادی کی طرف جانے کو ضرور پسند کرتے، ہاں دنیا کافر کیلئے جنت ہے اور آخرت اُس کیلئے قید خانہ ہے اسلئے وہ جنت سے نکل کر قید خانہ میں جانا پسند نہیں کرتا۔

ایک دفعہ غالباً کسی یہودی نے معصومؑ سے سوال کیا کہ دنیا کافر کے لئے جنت اور مومن کے لئے قید کس طرح ہے؟ دیکھئے میں یہودی ہوں اور دنیاوی لحاظ سے بدحال و کنگال ہوں اور آپ کی امیرانہ زندگی ہے یہ تو آپ کے لئے جنت ہے اور میرے لیے قید خانہ ہے؟

آپ نے فرمایا اگر تو نے اپنا آخرت کا گھر (جہنم) دیکھا ہوتا تو تجھے پتہ چلتا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کی یہی بدحال زندگی تیرے لیے جنت ہے اور تو نے میرا مقام (جنت) میں دیکھا ہوتا تو سمجھتا کہ جنت کے نعمات ولذات کے مقابلہ میں امیرانہ زندگی بھی جہنم ہے؟ گناہوں کو چھوڑنے کے لیے ہمارا جی نہیں چاہتا اسلئے کہ آخرت کے انعامات کو دیکھا نہیں ورنہ اگر آخرت کی لذت کا علم ہوتا تو دنیا میں قینچی سے کترا جانا برداشت کر لیتا لیکن گناہ کی طرف قدم نہ بڑھاتا۔

ایک شخص نے حضرت پیغمبر اکرمؐ سے عرض کیا کہ مجھ سے گناہ نہیں چھوٹتے؟

آپ نے فرمایا صرف ایک نیکی کا مجھ سے وعدہ کرلو گناہ خود بخود چھوٹ جائیں گے اور وہ یہ کہ روزانہ میرے پاس آیا کرو اور جھوٹ نہ بولا کرو؟ اس نے عرض کیا یہ تو آسان بات ہے پس وعدہ کر کے چلا گیا...اب جو گناہ کرنے کا وقت آیا تو سوچا کہ پیغمبرؐ کے پاس بھی جانا ہے اور جھوٹ بھی نہیں بولنا اگر یہ گناہ کرلوں تو اُن کو کیا منہ دکھاؤں گا جبکہ جھوٹ بولنا نہیں؟ پس اس گناہ کو چھوڑ دیا اور رفتہ رفتہ اس طرح وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو گیا۔

ایک شخص نے حضرت امام سجادؑ سے اپنے گناہوں کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا میری چند باتوں پر عمل کرو اور بے شک گناہ کرتے رہو...اس نے عرض کیا حضور فرمائیے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا رزق کھانا چھوڑ دو پھر بے شک گناہ کرتے پھرو، اس نے عرض کیا حضور اس کا رزق نہ کھائیں تو کیا کھائیں؟ آپ نے فرمایا اگر اس کا رزق نہیں چھوڑ سکتے تو اس کے ملک سے نکل جاؤ پھر بے شک گناہ کرتے رہو، تو اس نے عرض کیا مولا یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ جہاں بھی جاؤں اسی کا ہی ملک ہے؟ تو آپ نے فرمایا پھر اپنے جسم میں اس قدر طاقت پیدا کرلو کہ جب ملک الموت آئے تو اس کو دھکے مار کر گھر سے نکال دو اور اس کو روح قبض نہ کرنے دو، اس نے عرض کیا حضور یہ بھی مشکل ہے؟ تو آپ نے فرمایا اے بندہ خدا جب تم اس قدر عاجز و بے بس ہو کہ نہ اس کے رزق کے بغیر تمہارا گزارا ہو سکتا ہے..نہ اس کے ملک سے نکل سکتے ہو..نہ اس سے چوری کر سکتے ہو اور نہ موت سے گریز کر سکتے ہو تو پھر شرم کرو پس اس نے فوراً توبہ کر لی۔

اگر تجزیہ کیا جائے تو گناہ کرنا مشکل ہے اور نیکی کو بجالانا آسان ہے مثلاً چوری کر کے کھانا مشکل ہے کیونکہ انتہائی خطرہ مول لے کر چوری کی طرف قدم بڑھایا جاتا ہے، ساتھ ساتھ بے آرامی..فکر مندی..گرفتاری کا خطرہ لیکن اس کے

مقابلہ میں گھر میں آرام سے رہ کر اپنی روکھی سوکھی روٹی کھا کر پیٹ بھر لینا آسان ہے، حرام پانی پر کسی قدر دولت صرف کی جاتی ہے اور حلال پانی بالکل مفت ہے، پس حرام خوری جو مہنگی بھی ہے اور مشکل بھی ہے اس کو کر گزرنا اور حلال خوری جو سستی بھی ہے اور آسان بھی اس سے گریز کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی ناقدر شناسی ہے کہ نافرمانی پر رقم خرچ کرنا گوارا ہے اور نیکی جس پر کوئی خرچ نہیں وہ پسند نہیں؟

دیکھئے.. عقل کہتی ہے کہ بے قیمت شئے کو ضائع کر دینے میں قباحت نہیں لیکن قیمتی متاع کو ضائع کرنا سعادت نہیں، مثلاً اگر جیب سے ایک روپیہ گر جائے تو معمولی احساس ہوتا ہے لیکن ایک ہزار گر جائے تو انسان بے چین ہو جاتا ہے اور شئے کی قیمت جس قدر زیادہ ہوگی اس کے ضائع ہونے کا اتنا ہی درد ہوگا اور اس کے خرچ کرنے میں اتنی ہی احتیاط ہوگی۔

دنیا کی ہر قیمتی شئے سے زندگی بہت قیمتی ہے کیونکہ زندگی کا ایک لمحہ بھی پوری دنیا کے مقابلہ میں قیمتی ہوا کرتا ہے جب موت سر پر آتی ہے تو کوشش کی جاتی ہے کہ جس قدر خرچ ہو جائے پرواہ نہیں صرف ایک لمحہ زندگی کا حاصل ہو جائے، چنانچہ سنا ہے کہ ایران کے شاہی دور کے وزیر اعظم عباس ہویدا کو جب شرعی اسلامی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا تو اس نے چند لمحات کروڑوں ڈالرز کے بدلہ میں مانگے تھے لیکن شرعی عدالت نے اس کی پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔

پس اس قدر قیمتی شئے کو برباد کرنے میں ہم کس قدر غیر محتاط ہیں؟ چنانچہ ایک روپیہ کو خرچ کرنے میں تو ہم احتیاط کرتے ہیں لیکن زندگی کی قیمتی گھڑیاں بیہودہ افعال مانند تاش یا کسی دوسرے کام میں ضائع کرنے کا احساس تک نہیں کرتے؟ اور پوری زندگی میں سے جوانی کی زندگی انتہائی قیمتی ہے اور جتنا اس قیمتی حصہ زندگی کو بے دریغ خرچ کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں دنیا کی کسی کم قیمت چیز کو بھی بے

دردی سے نہیں ضائع کیا جاتا؟ تو کس قدر بے حس ہے یہ انسان جو بے قیمت چیز کو ضائع کرنے سے بچتا ہے اور قیمتی متاعِ زندگی کو ضائع کرنے کی پرواہ تک نہیں کرتا؟

البتہ وہ وقت بھی آجاتا ہے جب یہی انسان کہے گا **رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْ أَعْمَلُ فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَةٌ**.. اے پروردگار! ایک دفعہ مجھے واپس پلٹا دے اب میں زندگی کو تیرے امر کے مطابق خرچ کردوں گا؟ تو جواب ملے گا اب ہرگز مہلت نہیں مل سکتی.. پس حسرت لے کر موت کا جام پینا پڑتا ہے، ہم نے عظمت پروردگار کا کبھی تصور ہی نہیں کیا تاکہ غلطیوں سے بچنے کی کوشش کریں؟

حضرت امام حسنؑ کے کانوں میں اذان کی آواز آتی.. وضو کرتے تو ان کا رنگ بدل کر پیلا ہو جاتا تھا اور لوگوں کے پوچھنے پر فرماتے تھے بہت بڑی بارگاہ میں حاضری کے لیے جانا ہے..... حضرت امیر المومنینؑ شب تاریک میں اپنی ریش مبارک پکڑ کر گڑگڑا کر روتے اور عرض کرتے تھے **آہٗ مِنْ قِلَّةِ الزَّادِ وَ بُعْدِ الطَّرِیْقِ** ہائے زادِراہ کم ہے اور راستہ لمبا ہے۔

بہر صورت زندگی سے قیمتی چیز دنیا میں کوئی بھی نہیں... پس اگر زندگی کو خرچ کرنا ہے اور قربان کرنا ہے تو تاش یا تماشہ کے بدلہ میں نہیں بلکہ کسی ایسی قیمتی چیز پر اس کو قربان کیا جائے کہ زندگی دینے کے بعد پچھتاوا اور پریشانی نہ ہو بلکہ راحت و شادمانی نصیب ہو..... عظمتِ پروردگار کے پیشِ نظر دین خدا کی خاطر اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کرنا موت نہیں بلکہ شہادت ہے۔

اس مقصد کو جس طرح امام حسینؑ نے واضح کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا کوئی دوسرا پیش نہ کر سکا، مثلاً جوان بیٹے.. بھائیوں.. بھتیجوں اور دیگر جانثاروں کے ریگ ِصحرا پر تڑپتے ہوئے لاشوں کے بیچ گرم ریت پر تیمّم کر کے قبلہ رُخ ہو کر کہنا اللہ اکبر اور سجدۂ پروردگار میں سر رکھ کر یہ الفاظ کہنا رہتی دنیا تک انسانیت کیلئے مشعلِ راہ ہیں:

تَـرَکْـتُ الْـخَلْقَ طُـرًّا فِـیْ هَوَاکَ
وَ اَیْتَـمْـتُ الْـعَیَـالَ لِکَـیْ اَرَاکَ

اے پروردگار! ان عزیزوں اور جانثاروں سے تو کیا پوری مخلوق سے کنارہ کشی آسان ہے لیکن تیری محبت سے کنارہ کشی مشکل ہے.. پس سب خلق کو تیری محبت میں خیر باد کہہ رہا ہوں اور اپنی اولاد کو یتیم کرنا گوارا کر رہا ہوں تا کہ تیرا وصال نصیب ہو۔

پس اپنے آپ کو دین توحید میں فنا کر کے امام حسینؑ نے موت کو مار دیا اسی لیے امام حسینؑ کا ذکر بھی عبادت ہے۔

ہائے کس قدر بے درد تھے وہ لوگ جو زبان پر کلمہ رسولؐ جاری کرتے تھے اور آلِ محمد کو اسلام سے خارج سمجھتے تھے؟ وہ آل جن کو پیغمبر اکرمؐ کی زبان جوانانِ جنت کا سردار کہہ چکی تھی؟

کہتے ہیں گیارہ محرم کو جب فوجِ اشقیاء نے اپنے نجس مردوں کو دفن کرنے کا پروگرام بنایا تو جناب زینبؑ بنت علیؑ نے جناب فضہ سے فرمایا کہ جا کر عمر بن سعد سے کہو اگر تم بھیا حسینؑ کو دفن نہیں کرتے تو نہ سہی ہمیں اجازت دو تا کہ ہم باقی لاشے نہ سہی کم از کم فرزند رسول کو دفن کر دیں؟

جناب فضہ پیغام لے کر گئی لیکن روتی ہوئی پلٹی.. بی بی نے پوچھا کیوں روتی ہو؟ تو اس نے جواب دیا وہ ظالم کہتا ہے ہمیں صرف مسلمانوں کی لاشوں کو دفن کرنے کا حکم ملا ہے؟ ہائے جناب زینبؑ نے سنا گا تو منہ پیٹ لیا ہو گا اور نانا کی قبر کی طرف متوجہ ہو کر کہا ہو گا نانا آج تیری امت تیرے حسینؑ کو مسلمان بھی نہیں سمجھتی؟

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْن

تینتیسویں مجلس

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡرًا

میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن مجید کی وہ ممتاز آیت تلاوت کی ہے یہ وہ آیت ہے جس کا نام تمام مفسرین آیت تطہیر لکھتے ہیں، یہ آیت قرآن میں آلِ محمد کے فضائل پر نص قاطع ہے، اگر کوئی دشمن آلِ محمد کے فضائل کو چھپانا چاہے..تاریخ کا رُخ بدلنا چاہے..تفسیر کا رخ موڑنا چاہے..واقعات کو الٹ پلٹ کر پیش کرنا چاہے تا کہ آلِ محمد کی فضیلت چھپ جائے میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ جب تک آیت تطہیر قرآن میں موجود ہے آلِ محمد کی کسی فضیلت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ أَھۡلَ الۡبَیۡتِ خداوندکریم کی منشأ یہ ہے کہ اہل بیتؑ سے رجس کو دور رکھے...جو چیز بھی رجس ہے اہل بیتؑ سے دور ہے، خداوند نے رجس کو اہل بیتؑ سے دور رکھا۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی اہل بیتؑ سے دور ہے وہ رجس ہے اور جو رجس ہے وہ ان سے دور ہے...رجس ان کے نزدیک نہیں آسکتا اور جو رجس نہیں وہ ان کی غلامی کرتا ہے، رجس چاہے جو چیز بھی ہو....چاہے زمیں کی..چاہے آسمان کی..چاہے بندوں میں سے..چاہے حیوانوں میں سے...خداوند کریم کی مخلوق میں سے کوئی چیز ہو جو رجس ہو وہ اہل بیتؑ سے دور ہے۔

ہمیں پہچاننے کا آسان طریقہ مل گیا کہ جو آلِ محمدؐ کے نزدیک وہ رجس نہیں اور جو اُن سے دور وہ رجس...خداوند کریم کا ارشاد ہے کہ میں نے اہل بیتؑ سے

رجس کو دور رکھا ہے رجس سے دور رہنے کا مطلب ہے تطہیر یعنی پاک رکھنا جیسے پاک رکھنے کا حق ہو۔

رجس کے مقابلے میں ہے طہارت..... پس ہر عیب رجس.. ہر کمزوری رجس.. جہالت رجس مقابلے میں علم طہارت.. بزدلی رجس شجاعت طہارت.. بخل رجس سخاوت طہارت.. ہر بدعادت رجس ہر نیک عادت طہارت۔

تطہیر کا کیا معنی ہے؟ اس کا معنی ہے کسی چیز کو پاک کرنا جیسے پاک کرنے کا حق ہو.. یہ فقرہ آپ کی اور ہماری زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے کہ میں نے مہمان کو ایسے کھانا کھلایا جیسے کھلانے کا حق ہے..اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو میرے دسترخوان پر کچھ نہیں رہا یا مہمان شکم سیر ہو چکا ہے.. یا یہ کہ مہمان کا ظرف پُر ہے یا میرا دامن خالی ہے..... میں نے کسی کو اتنا پڑھایا جتنا پڑھانے کا حق ہے یعنی یا شاگرد کا دماغ اتنا نہیں کہ مزید پڑھ سکے یا میرے پاس اتنا علم نہیں کہ میں اسے پڑھا سکوں؟

خدا فرماتا ہے کہ میں نے آپ کو ایسے طاہر کیا جیسے طاہر کرنے کا حق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ خدا کے پاس کچھ نہیں رہا اس لئے کہ یہ توحید کی توہین ہے..وہ تو ہر چیز پر قادر ہے، معلوم ہوتا ہے عالم امکان کا ظرف پُر ہو گیا اُن کو اتنا دیا کہ جتنا عالم امکان میں گنجائش تھی، خداوند فرماتا ہے کہ اِس سے آگے میری حدود ہیں بندے کی رسائی نہیں۔

قیامت کے دن خداوند پوچھے گا کہ ہادی کسے بنایا ہے؟ نماز و روزہ وغیرہ عبادات کس کے کہنے پر بجالاتا رہا؟ حالانکہ تیرے پاس جبریل تو آیا نہیں یہ کس نے بتایا کہ نماز اس طریقے سے ادا کرو اور روزہ اس طرح رکھو؟ بندہ کیا کہے گا میرے پاس تو جبریل نہیں آیا پروردگار تیرے ہادی نے بتایا، خدا پوچھے گا وہ ہادی تو نے انتخاب کیا تھا یا میں نے؟ بندہ کہے کہ میں اس کی ظاہری شکل سے بھول گیا تھا

میں اس کو ہادی مقرر کر کے عبادات اور اعمال بجالاتا رہا۔

ایک شیعہ قوم ایسی ہے کہ جب ہم سے پوچھا گیا تو بتائیں گے کہ ہادی نے بتایا..تو اگر خدا ہم سے سوال کیا ہادی تمہارا نامزد تھا یا میرا؟ تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ سفید پوش تھا جس کی وجہ سے ہم اس کے ظاہر پر بھول گئے بلکہ ہم واضح طور پر آیت تطہیر پڑھ کر دربارِ توحید میں کہیں گے پروردگار! تطہیر بھیج کر پاکیزگی کی سند تو نے دی ہے اور امام مان کر اتباع ہم نے کی ہے۔

ملکہ تطہیر مسندِ عصمت پر حجرۂ عظمت میں تشریف فرما تھیں کہ عالمین کے سلطان رسول یا یہ کہوں کہ برجِ رسالت کے نیّرِ اعظم آسمانِ نبوت کے آفتابِ معظم اپنی مسندِ مخصوص پر جلوہ گر تھے..خیالِ رسالت میں یہ بات گزری کہ آج جا کر درِ دولتِ زہرؑا پر خراجِ عقیدت پیش کروں، اِدھر نبوت نے اپنا مقام چھوڑ کر دروازۂ تطہیر کا رُخ کیا اُدھر ملکہ عصمت کے مشامِ اطہر میں بابا کی رسالت کی خوشبو نے مہکنا شروع کیا، اُدھر سے کرسی نبوت چھوڑ کر محمد مصطفیٰ چلے اِدھر بسترِ عظمت چھوڑ کر بتولِ معظّمہ دروازہ کو کشادہ کرنے کیلئے چلیں..نبوت دروازے کے باہر پہنچی عصمت دروازہ کے اندر پہنچی..دروازہ کشادہ کیا نبوت نے جھک کر چادرِ تطہیر پر بوسہ دیا ملکہ عصمت نے مقام نبوت سنوارا اور فرمایا میرے بابا تشریف فرمایئے یہاں پر بیٹھیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ آج میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا آج میرے جسم میں نقاہت ہے۔

حدیث کسا کے ظاہری الفاظ ایسے ہیں کہ میرے جسم میں نقاہت ہے میں چاہتا ہوں کہ حجرہ کے گوشہ میں آرام کروں؟ پیغمبر اکرمؐ پہنچے..حجرہ کے گوشہ میں آرام فرما تھے..یہ ظاہر بیان کر رہا ہوں۔

میں متعدد مقامات پر بیان کر چکا ہوں کہ قرآن محمد مصطفیٰ کا طالب ہے لیکن محمد مصطفیٰ قرآن کے طالب نہیں..جہاں حضورؐ گئے وہاں قرآن گیا...حضورؐ مکہ میں تو

قرآن مکہ میں.. حضورؐ سفر میں تو قرآن سفر میں.. جس طرف رُخِ محمدؐ اس طرف قرآن.. قرآن کے مزاج شناس نبی ہر آیت کی آمد کو سمجھتے تھے، کسی آیت کا موضوع حضورؐ نے خود تیار نہیں کیا بلکہ آئے ہوئے موضوع کے مطابق آیت اُتری، آج آیت تطہیر آنے والی ہے حضورؐ نے اس کا موضوع صاف کرنا شروع کیا کہ آیت تطہیر جب نازل ہو تو مجھے کس رنگ میں ہونا چاہیے؟

آیت نے بیان کیا کہ اے اس گھر والو! میں نے تمہیں پاک رکھا ہے جس طرح پاک رکھنے کا حق تھا... وہ کونسا گھر ہے جس پر آیت آئے اور گھر والے سب پاکیزہ ہوں؟ جتنا ارادہ وسیع.. اشارہ وسیع اُتنا دور اور جتنا محدود اتنا نزدیک.. اگر حدیں نہیں تو اشارہ بعید اگر حدیں ہیں تو اشارہ قریب مثال کے طور پر اگر میں اشارہ کروں آسمان کی طرف درمیان میں کوئی حائل نہ ہو تو اشارہ آسمان تک جائے گا لہذا یہ اشارہ دور کا ہوگا اور اگر میں اشارہ کروں اور درمیان میں کوئی بادل ہو تو اشارہ بادل تک محدود اور اگر سائبان ہو تو سائبان تک محدود ہوگا۔

اے اس گھر والو! جتنی گھر کی حدیں وسیع ہوں گی اشارہ آخر تک چلا جائے گا جتنی حدیں محدود ہوں گی اشارہ قریب تک ہو گا... حضورؐ نے دیکھا کہ میں اشارے کو محدود رکھوں آیت نے آ کر اشارہ پیش کرنا ہے مصداق وہ ہوں جو اشارے کے اندر آ جائیں..... مسجد چھوڑی اس لئے کہ اگر آیت تطہیر مسجد میں نازل ہوئی تو آیت کا موضوع تھا اے اِس گھر والو؟ تو مسجد گھر شمار ہوتی اور جو اس میں موجود مکی.. مدنی.. مہاجر.. اصحاب.. مومن.. منافق.. غیر ملکی سفیر.. یہود و نصاریٰ ہر قسم کا مجمع ہوتا، اگر آیت آ جاتی اے اِس گھر والو! تو سب کہتے کہ ہم پاک ہیں؟

اس لئے مسجد چھوڑی گھر کا رُخ کیا گھر میں حویلی کا رقبہ زیادہ تھا، یہاں پر بسنے والے تھوڑے تھے.. آیت آ جاتی تو سب شامل ہوتا اسلئے گھر کی حدوں کو محدود

کیا ایک حجرہ میں گئے جس میں ملکہ تطہیر تشریف فرما تھیں..اس بستر کے قریب گئے یہاں پر دیکھا کہ امّ المومنین جناب امّ سلمٰی بھی تشریف فرما ہیں طبق روایت۔

پیغمبر اکرمؐ چاہتے تھے کہ تطہیر والے سب یہاں پر ہوں تا کہ اس گھر کے کسی مومن یا امّ سلمٰی کو باہر بھیجوں یا خود باہر جاؤں؟ آپ تو جا نہیں سکتے کیونکہ ملکہ تطہیر خود تشریف فرما تھیں اور جناب امّ سلمٰی سے یہ کہنا کہ تو نکل جا یہ الفاظ کہنے بھی مشکل؟ کیونکہ جسے پیغمبر اکرمؐ فرما دیں نکل جا اس کے ایمان پر بھی شک؟ جناب امّ سلمٰی کو نکل جا کہتے نہیں اسلئے کہ ان کے ایمان پر شک کرانا نہیں چاہتے..آپ خود باہر نہیں جا سکتے کیونکہ ملکہ تطہیر یہاں موجود ہیں۔

ایک تجویز سوجھی پیغمبر اکرمؐ نے..ظاہر وہ تھا اور باطن یہ ہے کہ تدبیر سوجھی پیغمبر اکرمؐ نے کہ اس حجرے کے اندر تطہیر کا ایک نیا کیمپ قائم کروں فرماتے ہیں کہ اے میری بیٹی زہراؑ! مجھے چادر اُٹھا دے اپنے اوپر تان کر تطہیر کا کیمپ بناتا ہوں، حجرہ میں سے کسی کو نہیں نکالتا لیکن کیمپ میں وہی آئے گا جسے میں چاہوں گا؟ حضرت زہراؑ کی چادر بن گئی تطہیر کا کیمپ، حضرت زہراؑ کے بابا صدرِ مجلس کی حیثیت سے تشریف فرما ہوئے۔

جنہوں نے اس بزم میں آنا تھا ذاتِ توحید نے مخصوص انداز کے ساتھ بغیر جبریل کے اپنی مخصوص وائرلس کے ذریعے ہر ایک کو اطلاع دی..آنے والے دعوتی شروع ہو گئے اسلئے کہ بزمِ تطہیر میں کیمپ نصب ہے اور صدر موجود ہے۔

سب سے پہلے امام حسن مجتبیٰ یا یوں کہوں کہ زینتِ دینِ کبریا..رونق دوشِ مصطفیٰ حضرت حسن مجتبیٰ..درِ دولتِ زہراؑ پر تشریف فرما ہوئے...بتولؑ نے دروازہ کشادہ کیا امام حسن مجتبیٰ نے ماں کا سلام کیا، جناب زہراؑ نے گود کی زینت بنایا پیشانی پر بوسہ دیا عرض کرتے ہیں کہ اے مادرِ گرامی آج مجھے حجرہ میں سے جدّ امجد

کی خوشبو آ رہی ہے؟ فرماتی ہیں کہ اے میرے نہ بھولنے والے بیٹے سچ کہہ رہے ہو، میری آنکھ کی ٹھنڈک..میرے دل کا سرور واقعاً میرے بابا کل کائنات کے قبلہ و کعبہ زیرِ کسائ تشریف فرما ہیں، عرض کرتے ہیں آپ کی گود کی ٹھنڈک ہر وقت نصیب ہوتی ہے آج جدّ امجد اتفاق سے پہلے تشریف فرما ہیں اے مادر گرامی اگر آپ کی اجازت ہو تو آپ کی گود کو سلام کر کے جدّ امجد کی خدمت میں پہنچوں؟ فرماتی ہیں کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی جا جدّ امجد کے پاس سو جا، آئے کسائ کے قریب جدّ امجد کو سلام کیا جواب ملا پھر اجازت مانگی...اجازت ملی تو امام حسن مجتبیٰ نے چادر کا دامن اُٹھایا اور زیر کسا محمد مصطفیٰ کے کندھے پر سر رکھ کر سوئے۔

اتنے میں بزم تطہیر کا تیسرا فرد شہید کربلا..والیٔ نینوا..دکھی بہنوں کا آسرا..آپ سب کا پیشوا درِ زہراؑ پر آئے، سلام کیا گود کی زینب بنے عرض کرتے ہیں اے اماں جان مجھے نانا کی خوشبو آ رہی ہے..فرماتی ہیں جی ہاں وہ تیرے بھائی حسن مجتبیٰ کے ساتھ زیر کسا موجود ہیں، فرماتے ہیں کہ اے اماں جان آپ کی گود کی ٹھنڈک ہر وقت نصیب ہوتی ہے اگر اجازت ہو تو جدّ امجد کے پاس جاؤں؟ فرماتی ہیں جا میرے لختِ جگر..خدا جانے ہمارے جانے کے بعد تجھے امت کہاں کہاں لائے گی؟ جا نانا کے پاس سو جا، آئے سلام کیا جواب ملا اجازت مانگی داخل کسا ہوئے اور دوسرے کندھے پر سر رکھ کے سو گئے۔

پھر اَمِیرُ الْمُؤمِنِین.. قَائِدُ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِین.. اِمَامُ الْمُتَّقِین.. قبلہ آسمان و زمین درِ دولت زہراؑ پر تشریف لائے، اپنے پاک شوہر کی تعظیم کی خاطر مسندِ طہارت سے بلند ہوئیں اور در پر آ کر اپنے سردار کا سلام کیا اور دروازہ کشادہ کیا..مسندِ ولایت کی پیشکش کی، حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ نہیں آج ہمارا پروگرام اور ہے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے والد گرامی کی تشریف آوری ہے مجھے نبوت کی خوشبو

آ رہی ہے؟ عرض کرتی ہیں جی ہاں میرے سردار آپ کی جوڑی کے ساتھ میرے والد آرام فرما ہیں..آپ کسائ کے قریب گئے سلام کیا جواب ملا اجازت ملی زیر کسائ پہنچے.. پہلے فقط رسول اکرم تھے اب تین اور کا اضافہ ہوگیا کل چار بن گئے، ایک شمسِ نبوت تین شموسِ امامت..درمیان میں نبوت اردگرد پہرۂ امامت..نیچے بتول کا بستر اُوپر بتول کی چادر..درمیان میں نبوت وامامت۔

عالمہ غیر معلّمہ بابا کے ہرانداز کو سمجھنے والی مستور مزاج شناسِ نبوت جو کہ جانتی ہیں کہ جس رنگ میں میرے بابا ہوں قرآن اُسی رنگ میں نازل ہوتا ہے اگر کملی پہنیں تو **یَـأَیُّهَا الْمُزَّمِّل** کے لباس میں قرآن اُترتا ہے، اگر لحاف اوڑھیں تو **یَـأَیُّهَا الْمُدَّثِر** کے لباس میں قرآن آتا ہے، اگر کرسی نبوت پر بیٹھیں تو قرآن یٰسِیٓن کے لقب سے نوازتا ہے، پیغام رسالت پہنچائیں تو **یَـأَیُّهَـا الرَّسُوْل** کے خطاب سے نوازے جاتے ہیں، اگر وضو کریں تو طٰہٰ کے لقب سے نوازے جاتے ہیں۔

فرماتی ہیں کہ یہ رنگ جلوے عمومی ہیں لیکن آج میرے بابا کسی خصوصی جلوہ میں ہیں آج بستر خاص..رفاقت خاص..چادر خاص..حجرہ خاص، ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی خاص آیت میرے والد گرامی کی اس نشست کو بیان کرے؟ اپنے آپ سے فرماتی ہیں کہ اے زہراؑ تو نیچے نہ بیٹھ بلکہ اس بزم میں شامل ہوجا تا کہ جو آیت آئے اس کا عنوان تو بنے، اپنے مقام سے بلند ہوئیں جب تک نبوت وامامت چادر میں رہی اُس وقت تک لسانِ توحید خاموش رہی..بزمِ لاہوت چپ چاپ رہی..خداوند کی طرف سے کوئی ارشاد جاری نہ ہوا۔

ملکہ تطہیر نے سوچا کہ میں بزم میں شامل ہوجاؤں..اپنی مسندِ عصمت و طہارت سے اٹھ کر کسائ کے قریب پہنچیں اور فرمایا **اَلسَّـلَامُ عَـلَیْـکَ یَـا أَبَتَاهُ یَا رَسُـوْلِ اللّٰه** میرے رسول بابا بیٹی کا سلام ہو..رسول اکرمؐ نے جواب دیا، اجازت

مانگی (یہ میرا اپنا انداز ہے حدیث کسا کا مضمون) حضورؐ نے فرمایا میری بیٹی تو پوچھ رہی ہے تو خود بتا یہ حجرہ کس کا ہے؟ یہ بستر کس کا ہے؟ یہ چادر کس کی ہے؟ یہ بابا کس کا ہے؟ یہ شوہر کس کا ہے؟ یہ بیٹے کس کے ہیں؟ جب سب تیرے تو اجازت کس بات کی؟ پس چادر کا دامن اٹھایا اور زیر کسا پہنچیں۔

یہ مستور معمولی مستور نہیں؟ یہ رمز شناسِ نبوت..مزاج شناسِ امامت..عالمہ غیر معلّمہ..شریکہ کارِ ولایت..محافظہ ناموسِ وحدت ہے...چادر کے نیچے پہنچی تو پہلے چار تھے اب پانچ ہو گئے..چار مرد پانچویں مستور، مرد پہلے پہنچے مستور آخر میں پہنچی لیکن جب تک نہ پہنچی بزمِ توحید میں خاموشی طاری رہی؟ کرسی وحدت سناٹے میں رہی؟ عالم لاہوت میں خاموش چھائی رہی؟ اس کے پہنچنے کی دیر تھی کہ کرسیٔ وحدت کا سکوت ختم ہوا..عالم لاہوت کا سناٹا ختم ہوا۔

کرسیٔ وحدت کے واحد مکین نے اپنے مقامِ توحید سے اپنی زبانِ بے زبانی سے اِن پانچوں کی اجتماعی صورت کو اس بزم تطہیر کے پُر ہونے کو بیان کرنے کا ارادہ کیا عالم ملکوت میں خود دعوت دی کہ اے ملکوت! جمع ہو جاؤ آج میں نے ایک تقریر کرنی ہے کہ جسکا موضوع ہے..پنجتن پاک

آج جبریل سے نہیں کہا کہ ملائکہ کو اکٹھا کرو..نہ ہی میکائیل سے فرمایا کہ عالم ملکوت کو جمع کرو بلکہ خود اپنی زبان بے زبانی سے تمام عالم ملکوت کو فرمایا:

یَا مَلَائِکَتِیُ وَ یَا سُکَّانَ سَمٰوٰتِیُ وَ عِزَّتِیُ وَ جَلَالِیُ اِنِّیُ مَا خَلَقُتُ سَمَآءً مَبُنِیَّةً وَّلا اَرُضًا مَّدُحِیَّةً وَّ لا قَمَرًا مُّنِیُرًا وَّ لا شَمُسًا مُّضِیُئَةً وَّ لا فَلَکًا یَّدُوُرُ وَ لا بَحُرًا یَّجُرِیُ وَ لا فُلُکًا تَسُرِیُ اِلَّا فِیُ مُحَبَّةِ هٰؤُلَآءِ الُخَمُسَةِ الَّذِیُنَ هُمُ تَحُتَ الُکِسَآءِ

اے آسمان کے آسمانی فرشتے! اے آسمانی مخلوق! قروبیّن! حاملین عرش!

عبادت گزار! تمام ملائکہ قدسیّین کو میں اللہ دعوت دے رہا ہوں اپنے مکانِ عبادت و مصلا ہائے عبادت لپیٹ کر رکھ دو، کرسی وحدت کے سامنے جمع ہو جاؤ، میں نے ایک بیان جاری کرنا ہے تم سب میرے اس بیان کو کان دھر کر سنو، جمع ہو گئی مخلوق قدسی، تقریر کی ابتدأ کی خود کرسی وحدت کے مکین نے، ابتدأ یہ ہے کہ مجھے اپنی عزت کی قسَم مجھے اپنی جلالت کی قسَم میں نے نہ سورج کو روشنی، نہ چاند کو چمک، نہ ستاروں کو دھمک، نہ دریا کو روانی، نہ کشتی کا چلنا، نہ پہاڑوں کی بلندی گویا کائناب عالم کا کوئی ذرّہ زیورِ تخلیق سے آراستہ نہ کرتا اگر ان پانچ کو خلق نہ کرتا جو کہ چادر تطہیر کے نیچے ہیں؟

تقریر جتنی بھی اچھی ہو مقرر جتنا فصیح و بلیغ ہو لیکن اگر سامعین بے ذوق ہوں تو تقریر بے اثر رہتی ہے کیونکہ بے ذوق افراد اچھے خاصے مقرر کو شش و پنج میں مبتلا کر دیتے ہیں.. باذوق افراد تقریر کی زینت ہوا کرتے اگر بات بیہودہ اور فضول ہو تو باذوق افراد تحمل نہیں کر سکتے اور بے ذوق ٹس سے مس نہیں ہوتے؟

عالم ملکوت میں مقرر معمولی نہیں.. مجمع بے ذوق نہیں.. اجتماع ہے نوریوں کا اور مقرر ہے خالق الانوار.. نہ بولنے والا کمزور.. نہ مجمع بے ذوق.. نہ تقریر بے ثبات؟

تقریر کو زوردار بنانے کے چار اسباب ہوتے ہیں جو کہ خالق کائنات کی تقریر میں چاروں اسباب موجود تھے: مجمع باذوق.. مکانِ عظیم.. لہجہ اچھا.. ماحول صاف

لہجہ طاقتور تو تقریر طاقتور.. لہجہ کمزور تو تقریر کمزور، اسی طرح تقریر کرنے والی زبان بھی بلند ہو اگر کوئی گھٹیا شخص بات کرے اگرچہ بات حق کی ہو گی لیکن چونکہ بات کرنے والی زبان گھٹیا ہے تو بات بے اثر.. لیکن اگر زبان بلند ہو تو اس کی قیمت بھی زیادہ اور بات کا اثر و رسوخ بھی زیادہ.. مثال کے طور پر اگر غریب کوئی بات کہہ دے باوجود حق ہونے کے بھی اس کی بات کو ٹال دیا جائے گا اور اگر امیر کوئی فضول اور بیہودہ بات کرے گا تب بھی خوشامدی افراد کہیں گے کہ سردار کی زبان

سے پھول برس رہے ہیں، کتنا اچھا کلام ہے، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ بیہودہ گوئی ہے لیکن پھر بھی چونکہ زبان بلند ہے اس زبان کو بیہودہ کہنا گوارہ نہیں؟

یہاں پر مقرر خدا ہے کہ جس سے بڑھ کر بولنے والا نہیں... جس مقام پر بول رہا ہے اُس سے اونچا مقام نہیں... جس مجمع میں بول رہا اُس سے بلند کوئی مجمع نہیں... بلند لہجے میں وہ قسم کھائی جس سے اُونچی قسم نہیں اور فرمایا کہ میں خدا کہہ رہا ہوں کہ اگر ان پانچ کو خلق نہ کرتا تو کچھ خلق نہ کرتا؟

جب فرشتوں نے سوال کیا کہ وہ پانچ کون ہیں؟ تو خداوند کریم کا ارشاد ہوتا ہے کہ **هُمْ أَهْلُ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَ مَعْدِنُ الرِّسَالَةِ** وہ نبوت کے اہل بیت اور رسالت کی کان ہیں **هُمْ فَاطِمَةُ وَ أَبُوهَا وَ بَعْلُهَا وَ بَنُوهَا** وہ فاطمہ اُن کا بابا اوران کا شوہر اوران کے بیٹے ہیں۔

میں حیران ہوں خدایا ایسا کیوں کیا؟ جہاں پر تعارف کرنا ہو کسی کا وہاں عورتوں اور مردوں میں سے عورتوں کا نام لینا اور مردوں کا نام نہ لینا کیسا تعارف ہے؟ تعارف کرتے وقت یوں کہنا کہ عورتیں ہیں اور ساتھ میں مرد ہیں؟ ایسے تو کوئی نہیں کرتا.. جب چار مرد موجود تھے اور پانچویں مستور تھی، جب فرشتے نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تحتِ کسا؟ تو تو نے چار مردوں کے نام لینے کی بجائے اس ایک مستور کا نام لیا جسے پردے میں رکھنا تھا اُسے آشکار کر دیا اور جنہیں آشکار کرنا تھا اُنہیں پردے میں رکھا؟

هُمْ فَاطِمَةُ آشکار کر دیا اور نام لے لیا... **أَبُوهَا** اس کا بابا نام نہ لیا بلکہ پردہ میں رکھا **وَ بَعْلُهَا** پردہ میں رکھا نام نہ لیا بلکہ کہا کہ شوہر اور **بَنُوهَا** اس کے بیٹے نام نہ لینا بلکہ پردہ میں رکھا جنہیں آشکار کرنا تھا انہیں پردہ میں رکھا اور جسے پردہ میں رکھنا تھا اسے آشکار کر دیا بارالہا ایسا کیوں؟

فِعْلُ الْحَکِیْمِ لا یَخْلُوْا عَنِ الْحِکْمَۃِ فعل حکیم حکمت سے خالی نہیں ہوتا حکمت سے باہر نہیں ہوتا...اس لیے ایسا کیا کیونکہ مرد کے رشتے بہت ہیں اور عورت کے رشتے محدود ہوتے ہیں، مستور گھر کی چار دیواری کے اندر ہوتی ہے باہر سے اس کا تعلق نہیں، مستور کے کل رشتے تین ہیں پیدا ہوئی تو بیٹی رشتہ دار باپ..شادی کے بعد بیوی رشتہ دار شوہر..اولاد کے بعد ماں رشتہ دار بیٹے، نہ عورت کا چوتھا کوئی جوڑ ہے نہ کوئی چوتھا موڑ ہے؟

اگر تعارف مرد کے نام سے ہوتا تو رشتے ڈھیر تھے..نبی تھے اتنی امت تھی اتنے اصحاب تھے..اتنے غوث ہیں..اتنے کتب ہیں..اتنے ابدال ہیں اور...یعنی بہت رشتے بن جاتے اور آئینہ تطہیر میں شرکائ کا دامن بڑھ جاتا، اللہ تعالیٰ نے تعارف ایسے رنگ میں کیا کہ حضرت زہراؑ کے تمام رشتے گنے فرمایا کہ چادر کے نیچے ایک بتولؑ ایک اس کا والد پہلا موڑ ختم اور بتولؑ کا شوہر دوسرا موڑ ختم اور زہراؑ کے دو فرزند تیسرا موڑ بھی ختم، نہ چوتھا موڑ آئے گا زندگی میں نہ چوتھے جوڑ کی ضرورت پڑے گی؟ اسلئے قیامت تک دنیا اُچھلتی رہے پنجتن پاک پانچ ہیں چھٹا نہیں ہوسکتا۔

یہاں پر ایک دوسرا سوال بھی ہوسکتا ہے کہ عورت کا نام مردوں میں لینا اچھا نہیں تو خدا نے شاید یہ جواب دیا ہوگا کہ اس عورت کا نام لینا اچھا نہیں جس کا کردار مشکوک ہو؟ لیکن حضرت زہراؑ کی زندگی میں شک نہ ہے اور نہ ہی شک کیا جاسکتا ہے۔

یہ ہے آلِ محمد کی عظمت..یہ ہے ملکہ تطہیر کا مقام..چھ مہینے گزرنے کے بعد بھی جب حضور درِ زہراؑ پر تشریف لاتے تو آیت تطہیر پڑھتے ہوئے رک جاتے جب تک اجازت نہ ملتی گھر میں تشریف نہ لے جاتے؟

ایک دن نابینا صحابی رسول اکرمؐ کے ساتھ تھا پیغمبر اکرمؐ نے اجازت طلب کی جناب فاطمہؑ نے دروازہ کھولنے میں کچھ دیر کی..تھوڑی دیر کے بعد اجازت ملی،

سرکار اندر تشریف لائے فرمایا اے دختر! آج بابا کو بہت دیر تک دروازے پر روکا؟ فرماتی ہیں کہ بابا میرے سر پر چادر موجود نہ تھی اسلئے دروازہ کھولنے میں کچھ دیر ہوگئی تکلیف معاف..پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں کہ بیٹی میرے ساتھ جو صحابی تھا وہ تو نابینا تھا اور میں باپ تھا؟ عرض کرتی ہیں کہ اے بابا وہ اگر نابینا تھا میں تو بینا تھی، زہراؑ یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ اپنی نظر نامحرم پر ڈالے..خدا تو جانتا ہے کہ حضرت زہراؑ نے بہت اچھا وقت گزارا جب بیٹی تھی تو محمد مصطفیٰؐ کو ناز...جب بیوی بنی تو علی مرتضیٰ جیسے شوہر کو ناز...جب ماں بنی تو حسنین جیسی اولاد کو ناز...وقت بہت اچھا گزارا لیکن حضرت زہراؑ کو بہن بننے کا موقعہ نصیب نہ ہوا وہ کمی پوری کی حضرت زینبؑ نے، بہت مصائب جھیلے لیکن بھائی کے مشن کو آخر تک پہنچایا، اس مشن میں بہت سختیاں جھلیں.. بارہ بھائی جس کے کفش بردار ہوں، جب اونٹ سامنے آیا تو کبھی دائیں نگاہ کی کبھی بائیں نگاہ کی جناب فضہ سوال کرتی ہیں کہ کیا دیکھتی ہیں؟ فرماتی ہیں کہ مجھ سے سوال کرنے والے جو نہیں؟ بہت تکالیف سہیں مگر بھائی کے مشن کو کامیابی کے زینے پر پہنچایا۔

تمام کائنات کی بہنوں کو بھائی کے حقوق بتلا گئی..آج ۶ محرم کی رات ہے، ہر طرف سے کہیں نیزوں کی چمک دیکھتی؟ کہیں تلواروں کی چمک دیکھتی؟ لحظہ بہ لحظہ بھائی سے پوچھتی بھیا! کوئی آپ کا بھی ہے یا سب لشکر یزید ہے؟ سب مارنے والے ہیں یا کوئی تیرا بھی ہے؟ امام فرماتے ہیں کہ سب مارنے والے ہیں میرا کوئی نہیں، تو حضرت زینبؑ فرماتی ہیں کہ کسی کی طرف تو لکھو شاید کوئی آجائے؟ اور ہمارے دل کا سہارا بن جائے؟ امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ تیرے کہنے پر لکھتا ہوں فرماتی ہیں کس کی طرف؟ فرماتے ہیں حبیب ابن مظاہر کی طرف خط لکھا ہے، فرماتی ہیں کہ کسی اور کی طرف بھی خط لکھا ہے؟

بعض تواریخ بیان کرتی ہیں کہ امام حسینؑ نے بعض دیگر افراد کی طرف بھی خط لکھے تھے جن میں سے ایک فرد جس کا نام سعید بن عبداللہ حنفی ہے جو کہ نوجوان اور نوعمر لڑکا تھا....اس شخصیت کے بارے میں میرے استاذ الاستاذ شیخ جعفر شوشتری فرمایا کرتے تھے کہ یہ بلاگردانِ سید الشہدأ میں سے ہے اور بلاگردان سے مراد وہ صحابہ ہے کہ جو امام مظلومؑ پر ہر آئی مصیبت کا مقابلہ کرتے تھے تا کہ یہ مصیبت ہمارے آقا تک نہ پہنچے؟ یہ تقریباً دس صحابہ تھے منجملہ : سعید بن عبداللہ حنفی، حبیب بن مظاہر اسدی، زہیر بن قین، بریر بن خضیر ہمدانی، عابس بن ابی شبیب شاکری، ہلال بن نافع، شوذب، مسلم بن عوسجہ..وغیرہ

سعید بن عبداللہ حنفی کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ مکہ میں چھوڑ گیا تھا پھر امام حسینؑ کے ساتھ کربلا آیا۔

دوسری یہ کہ سعید بن عبداللہ بصرہ کا مکین تھا اور تازہ شادی ہوئی تھی، شادی کو ابھی تیرھواں یا سترھواں دن تھا..نوعمر لڑکا تھا، وہ حجلہ عروسی میں بیٹھا ہے اِدھر امام حسینؑ خط لکھ رہے ہیں..قاصد دروازے پر پہنچا یہ سعید حجرہ عروسی میں اپنی زوجہ کے ساتھ کھانے میں مشغول تھا لقمہ ہاتھ سے گرا تڑپ کے بلند ہوا کہتا ہے کہ آج خیر نہیں (جو وہاں کے مکین ہیں وہ جانتے ہیں کہ اُس دَور میں بصرہ سے کربلا تیز رفتار سواری پر بھی کم از کم دو دن لگ جاتے تھے) یہ قاصد بھی امام حسینؑ کی مجبوری کو دیکھ کرا تنا تیزی سے بصرہ کی طرف آیا کہ چھ محرم کو کربلا سے روانہ ہوا اور آٹھ کو بصرہ میں پہنچا، امام حسینؑ نے تاکید کی تھی کہ جلدی کرنا اور اسے وقت بھی بتلانا کہ وقت بہت کم ہے؟ قاصد نے دروازہ پر دستک دی سعید دروازہ پر پہنچا دیکھا کہ ایک مسافر کے سر پر خاک ہے.. چہرہ غبار آلود ہے.. ہاتھ میں تحریر ہے، خط کو وہیں ٹھہر کر پڑھا..آنکھوں پر لگایا..بوسہ دیا، خط کی تحریر عجیب تھی:

مِنۡ حُسَيۡنِ بۡنِ فَاطِمَة زہراؑ کے بیٹے حسینؑ کا خط ہے...حیران ہو کر کہتا ہے کہ مولا حسینؑ اور ماں کا نام؟ معلوم ہوتا ہے کہ بہت مجبور ہے، خط کو بوسہ دیا اور رونے لگا اور روتا ہوا اندر آیا..خیال کیا کہ اپنی عروس کے حجرہ میں نہ جاؤں شاید وہ دیکھ کر گھبرا جائے؟ سیدھا ماں کے پاس چلا گیا ماں نے روتا دیکھا تو تڑپ کے بلند ہوئی، وہ ماں جس نے اپنے بیٹے کی تازہ شادی کی ہو وہ اپنے بیٹے کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تڑپے نہ تو کیا کرے؟ پوچھتی ہے کہ تجھے کس نے رُلایا؟ خدا تجھے امان دے یہ دروازہ پر کون تھا؟ کہتا ہے کہ ماں بیٹھ جا اور حوصلے سے میری بات سن؟

ماں یہ بتا کہ کیا تیرا مدینہ کے ساتھ بھی کوئی رشتہ ہے؟ کہتی ہے ہاں بیٹے مدینے میں میرے امام اور سردار رہتے ہیں..میرے نبی کی مزار بھی مدینے میں ہے، امام حسینؑ سے تیرا کیا رشتہ ہے؟ کہتی ہے کہ وہ میرے مرشد اور حق کے امام ہیں، کہتا ہے کہ امام حسینؑ ہیں زہراؑ کے لخت جگر اور میں ہوں تیرا بیٹا اگر تجھے بتولؑ کے فرزند کے مقابلے میں اپنا بیٹا قربان کرنا پڑے تو کیا کرے گی؟ کہتی ہے کہ تجھ جیسے لاکھ جوان قربان کروں گی زہراؑ کے بیٹے پر..تو کہاں اور زہراؑ کا فرزند کہاں؟ یہ نسبت نہ دے۔

سعید نے عرض کیا کہ اگر اتنا ایمان محکم ہے تو یہ خط دیکھ یہ خط حسین بن علیؑ کا ہے بہت مجبور ہے علی اکبرؑ کا بابا...معلوم ہوتا ہے کہ غربت چھا گئی ہے امام مظلوم پر؟ اسلئے کہ آج خط پر اپنی والدہ محترمہ کا نام لکھا ہے (مِنۡ حُسَيۡنِ بۡنِ فَاطِمَة)

سعید پوچھتا ہے اے مادر! اب کیا ارادہ ہے کیا اپنا بیٹا زہرا کے فرزند پر نثار کرو گی؟ کہتی ہے کہ تجھ جیسے لاکھ سعید امام حسینؑ پر قربان..کیونکہ امام حسینؑ میرے دین و ایمان ہیں، لیکن یہ بات اپنی عروس کو نہ بتانا..کمزور قوم ہے شاید گھبرا جائے؟

اس عروس نے اپنے کمرے کے دروازے سے جھانک کر دیکھا کہ ساس اور شوہر دونوں محوِ گریہ ہیں، اپنے حجرے کا دروازہ کھول کر ساس کے پاؤں پر گر کر کہا

کہ مجھے کیوں نہیں بتاتے کہ ماجرا کیا ہے؟ سعید کی والدہ کہتی ہے کہ بیٹی میں تیرے بخت میں حائل نہیں ہونا چاہتی، میں تیری قسمت پر افسوس کرتی ہوں، جوانوں پر جب مشکل آجاتی ہے تو صبر سے کام لینا چاہیے.. تیرے شوہر کو نصرتِ امام کیلئے سفر پر جانا ہے ضروری کام ہے رکاوٹ نہ کرنا۔

عروس کہتی ہے کہ راز بتائیں؟ تو سعید کی والدہ کہتی ہے کہ ہمارا سلطان اور امام ہے حسینؑ جو کہ اب محاصرہ میں ہے اور میرے بیٹے کو مدد کے لئے طلب فرمایا ہے امام کی طلب پر مدد کیلئے بیٹے کو روانہ کر رہی ہوں رکاوٹ نہ بننا؟ قدموں پر گر کر کہتی ہے کہ امام حسینؑ تنہا ہیں؟ تو سعید کی والدہ کہتی ہے کہ اُن کی بہنیں بھی ہمراہ ہیں.. عروس کہتی ہے کہ اگر آپ بیٹا قربان کر سکتی ہیں تو میں بھی اپنا بخت لٹا کر امام عالیمقامؑ کی بہنوں اور ان کے حرم کی خدمت میں کروں گی.. سعید عرض کرتا ہے کہ تیرے جانے کا وقت نہیں مستورات ساتھ ہوں تو سفر جلدی طے نہیں ہوتا میں نے جلدی جانا ہے دن کم ہیں شاید وقت ہاتھ سے چلا جائے؟ اجازت بہت مشکل سے لی روانہ ہو گیا۔

نویں محرم کی رات بھی سفر میں نو محرم کا دن بھی سفر میں.. دسویں کی رات بھی سفر میں جب دسویں کا دن طلوع ہوا اس وقت اس کے دل کی دھڑکن بڑھی، دل میں کہتا سعید میرا دل بہت دھڑکنے لگا ہے کہیں وقت گزر نہ جائے؟ گھوڑے کو تیز دوڑانا شروع کیا دریا کے کنارے پہنچا.. گھوڑا دوڑ ا رہا ہے وہ نشانی بھی ساتھ دیکھ رہا ہے جو کہ قاصد نے بیان کی تھی، اُس بیابان میدان میں داخل ہوا.. دُور سے دیکھا کہ اونچے اونچے خیمے دریائے فرات کے کنارے نصب ہیں دل میں خیال کیا کہ میرے آقا حسینؑ کے ساتھ مستورات بھی ہیں.. حرم بھی ہیں اور بچے بھی ہیں لہذا دریا کے کنارے پر خیمے یقیناً امام حسینؑ کے ہوں گے، بچے ساتھ ہیں پانی سے دور کیسے رہیں، اس لئے ان خیموں کے قریب آیا جو کہ دریا کے کنارے نصب تھے۔

سعید کی حیرت کی حد نہ رہی اور انگشت عبرت منہ میں ڈالی جب خیام پر لکھے نام پڑھے کسی خیمہ پر لکھا تھا یہ شمس بن ربیع کا ہے.. کسی پر حصین بن نمیر.. کسی پر شمر بن ذی الجوشن.. کسی پر عمر بن سعد کا نام لکھا تھا.. کسی کے دروازہ پر خولی کا نام تھا.. کسی پر سنان ابن انس؟ دل میں کہتا ہے کہ یہ خیام آقا کے صحابہ کے خیمے تو نہیں؟

سعید نے ایک سپاہی سے جو کہ لشکر یزید سے تعلق رکھتا تھا پوچھا کہ امام حسینؑ کے خیام کہاں ہیں؟ تو وہ کہتا ہے کہ وہ دور ایک ٹیلہ پر جو جدا خیمے نظر آ رہے ہیں وہ خیمے امام حسینؑ کے ہیں... گھوڑا دوڑا کر خیموں کے سامنے آیا اور انگشتِ عبرت منہ میں ڈال کر خیموں کو دیکھنے لگا... اتنے تک دسویں کا دن ڈھل چکا تھا خیموں میں سناٹا چھایا ہوا تھا، نہ کوئی بولنے والا مرد تھا نہ کوئی قرآن کی آواز.. نہ جوانوں کا پہرہ نہ عباس کے ہاتھ میں تلوار؟ دل میں سوچتا ہے کہ جوان کہاں گئے؟ پھر اس خیمہ کے دروازے پر آیا کہ جس پر رسول اکرمؐ کا علم نصب تھا، علم کی چوب کو پکڑ کر گریہ کرنے لگا کہ یہ خاموشی کیوں ہے؟ پھر امام حسینؑ کے خیمہ بابِ زینبیہ پر آیا یہاں بھی کوئی پہرا نہ کوئی پہرادار؟ نہ مستورات کی آواز اور نہ ہی مردوں کی صدا؟ بچے ہیں تو خاموش؟

حیرت میں ڈوب کر کہتا ہے کہ کیسی مشکل چھا گئی؟ میں بھولا تو نہیں؟ ابھی تک خیمہ کی چوب کو پکڑ کر کھڑا تھا کہ اندر سے گریہ میں ڈوبی ہوئی آواز آئی بیٹا سعید خیریت سے آئے ہو؟ حیران ہو کر کہتا ہے کہ پردہ دادرں کے دروازے پر کوئی آئے تو پردہ دار تو نہیں بولتے اے بی بی تجھے کیا مجبوری تھی کوئی بچہ بھیج دیا ہوتا؟

بی بی نے عرض کیا میرا کوئی نہیں رہا اب تنہا بیٹھی ہوں، سعید نے پوچھا پہردار کہاں گئے؟ فرماتی ہیں کہ جب سے گئے واپس نہیں آئے... سعید پوچھتا ہے کہ شہزادہ علی اکبرؑ و قاسمؑ کہاں گئے؟ فرماتی ہیں کہ وہ بھی گئے اور نہیں آئے؟ تو سعید عرض کرتا ہے کہ میرا نام کیسے جانتی ہیں آپ تو پردہ دار ہیں؟ تو عرض کرتی ہیں کہ

میں امام حسینؑ کی بہن ہوں..زہراؑ کی بیٹی ہوں، سعید پوچھتا ہے کہ اے بی بی! آپ میرا نام کیسے جانتی ہیں؟

فرماتی ہیں کہ ایک گھنٹہ ہوا ہے کہ میرا بھائی حسینؑ بار بار تیرا راہ دیکھتا تھا میں جب بھی پوچھتی تھی کہ تیرا کوئی نہیں آیا؟ تو مجھے بھیا کہتے تھے کہ ایک آرہا ہے، ابھی ہے تو بہت دور لیکن آئے گا ضرور...خدا جانے دیر کیوں ہوگئی ایک گھنٹہ انتظار کرتے رہے لیکن آپ کی آمد میں تاخیر ہوگئی اس لئے بھیا حسینؑ ہمیں الوداع کہہ کر میدان کی طرف چلے گئے ہیں، جاتے وقت مجھے کہا کہ سعید آئے گا اسے میرا اسلام کہنا۔

سعید عرض کرتا ہے امام کا کوئی نہیں رہا؟ فرماتی ہیں تک وتنہا اور اکیلے ہیں، سعید پوچھتا ہے امام کی کوئی خبر یا کوئی حالت بتائیں؟ تو بی بی عرض کرتی ہیں کہ امامؑ کو میدان میں گئے کافی دیر ہو چکی ہے، اور اب میں نے نعرہ تکبیر نہیں سنا پہلے جب بھی جاتے تھے نعرہ تکبیر لگاتے جس سے مجھے تسلی ہو جاتی تھی اب بہت دیر ہو چکی ہے میں نعرہ تکبیر نہیں سنا؟ سعید عرض کرتا ہے کہ میں گھوڑے کو آزاد کرتا ہوں اب گھوڑے پر سوار ہونے کا موقعہ نہیں کیونکہ شہسواران جتنے تھے وہ سب زمین کربلا پر سو چکے ہیں..اب جاتا ضرور ہوں آپ دعا کریں کہ خدمت کا وقت مل جائے۔

سعید اس وقت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچا کہ جب امام مظلومؑ کے گرد اشقیاً کا ہجوم تھا اور مارو مارو کی صدائیں بلند تھیں جب فوجیں ہٹیں تو دیکھا کہ امام قبضہ تلوار پر سر رکھ کر زخموں میں چور سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ کی تسبیح میں مشغول ہیں..سعید نے ساتھ ٹھہر کر کہا اَلسَّلامُ عَلَیکَ یَا اَبَا عَبدِاللّٰہ قبضہ تلوار سے پیشانی اُٹھا کر امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ سعید مجھے نانا کی امت نے اس نوبت پر پہنچا دیا ہے؟ تو نے آنے میں بہت تاخیر کی۔

میرا جوان بیٹا علی اکبرؑ برچھی کھا کر سو گیا..میرا قاسمؑ سو گیا..میرا بھائی غازی

دریا کے کنارے سو گیا..میرا چھ ماہ کا بیٹا بھی سو گیا..سعید میرا کوئی نہیں رہا تو نے دیر کر دی؟ سعید عرض کرتا ہے کہ وطن دور تھا گھوڑا دوڑا کر ابھی پہنچا کوئی خدمت اگر میرے لائق ہو تو بتائیں؟ امامؑ فرماتے ہیں کہ ان بے دینوں نے مجھے نماز پڑھنے کا موقعہ نہیں دیا اب تیری خدمت یہی ہے کہ تو میرے سامنے سینہ سپر ہو جا..اِن ملعونوں نے تیر روکنے نہیں تو یہ تیر مجھ سے روک لے تا کہ میں نماز ادا کر لوں؟ سعید اپنا سینہ تان کر فوج اشقیا کے سامنے ٹھہر گیا امامؑ نماز ادا کرتے رہے وہ اپنے سینہ کر تان کر رکا رہا جس طرف سے تیر آتا تھا وہ روک لیتا تھا.. بارہ تیر سعید کے سینے سے گزرے تیرھواں تیر دل پر جا لگا سعید کی آنکھیں بند ہونے لگیں..قدم لڑکھڑا گئے..اپنے آپ سے کہتا ہے کہ خدا کرے کہ امامؑ نے نماز پڑھ لی ہو، اتنے تک امامؑ نے سلام پڑھا، ادھر سعید کے قدم ڈگمگائے..سعید زمین پر آ رہا تھا آتے ہوئے سعید کا سر امامؑ نے ہاتھوں پر رکھا اور اپنی گودی کی زینت بنایا، امامؑ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ اے میرے پاکباز دوست...امامؑ نے اپنے زانو پر سعید کا سر رکھا، سعید کے مشام میں امامؑ کی امامت کی خوشبو پہنچی.سعید نے آنکھ کھولی دونوں ہاتھ بلند کر کے امامؑ کی پیشانی پر رکھ کر سعید نے عرض کیا مولا! اگر چہ دیر سے آیا ہوں میری خدمت تو قبول فرمائیں؟ امامؑ فرماتے ہیں کہ تیری خدمت قبول ہے تجھ پر میں راضی ہوں..میری بہن راضی ہے..میری ماں زہراؑ راضی..میرا بابا علیؑ راضی..تیرے کان سن رہے ہیں یا نہیں میری والدہ ماجدہ تجھے جنت سے پکار کر بیٹا کہہ رہی ہے اور بسم اللہ کہہ رہی ہے۔

سعید نے امام حسینؑ کے زانو پر آہِ سرد بھری..امامؑ فرماتے ہیں کہ آہِ سرد کیوں بھری؟ تو سعید کہنے لگا اسلئے کہ میرا سر بہت بلند مقام پر ہے میں اس جگہ کے لائق نہیں تھا..اس جگہ پر سر ہوتا تو علی اکبرؑ کا..اس جگہ سر ہوتا تو قاسمؑ کا..اس جگہ سر ہوتا عباسؑ کا..نوکر کہاں اور حسینؑ کی گود کہاں؟

امامؑ فرماتے ہیں کہ کوئی تکلیف تو سعید عرض کرتا ہے کہ مجھے سینے کے تیر تکلیف دے رہے ہیں..امامؑ نے اپنے ہاتھوں سے تیر نکالے، امامؑ نے بارہ تیر نکالے جو اطراف میں تھے جو تیر دل میں لگا تھا امامؑ نے بسم اللہ پڑھی اور اس تیر کو نکالنے کے لئے ہاتھ ڈالا اِدھر تیر باہر نکلا اُدھر سعید نے آخری ہچکی لی، سعید عرض کرتا ہے کہ اے مولا! آپ نے میرے تیر تو نکالے ہیں..میں حیران ہوں جب آپ کو تیر لگیں گے تو آپ کے تیر کون نکالے گا؟ بہنیں مجبور ہوں گی؟ امام سجادؑ بیمار ہیں؟ اصحاب شہید ہو چکے ہیں؟ یار و انصار دشتِ غربت میں خوابِ راحت سو چکے ہیں..بس غلام کا سلام قبول کریں۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْن

چونتیسویں مجلس

اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللہِ الْاِسْلَام

ارشادِ پروردگار ہے آپ کی زندگی کا دستور العمل میں نے تجویز کیا ہے جس کا نام اسلام ہے، جو تم سب تجویز کرو گے اس میں غلطیاں ہوں گی لیکن جو میں تجویز کروں گا اس میں کوئی غلطی کی گنجائش نہیں **عَسٰی أَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ عَسٰی أَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ** آپ کی تجویزیں ضروری نہیں کہ حق کے مطابق ہوں..کسی چیز کو تم محبوب سمجھو گے حقیقت میں وہ محبت کے قابل نہ ہوگی اور کسی شئے سے نفرت کرو گے لیکن درحقیقت وہ نفرت کے قابل نہ ہوگی، اسلئے جس چیز کی محبت کا میرا حبیب حکم دے اس سے محبت واجب اور جس چیز سے نفرت کا حکم دے اس سے نفرت واجب..پس محمد مصطفیٰ کے نقش قدم پر چلنے کا نام ہے اسلام۔

ہم شیعہ ایک ہاتھ میں محمد مصطفیٰ کا فرمان رکھتے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ کا قرآن رکھتے ہیں..اللہ کا قرآن ہے ہمارا دین اور محمدؐ کا فرمان ہے دین کی تفسیر..جو قرآن پر شک کرے اس کو ہم شیعہ بے ایمان سمجھتے ہیں اور جو محمدؐ کے فرمان پر شک کرے اس کو بھی بے ایمان سمجھتے ہیں۔

محمد مصطفیٰ کی جوانی و ضعیفی پر شک کرے تو بے ایمان..جنگ و صلح پر شک کرے تب بھی بے ایمان....محمدؐ جس مقام پر ہوں ان کا بیان شک سے بالاتر ہے، کوئی مدنی..مکی..مہاجر..انصار..شک کرے تب بھی بے ایمان..محمد مصطفیٰ کی تندرستی کے کلمات پر شک کرے تب بھی بے ایمان..کوئی بیماری پر شک کرے تب بھی بے ایمان؟

اس لئے کہ ہمارا دین ہے محمد مصطفیٰ کا کردار اوران کی گفتار..اگر یہ بھی مشکوک ہوتو دین کیا رہ گیا؟ جیسے محمد مصطفیٰ کے کلام پر شک کرنا جرم ہے ایسے ہی اللہ تعالی کے کلام پر شک کرنا جرم ہے..اللہ تعالی نے کلامُ اللہ المجید کو پڑھاتے ہی ہمیں یہ درس دیا اور حلف نامہ ہے **الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ** یہاں الف لام میم کے بارے میں مفسرین کے اقوال بہت ہیں کہ جن میں سے ایک قول اس کے معنی کے بارے یہ بھی ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ مجھے الف لام میم کی قسم اس کتاب جو کہ قرآن ہے اس میں شک نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کلام بھیجا تو حلفیہ بیان دے کر بھیجا..جبریل یہ قرآن محمد مصطفیٰ پر لے آیا تو جبریل نے پڑھ کر سنایا تو پہلے الفاظ تو اس نے بھی یہی استعمال کرنے تھے گویا جبریل نے محمد مصطفیٰ تک پہنچایا تب بھی الف لام میم کی قسم اُٹھا کر حلفیہ بیان کے بعد کہ اس کتاب میں شک نہیں..محمد مصطفیٰ نے تلاوت کی تب بھی پہلے یہی پڑھا کہ مجھے الف لام میم کی قسم اس کتاب میں شک نہیں..محمد مصطفیٰ کے سینے پر ہے تب بھی حلفیہ بیان ساتھ ہے..محمد مصطفیٰ کی زبان پر ہے تب بھی حلفیہ بیان ساتھ ہے۔

امام علیؑ سے امام مہدیؑ تک قرآن کو پڑھتے گئے اور ہر معصوم نے حلفیہ بیان دیا کہ اس کتاب میں شک نہیں..اسی لئے جب قرآن مسلمانوں سے خدا نے پڑھایا تو حلفیہ بیان پہلے لیا اور قرآن بعد میں پڑھایا پہلے کہا کہ پڑھو **الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ** پہلے حلف اٹھا کہ مجھے قسم ہے اس الف لام میم کی کہ اس کتاب میں شک نہیں ہے..جو آدمی بھی سارا قرآن پڑھ لے لیکن حلفیہ بیان نہ پڑھے اس کا سارا پڑھا بے فائدہ ہے، جو بندہ بھی اس حلفیہ بیان کے بعد قرآن پر شک کرے باقی مسلمان اس کو معاف کریں یا نہ کریں لیکن ہمارے عقیدہ کی بات ہے کہ جو بھی قرآن پر شک کرے وہ پکا اور حقیقی کافر و بے ایمان ہے۔

کتابوں میں قرآن شک سے بالاتر ہے اور حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے محمد مصطفیٰ اوران کی آل واولاد بھی شک سے بالاتر ہے..ہر کتاب ٹھکرائی جاسکتی ہے لیکن قرآن کوٹھکرانے والا کافر ہے، ہر بندے پر شک ہوسکتا ہے لیکن محمد وآلِ محمد کے فرمان کوٹھکرانے والا بےایمان ہے۔

قرآن کی تمام آیات مضمون کے اعتبار سے برابر نہیں لیکن ہمارا سب پر ایمان برابر ہے..ہمارا ایمان سب کیلئے برابر ہے..آیات میں سے بعض میں کفر کی تفصیل اور بعض میں ایمان کا بیان..بعض آیات میں حضرت موسیٰؑ کی تعریف بعض میں فرعون کی مذمت..بعض میں ملکوت کا ذکر اور بعض آیات میں ناسوت کا تذکرہ.. بعض میں حلال کی خبر بعض میں حرام کا ذکر..کسی مقام پر پاک کا تذکرہ کہیں پلید کا ذکر؟ لا رَطْبٍ وَلا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْن ہر خشک وتر کا بیان ہے قرآن میں، جس کو قرآن خشک کہے گا اس خشک کہیں گے..جسے تر کہے گا اُسے تر سمجھیں گے..جسے قرآن نے مومن کہا اُسے مومن کہیں گے..جسے قرآن نے کافر پکارا اُسے کافر کہیں گے..جسے قرآن نے کرّار کا خطاب دیا اُسے کرار کہیں گے اور جسے فرار کہا اُسے فرار کہیں گے۔

بیشک دنیا اِن باتوں کو برا مانے لیکن اگر ہمارے سامنے اس بات کو مطرح کیا گیا تو ہم کہیں گے کہ اگر مسئلہ ایسا ہے تو پہلے قرآن میں موجود چوتھے پارے کو قرآن سے نکالیں کیونکہ یہ سب باتیں ہمیں قرآن سے معلوم ہوئی ہیں وگرنہ پھر قرآن اور اہل تشیع کی کسی بات کو جو ہم کہیں ردّ نہ کریں؟

میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کو ایک داستان سناؤں کہ عراق کے پایہ سلطنت بغداد میں ہونے والے مناظرہ کی کیا کیفیت تھی؟

سلجوقی خاندان کا ایک نوجوان بادشاہ تھا جس کا تجربہ کار وزیر اعظم نظامُ الملک

تھا، ایک دن بادشاہ کے دربار میں ایک سید عالم دین داخل ہوا.. بادشاہ کو سلام کیا بادشاہ نے استقبال کیا، سید عالم نے پیاری اور سنجیدہ گفتگو سے اس بادشاہ کو متاثر کیا...سلجوقی خاندان کا وہ جوان شہزادہ اس عالم دین کی باتوں سے متاثر ہوا اور اعزاز واقبال کے ساتھ اس سید عالم کو روانہ کیا۔

جو وزرأ بیٹھے وہ سب جانتے تھے کہ یہ عالم دین شیعہ مسلک سے ہے جیسے ہی وہ عالم روانہ ہوا یہ وزرا اس کے بارے میں ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرنے لگے اور سید عالم پر ہِٹ کرنے لگے، بادشاہ بہت دانا تھا اس کی آنکھ کو ان کے اشارے کنائے معلوم ہو گئے اور سب کچھ اس کو پتہ چل گیا.. وزرأ سے کہنے لگا کہ میرے پاس جو شخص آیا بہت شریف النفس تھا جیسے ہی وہ گیا تم نے اشارے کرنا شروع کر دیئے بات کیا ہے؟ مجھے اس کی کوئی صحیح جوب دو؟ تو سب وزرأ کہنے لگے کہ جناب والا جس شخص کا آپ نے استقبال کیا یہ کافر تھا؟ بادشاہ نے کہا کہ یہ تو قرآن کی آیات کی تلاوت کرتا تھا.. کلمہ کا قائل تھا.. نماز کا قائل تھا اور تم کہتے ہو کافر؟ کہنے لگے کہ یہ رافضی تھا.. کافر تھا.. تو بادشاہ کہنے لگا کہ رافضی کون ہوتا ہے؟ جواب ملا کہ یہ خلافت ابوبکر اور عمر کا قائل نہ تھا اسلئے اس کے کفر میں کوئی شک باقی رہا گیا ہے؟

بادشاہ کہنے لگا کہ کلمہ پڑھنے کے باوجود بھی آیا کافر ہیں؟ کہنے لگے کہ کلمہ پڑھنے کے باوجود بھی کافر ہیں.. تو بادشاہ نے کہا کہ میرے نظام الملک وزیر کو بلاؤ تم نے تو مجھے شک میں ڈال دیا ہے؟ پھر بادشاہ نے نظامُ الملک سے کہا کہ ان لوگوں نے تو مجھے شک میں ڈال دیا ہے کیا تو مجھے بتلا سکتا ہے کہ یہ شیعہ کون ہیں؟ تو نظامُ الملک نے جواب دیا کہ مسلمانوں میں سے ایک فرقہ ہے جو شیعہ کہلاتا ہے، بادشاہ نے کہا کہ تو کہتا ہے کہ مسلمانوں کا فرقہ ہے اور یہ کہتے ہیں کہ کافر ہیں؟

نظامُ الملک کہنے لگا کہ ہمارے بعض علمأ اُنہیں کافر اور بعض مسلمان کہتے ہیں

اور میں بھی مسلمان کہتا ہوں چونکہ کلمہ پڑھتے ہیں.. نماز بھی پڑھتے ہیں.. حج بجالاتے ہیں.. روزہ رکھتے ہیں.. ہیں تو مسلمان۔

بادشاہ کہنے لگا کہ یہ کافر کیوں کہتے ہیں؟ تو نظامُ الملک کہنے لگا کہ چونکہ ان کے علماً کافر کہتے ہیں پھر بادشاہ نے پوچھا کہ ان کے علماً کیوں کافر کہتے ہیں؟ تو جواب ملا کہ اسلئے کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر کونہیں مانتے.. پھر بادشاہ نے دریافت کیا کہ یہ سب ہیں کتنے؟ تو نظامُ الملک نے جواب دیا کہ صحیح تعداد تو مجھے بھی معلوم نہیں لیکن تقریباً اور مسلمانوں کی نصف ہوں گے اگر باقی مسلمان ۱۰۰ ہوں تو یہ ۵۰ ہوں گے، تو اس کے بعد بادشاہ نظامُ الملک سے کہنے لگا ایسا کرو کہ فریقین کے علماً کو بلاؤ تا کہ وہ میرے سامنے بات چیت اور مناظرہ کریں... جب بات چیت ہوگی تو میں خود پرکھوں گا اور حق کو حق اور باطل کو باطل کروں گا اور اپنے ملک میں باطل کو نہ رہنے دوں گا؟

نظامُ الملک کہنے لگا کہ جناب یہ نہیں ہوسکتا.. نہ مجھ سے انتظام ہوسکتا ہے اور نہ آپ سے یہ مناظرہ؟ بادشاہ نے کہا کیا اس ساری مملکت کا سلطان میں نہیں؟ تو نظامُ الملک کہنے لگا کہ جناب آپ ہیں.. فوج میرے ماتحت.. خزانے سب میرے قبضے میں تو کیا میں یہ مناظرہ نہیں کرا سکتا؟ کیا یہ سب بندے میری رعایا نہیں؟ تو نظامُ الملک نے کہا کہ باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ رعایا میں بددلی پھیل جائے گی اور اتنی مخلوق کا کنٹرول کرنا مشکل ہے، تو بادشاہ کہنے لگا کہ اے نظامُ الملک میں اتنا کم عقل نہیں ہوں اگر ہمارے علماً دلیلوں کے سہارے سچے ہوجائیں اور شیعہ علماً جھوٹے ہوں تو پھر ہم انہیں دُور سے کافر نہ پکاریں گے بلکہ میں ایک ایک کی گردن اُتار دوں گا؟ آخر سلطان ہوں مجھے کوئی نہیں روک سکتا ہے میں فقط مذہب حق کو پھیلنے دوں گا اور باطل کو مٹا دوں گا۔

نظامُ الملک کہنے لگا کہ یہ سب ڈھیروں ہیں اِنہیں کیسے مارے گا؟ تو بادشاہ

کہنے لگا کہ ڈھیروں بھی مارے جاسکتے ہیں اور ساتھ ساتھ میرے پاس دوسرا حربہ بھی ہے وہ یہ کہ خزانہ پُر ہے اور اگر ہمارا مذہب سچا نکلا تو اُنہیں کہوں گا کہ عقل سے فیصلہ کرو اور سوچو کہ یہ مذہب سچا ہے اور اگر قبول نہ کیا تو پھر اُنہیں لالچ دوں گا..عہدہ دوں گا..دولت دوں گا..زمین دوں گا.تو پھر کوئی لالچ سے ہمارے مذہب کو مان لے گا اور کوئی خوف وڈر سے اور کوئی دیکھا دیکھی میں ہمارا ہم مذہب بن جائے گا باطل تو اصلاً نہ رہے گا اب بتا؟

نظام ُالملک کہنے لگا کہ جناب پھر بھی نہیں ہوسکتا؟ تو بادشاہ کہنے لگا کہ کیسے نہیں ہوسکتا؟ تو نظام ُالملک کہنے لگا کہ اگر ہم سچے ہو گئے تو پھر تو وہی باتیں ہوں گی جو کہ آپ نے بتائیں لیکن اگر سچے شیعہ ہو گئے تو پھر؟ بادشاہ کہنے لگا کہ کیا یہ بھی کوئی کرنے کی بات ہے؟ ہوں بھی شیعہ اور ہوں سچے؟ یہ تو ماننے کی بات بھی نہیں، یہ بھی کوئی کرنے کی بات ہے ساری دنیا نے اصحابِ ثلاثہ کو مان لیا اور اگر چند افراد نے قبول نہ کیا تو کیا کوئی بڑی بات ہے؟ ہمیشہ سچ اکثریت کے ساتھ ہوتا ہے ان کی سچائی کی بات بھی نہ کر.. ہمارے مذہب میں کتابیں ہیں..علمأ ہیں..راوی ہیں ..صحابی ہیں..یہ چند نفر جو دین سے ہٹ چکے ہیں کیا یہ سچے ہوسکتے ہیں؟

نظام ُالملک کہنے لگا کہ بادشاہ سلامت مجھے اس بات کا بڑا ڈر ہے شیعہ سچے ہوجائیں گے.. بادشاہ کہنے لگا کہ وہ کہاں سچے ہوجائیں گے جب کہ قرآن وحدیث ہمارے ساتھ ہے....نظام ُالملک کہنے لگا یہی قرآن ان کے ساتھ ہو جائے گا تو پھر کیا کرے گا اور اگر حدیث بھی ان کے حق میں ہو جائے تو؟ ان کے پاس عقلی دلائل بھی ہیں منطق دلائل بھی ہیں قرآن کی آیات بھی ہیں وہ تو ہوجائیں گے سچے اور تیرے علمأ کے پاس جواب نہ ہوگا تو پھر کیا کرے گا؟ اور اس وقت کیا علاج کرے گا؟ اقلیت کی تو گردنیں اُڑا دے گا اس اکثریت کا کیا کرے گا؟ بادشاہ

کہنے لگا کہ میں ان باتوں کو تسلیم نہیں کرتا..نظام الملک کہنے لگا کہ اگر بات میدان میں آ گئی تو تجھے تسلیم کرنی پڑے گی.. بادشاہ کہنے لگا کہ پہلے تو میں مناظرہ کرانے سے ہٹ جاتا لیکن کیونکہ تیری ان باتوں نے مجھے بہت شک وشبہ میں ڈال دیا ہے اب میں مناظرہ ضرور کراؤں گا میں سچ اور جھوٹ کو دیکھ کے رہوں گا۔

مجھے خداوند نے بخت..تخت..خزانے اور سب کچھ دیا ہے کیا مجھ پر شکر کرنا واجب نہیں؟ نظامُ الملک کہنے لگا کہ شکر واجب ہے، تو بادشاہ نے کہا کہ پھر اس سے بڑھ کر شکر ہے بھی نہیں کہ اللہ کی گمراہ مخلوق میری اس تجویز سے ہدایت پر آ جائے یہ اللہ کا شکر نہیں تو کیا ہے؟ دیر نہ کر اب میرا آرڈر ہے..تو نظامُ الملک کہنے لگا کہ مجھے شک ہے تو بادشاہ نے کیا کہ پھر دیر نہ کر اب ایک مہینے کی مہلت دے تو بادشاہ کہنے لگا کہ بالکل غلط جا اور پندرہ دن میں پروگرام مکمل کرو اور بندوبست صحیح انجام اور علمأ کو دعوت دو اور اس مدرسہ نظامیہ میں یہ مناظرہ انجام ہوگا (نظامُ الملک نے مدرسہ نظامیہ بنایا تھا جو بغداد میں ہے) دن بھی مقرر ہو گئے اور شرائط بھی تجویز ہو گئیں بادشاہ کی طرف سے شرائط یہ تھیں:

- ۲۴ گھنٹے مناظرہ رہے گا.
- فریقین میں سے کسی بندے کو میں نہ نکلنے دوں گا.
- جب تک بات صفائی سے نہ ہوگی میں مناظرہ ختم نہ ہونے دوں گا.
- نماز..کھانا..تھوڑا سا آرام یہ وقفہ ہوگا باقی دن رات مناظرہ رہے گا.
- جن کتابوں کا حوالہ ہوگا وہ مستند ہوں گی سنی سنائی کوئی بات نہ ہوگی.
- اُوچھا لہجہ استعمال نہ ہوگا اور مہذب گفتگو ہوگی.

فریقین آ گئے...نظامُ الملک نے گفتگو شروع کی کہ اُوچھا لہجہ استعمال کوئی نہ کرے..صحابہ کو کوئی برا بھلا نہ کہے..کتاب کا حوالہ غلط نہ ہو اور بیان میں کوئی ترشی

نہ ہو؟ دس علمائے غیر شیعہ اور دس علمائے شیعہ، علمائے غیر شیعہ میں مناظر عباسی تھا جس کا تعلق خاندانِ عباسیہ سے تھا اور علمائے شیعہ میں مناظر سید علوی تھا۔

عباسی نے بادشاہ سے کہا کہ یہ قوم کوئی مناظرہ کی اہلیت وصلاحیت رکھتی ہے؟ اور کہنے لگا کہ جو افراد صحابہ کو سبّ کرتے ہیں کیا اُن کے ساتھ کلام روا ہے؟

تو شیعہ مناظر کہنے لگے کہ درست بات کر اور یہ بتا کہ سبّ کون کرتا ہے؟

عباسی کہنے لگا کہ تم شیعہ حضرات سبّ کرتے ہو۔

علوی کہنے لگا کہ غلط الزام نہ لگا..شیعہ سبّ نہیں کرتے لیکن بالفرض بھی قبول کر لیں تو جب رسول اکرمؐ بھی یہی سبّ کرتے ہوں تو؟ شیعہ سچے ہیں یا جھوٹے؟

عباسی کہنے لگا کہ رسول اکرمؐ نے سبّ نہیں کیا؟

علوی کہنے لگا کہ باقی کسی پر رسول اکرمؐ نے سبّ کیا ہے یا نہیں حضرت ابوبکر اور خلیفہ ثانی رسولِ اکرمؐ کے سبّ سے محفوظ نہ رہ سکے..ان دونوں کو نامزد کر کے رسول سے سبّ کیا۔

عباسی کہنے لگا کہ میں کیسے مانوں؟

علوی کہنے لگے کہ پیغمبر اکرمؐ نے بیماری کے دوران اُسامہ کو فوج دے کر حضرت ابوبکر وحضرت عمر کو حکم دیا کہ تم دونوں نے اسامہ کے زیر سرکردگی جنگ کرو جب تک میرا دوسرا حکم صادر نہ ہو کوئی جنگ سے واپس آیا تو میرے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ناپسند ہے ابھی تک یہ جنگی قافلہ مدینے سے ایک منزل تک گیا تھا اور محاذ پر نہ پہنچا تھا تو کوئی اور واپس آیا یا نہیں یہ دونوں واپس آ گئے تھے...تو اس وقت پیغمبر آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے جو تم دونوں سے یہ کہا تھا کہ جو واپسی لوٹے گا اس پر اللہ اور رسول کی ناراضگی ہو گی کہنے لگے کہ جناب فقط آپ کی تکلیف کے بارے میں سنا تو واپس لوٹ آئے، تو آپؐ نے دوبارہ فرمایا کہ جو بھی اسامہ کے لشکر

سے روگردانی کرے اس پر سے میری ناراضگی نہیں ٹلتی .....پھر نہ رسولؐ نے یہ ناراضگی واپس کی اور نہ وہ دونوں واپس محاذ پر گئے، رسول کی ناراضگی آج تک قائم ہے تو پھر بتا کہ رسول اکرمؐ کی سنت پر جو عمل کرے وہ مسلمان یا عمل نہ کرنے والا مسلمان؟ اگر عمل کرنے والا مسلمان ہے تو ہم شیعہ مسلمان ہیں اور جو فرد اُن دونوں کے عمل کو درست قرار دے کہ وہ دونوں اپنے عمل میں ٹھیک تھے تو اس نے رسول اکرمؐ کی سنت کو جھٹلایا..اب سوچ کے بتلا کہ حضورؐ کی سنت پر میں نے عمل کیا یا تو نے؟

پسینہ جاری ہو گیا عباسی کو جب بادشاہ نے دیکھا کہ عباسی پسینے سے شرابور ہو رہا ہے تو دل میں کہنے لگا کہ اس کو تو کچھ آتا نہیں..پھر نظامُ الملک سے کہنے لگا کہ اس کو تو پتہ نہیں چلتا تو خود بتا کہ یہ شیعہ عالم سچ کہہ رہا ہے؟ تو نظامُ الملک کہنے لگا کہ جناب ہماری کتابوں میں تو ایسا ہی لکھا ہے جیسا کہ یہ شیعہ عالم بیان کر رہا ہے، تو بادشاہ کہنے لگا کہ پھر ہم کیوں ان شیخین کی عزت کرتے ہیں؟ نظامُ الملک کہنے لگا کہ بادشاہ سلامت عزت کرنی پڑتی ہے.. بادشاہ کہنے لگا کس لئے؟ کیا ہمارا دین رسول کا دین نہیں؟ نظامُ الملک کہنے لگا کہ رسول کا دین ہے لیکن بات یہ ہے کہ پھر ہمیں بھی لوگ رافضی پکارنا شروع ہو جائیں گے؟ بادشاہ دونوں علماٗ سے کہنے لگا کہ یہ مسئلہ تو میری سمجھ آ چکا ہے اور ذہن نشین ہو چکا ہے اب کوئی اور بات چھیڑو؟

تو علوی کہنے لگا کہ ابھی تک اس مسئلے کی ایک جزء باقی ہے وہ یہ کہ اے عباسی جو شخص صحابہ پر سبّ کرے وہ تو کافر ہے نا؟

عباسی کہنے لگا کہ بالکل کافر ہے۔

علوی کہنے لگا یہ بتا کہ حضرت علیؑ رسول اکرمؐ کے صحابی تھے یا نہیں؟

عباسی کہنے لگا کہ رسول اکرمؐ کے صحابی تھے۔

علوی کہنے لگا کہ اگر آپ سب اہل سنت کی کتابیں یہ گواہی دیں کہ امیر شام

پورے ۴۰ سال حضرت علیؑ کو برا بھلا کہتا رہا تو پھر؟ پہلے امیر شام کو کافر کہنے کی جرأت رکھتا ہے تو کافر کہہ؟

عباسی کہنے لگا کہ ہمارے بزرگ جب کافر نہ کہتے تھے ہم کیسے کہیں؟ تو بادشاہ نے کہا اب کوئی اور مسئلہ زیر بحث لاؤ؟

عباسی کہنے لگا کہ جناب سارے علمأ ہمارے مذہب کے صحابہ کی عزت کرتے ہیں اور یہ لوگ صحابہ کی عزت تو بجائے خود اُنہیں خلیفہ ومسلمان ہی نہیں سمجھتے؟

تو بادشاہ نے علوی سے جواب دریافت کیا کہ تو بتا اس کا جواب کیا ہے؟

علوی نے جواب دیا کہ جناب سارے علمأ عزت نہیں کرتے بلکہ فقط یہی عزت کرتے ہیں..تو مسئلہ یہ ہے کہ پہلے خلافت کی بات سن اے عباسی! حضرت عثمان کو خلافت ملی اسلیئے کہ حضرت عمر نے خلیفہ بنایا اور حضرت عمر نے چھ افراد کو چنا تھا جن میں سے تین ایک طرف اور تین ایک طرف اور خلیفہ سوم تین کا بلکہ دو کا چنا ہوا ہے کیونکہ تیسرا تو خود حضرت عثمان ہے....ساری امت مسلمہ میں سے فقط دو نفر کے انتخاب سے خلیفہ سوم منتخب ہوا، اور ہم اس انتخاب کو بھی تسلیم کر لیتے اگر خود حضرت عمر کا انتخاب صحیح طریقے سے ہوا ہوتا؟ اور حضرت عمر کو چنا ہے حضرت ابوبکر نے بلکہ نامزد کیا خلافت کیلیئے، اور حضرت عمر کی خلافت کو ہم درست تب مانیں گے جب حضرت ابوبکر کی خلافت پر کوئی نص موجود ہو، حضرت ابوبکر خلیفہ بنا ہے حضرت عمر کے زور پر، پس نہ حضرت ابوبکر کی خلافت صحیح نہ حضرت عمر کی اور نہ ہی حضرت عثمان کی؟ کیونکہ ان کی خلافت کے بارے میں نہ قرآن نے بتایا نہ حضورؐ نے فرمایا اور نہ ہی کوئی نص موجود ہے اور نہ ہی پیغمبر کے تمام صحابہ قائل ہیں میں کیسے مانوں؟ ادھر سے آپ کا یہ فتویٰ ہے کہ جو نبی پر شک کرے وہ کافر ہے تو صلح حدیبہ پڑھ کر مسلمانوں کو سنا کہ جو حضورؐ کی نبوت پر شک کرے کیا وہ بھی مسلمان رہ سکتا ہے؟

عباسی چپ ہو گیا بادشاہ کہنے لگا کہ یہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی اور نظامُ الملک سے کہنے لگا کہ میں نے تو عباسی کو بہت بڑا عالم سمجھا تھا لیکن یہ تو رسول کی نبوت کو بھی نہیں مانتا؟ نظامُ الملک کہنے لگا کہ مجھے پہلے اسی بات کا تو خطرہ تھا کہ جس کے باعث میں مناظرہ کرانے سے ڈرتا تھا، تو اس وقت بادشاہ نے یہ بات بہ بانگ دہل کہی کہ اے درباریو! میں آج تک باطل پر تھا اور آج مجھے یقین حاصل ہو چکا ہے کہ حضرت علیؑ حق کے امام ہیں۔

میں ایک جگہ گیا تو وہاں ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا کہ شیعہ مذہب کے صداقت کی دلیل کیا ہے؟ تو میں نے اسے جواب دیا کہ عقل کی کسوٹی پر پرکھ کے دیکھ حضرت علیؑ حق ہے.. اس نے کہا کہ مجھے سمجھائیں؟ تو میں نے اسے کہا کہ رسولؐ کے بعد جھگڑا فقط دو افراد پر ہے ایک وہ کہ رسولؐ کے بعد جس کے سر پر خلافت کی دستار تم نے رکھی اور ایک وہ کہ رسول کے بعد جس کے سر پر دستارِ خلافت اللہ تعالیٰ نے رکھی.... ہم دستار رکھنے والے نہیں بلکہ ماننے والے ہیں کہ دستارِ رسول اکرمؐ نے بفرمانِ خدا رکھی۔

اب میں تجھ سے یہ پوچھتا ہوں کہ مذہب شک کا نام ہے یا یقین کا؟ تو کہنے لگا کہ شک تو کوئی شئے بھی نہیں مذہب تو یقین کا نام ہے.. میں نے کہا کہ اگر مذہب یقین کا نام ہے تو فیصلہ تیرا اپنا اور میری اس بات کو سن کہ جس کے سر پر رسول کی دستار کو تم نے رکھا اس کو آج تک بلکہ قیامت تک یقین حاصل نہیں ہوسکتا کہ میں اس دستار کا حقدار بھی ہوں؟ اور جس کے سر پر دستار اللہ تعالیٰ نے رکھی ہمیں یقین ہے کہ اس دستار کا وارث اور حقدار یہی ہے اور میں اور ساری قوم شیعہ قسم اٹھا کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ حق ہے... قسَم ہوتی ہے تب جس وقت یقین ہو شک پر تو قسَم نہیں اٹھائی جاتی، ہم ہر جگہ قسَم اُٹھا کر یہ گواہی دیں گے کہ حضرت علیؑ کے حق

ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں.. مسجد میں جا کر کہیں گے کہ علیؑ حق ہے.. علَم عباسؑ کو پکڑ کر قسم اُٹھا کر کہیں گے کہ علیؑ حق ہے.. ضریحِ امام حسینؑ میں ہاتھ ڈال کر قسم اٹھا کر کہیں گے علیؑ حق ہے.. روضہ رسول پر جا کر ضریح میں ہاتھ ڈال کر قسم اُٹھا کر کہیں گے کہ علیؑ حق ہے.. اور اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو بیتُ اللہ جا کر اور خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا موقعہ ملا تو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر قرآن کو سر پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے جبریل کو حاضر کر کے محمد مصطفیٰ کی روح کو گواہ کر کے یہ قسم اُٹھائیں گے کہ قرآن گواہ.. رسول گواہ.. کعبہ گواہ.. اور خدا گواہ علیؑ حق ہے۔

حضرت علیؑ کے حق ہونے کیلئے اس سے بیشتر میں اور کیا دلائل پیش کروں؟ میں اگر بخاری شریف کی حدیثوں کو پڑھنا شروع کروں تو اگر حدیثیں تیرے مطلب کی نہ ہوں گی تو بخاری کو ماننے سے انکار کر دے گا اور اگر تو کافی شریف کی حدیث کو پڑھے اور میرے مطلب کی نہ ہو تو میں اس کے ماننے سے انکار کروں گا میں تو وہ بات کروں گا کہ جو حقیقت ہو کہ ہر قسم اُٹھا کر میں کہتا ہوں کہ علیؑ حق ہے مجھے یقین ہے تبھی قسم اُٹھاتا ہوں اگر یقین نہ ہوتا تو قسم کس لئے اٹھاتا؟

اگر یکطرفہ قسم ہو تو کوئی فائدہ نہیں رکھتی... ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ کسی سیدزادہ کے بارے میں میں کہوں کہ یہ سید ہیں اور آلِ زہرا سے ہیں اور ان کا اِسی وجہ سے احترام و ادب کرتا ہوں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اگر میں اُنہیں سید پکارتا ہوں تو فائدہ تب ہے کہ وہ بھی کہے کہ واقعاً میں سید ہوں، لیکن اگر میں کہوں کہ شاہ صاحب اور وہ کہے کہ میں سید نہیں بلکہ غیر سید ہوں.. تو یہ میرا یقین کہ وہ سید ہے کس فائدہ کا؟ کیونکہ یکطرفہ تھا اور اگر وہ شخص بھی کہتا کہ جی ہاں میں سید ہوں تو اس وقت میرے اس یقین کا فائدہ تھا اس وقت میرا یقین حقیقی ہوتا۔

مثال دیگر یہ کہ ساری قوم و رشتہ دار تھانے میں جا کر کسی شخص کے بارے میں

گواہی دیں کہ یہ بے جرم ہے اس شخص کا جرم سے ناطہ ورشتہ بھی نہیں بہت نیک وشریف ہے..لیکن ان کے اس یقین کا فائدہ تب ہے کہ وہ شخص بھی کہے کہ میں بے جرم ہوں اوراگر وہ کہے کہ میں مجرم ہوں تب اُن سب کی گواہی بے سود ہوگی اورساتھ ساتھ ان سب کی توہین وبے عزتی کہ جھوٹے شخص کی گواہی دینے آئے؟

ہم جس کی قَسم اٹھائیں وہ خود بھی تو قسم اٹھا کر ہماری بات کی تائید کرے، میں اگر قَسم اٹھاتا ہوں کہ خدا ایک ہے تو دوطرفہ قسم ہے اسلئے کہ وہ بھی کہتا ہے قسم اُٹھاکر کہ میں ایک ہوں..میں قَسم اٹھاتا ہوں کہ محمد سلطان الانبیاءؑ ہیں وہ بھی قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ میں نبیوں کا سلطان ہوں اوراسی طرح میں قَسم اُٹھاکر کہتا ہوں کہ علیؑ حق ہے اورعلیؑ بھی قسم کھاکر فرماتے ہیں کہ میں حق ہوں ہماراحق تو ہوگیا بے شک۔

فقط علیؑ نے قسم نہیں اٹھائی بلکہ رسول اکرمؐ نے بھی علیؑ کے حق ہونے کی قسم اٹھائی اوراللہ تعالیٰ نے بھی قسم اٹھائی..جبریل بھی کہتا ہے کہ علیؑ حق ہے..زہراؑ بھی کہتی ہیں علیؑ حق ہے..منبر پر چڑھ کر علیؑ بھی یہ قَسم اُٹھاکر فرماتے ہیں کہ مجھے قَسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے میں حق ہوں، اب ہماراحق تو ہوگیا بمنزلہ یقین...اب تو بتا کہ جس کے سر پر رسول اکرمؐ کے بعد دستار تم لوگوں نے رکھی نہ تو تم لوگ اس کی حقانیت وحق ہونے کی قسم اُٹھاسکتے ہواورنہ ہی وہ خود اس بات کی قَسم اٹھاسکتا ہے؟ کیونکہ تم کو آج تک شک ہے کہ وہ حق ہے یانہیں، لیکن مجھے قیامت تک یقین ہے کہ علیؑ حق ہے..اب بتا کہ تم حق پر ہواور تمہارا مذہب حق ہے یاکہ مذہب شیعہ؟ جب اس سے جواب نہ بن سکا تو کہنے لگا اگر شک ہوتا تو پھراپنے مذہب سے ہٹ نہ جاتے؟ اورخلیفہ ماننے سے انکاری نہ ہوتے؟

تو میں نے انہیں کہا کہ کیا فقط میرے ساتھ گفتگو کررہے ہیں یااپنے دل سے بھی بات کررہے ہیں؟ کیونکہ اگر میں کسی اور سے بات کروں تو نتیجہ اور ہے..اور

اگر اپنے دل سے بات کروں تو نتیجہ اور، مثال عرض کرتا ہوں کہ میری جیب میں اگر سفید کاغذ ہو میں آپ سے کہتا ہوں کہ یہ ہزار روپے کا نوٹ ہے تو کیا آپ اسے تسلیم کرلیں گے تو وہ کہنے لگا کہ کیوں نہیں آپ کی بات کو میں کیونکر ٹھکراؤں گا آپ تو عالم.. مجتہد اور مفسر ہیں.. آپ کے سر پر عمامہ ہے حتماً تسلیم کروں گا، تو میں نے اسے جواب دیا کہ جتنا بھی میں آپ سے کہوں گا کہ یہ ہزار روپے کا نوٹ ہے اور آپ مان بھی جائیں گے کیا میں یہی بات اپنے دل سے کہوں تو وہ بھی مان جائے گا؟ وہ تو نہیں مانے گا وہ کہے گا کہ یہ سفید کاغذ ہے میں اسے کیسے ہزار کا نوٹ کہوں؟ تو اے صاحب! دوسرے کے ساتھ بات کرنا تو بہت آسان ہے لیکن ایمان سے بتائیں کہ خلیفہ اوّل کے سر پر جو آپ نے رسول اکرمؐ کی دستار کو رکھا کیا یہ واقعی حقدار تھا؟ آپ کے سب علمأ.. رشتہ دار.. ہم مذہب کہیں گے کہ واقعی حقدارِ خلافت تھا لیکن آپ خود اپنے دل میں بتائیں کہ کیا واقعاً حقدار تھا؟ آپ کا دل کیا جواب دے گا کیا مان جائے گا؟ کہنے لگا کہ علامہ صاحب واقعاً آپ کے استدلال و دلیل میں کوئی کمی نہیں... لیکن اس کے بعد کوئی اور بات نہ کرسکا؟

تو میں نے کہا کہ تو کیسے قسم اُٹھا کر کہے سکتا ہے کہ وہ واقعی حقدار تھا؟ جبکہ اس کی خلافت کی قسم تو خلیفہ ثانی بھی نہیں دے سکتا تو تو چودہ سو سال بعد اس دنیا میں آیا ہے؟ بلکہ اس خلیفہ اوّل کی خلافت کے بارے میں خلیفہ ثانی نے کہا تھا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اِنَّ بَیْعَةَ أَبِیْ بَکْرٍ کَانَتْ فَلْتَةً وَ کَلَّاہُ شَرَّھَا حضرت ابوبکر کی خلافت ایک فراڈ تھا جو چل نکلا اور آگے اس کے الفاظ ہیں کہ اب اگر کوئی ایسا فراڈ کرے گا تو وہ واجب القتل ہوگا؟

حالانکہ خود خلیفہ ثانی نے بھی یہی فراڈ کیا تھا کہ وہ جانتا تھا میں نے بھی فراڈ کیا ہے لیکن کیونکہ حکومت میرے ہاتھ میں ہے میں تو قتل نہیں ہوسکتا، جناب صاحب

جس نے پہلے دن اس کے ہاتھ پر بیعت کی وہ بھی اس کی قسم نہیں دے سکتا تو کیا قسَم دے سکتا ہے؟ اور خلیفہ ثانی تو بجائے خود خلیفہ اوّل کہ جس نے وہ دستار سر پر رکھی وہ بھی قسم نہیں دے سکتا کہ میں واقعاً مقدر تھا اس کی اَڑھائی سال کی حکومت کے پہلے دن تقریر بھی پڑھو اور اس کے آخری دن کا مطالعہ بھی کرو۔

تاریخ الخلفائ میں علامہ جلال الدین سیوطی یوں لکھتے ہیں کہ پہلے دن جب تخت پر بیٹھا تو ایک بیان جاری کیا کہ تمہارے درمیان علیؑ بھی موجود ہے لیکن پھر بھی تم لوگوں نے دستار میرے سر پر رکھ دی ہے؟ میں بیان دے رہا ہوں کہ میں اس دستار کا حقدار نہیں ہوں...وہ کہتا ہے کہ اس دستار کا حقدار میں نہیں یہ اس کا پہلے دن کا بیان ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ میرے ساتھ ایک شیطان ہے یہ تاریخ الخلفائ میں خطبہ ہے خلیفہ اوّل کا کہ ایک شیطان مخصوص میرے ساتھ ہے کہ کبھی کبھی رسول اکرمؐ کی باتیں سنتا ہوں اور کبھی کبھی اس کے اقوال کو سنتا ہوں اور اگر میں کوئی بات صحیح کروں تو میری بات کو مان لینا اور اگر میں کوئی بات الٹی کر بیٹھوں تو مجھے اس بات کو سمجھانا؟

اے مسلمان تو نے تو لکھ دیا کہ وہ صدیق تھا اور ہم نے اس کی بات کو مان لیا کہ واقعاً یہ بات صحیح کہی کہ کبھی سچی باتیں کرتا ہوں اور کبھی الٹی سیدھی اور جب الٹی سیدھی کروں تو مجھے سمجھا دینا.....ہماری قوم شیعہ کا فقط یہی قصور ہے کہ اس کی غلط باتیں جو اس نے کہیں یا غلط افعال جو انجام دیئے ان کے بارے میں اُسے کہتے ہیں اس کے اپنے کہنے پر؟

ہم شیعہ کہتے ہیں کہ بتولؑ کا حق غصب کر کے بہت برا کیا..علیؑ کی خلافت غصب کر کے برا کیا..تیرے زمانے میں بتولؑ روتی ہوئی دار فانی سے دار لقا کی طرف گئیں یہ برا کیا ہے..اور اگر تم نے یہ برے کا انجام نہ دیئے ہوتے تو آج

شیعوں کے سر پر سے یہ دستار نہ اُتری ہوتی..آج بتولؑ کے بال کھلے نہ ہوتے..آج زینبؑ خاتون جنگلوں میں نہ روتی..آج رباب دھوپ پر نہ بیٹھی..حسینؑ کے جوان بیٹے کو برچھی کا وار نہ ہوتا..حسینؑ کے ۶ ماہ کے بیٹے کو تیر جفا نہ لگتا؟

خلیفہ اوّل یہ سارا تیرا قصور ہے.... نہ تو بتولؑ پر ظلم کا دروازہ کھلتا نہ رسول اکرمؐ کی آلِ عبا پر مصائب آتے؟ تو نے پہلا قدم اٹھایا اور تیرے ماننے والوں نے آخر تک پہنچایا...تو نے بتولؑ کو دربار میں نہ رُلایا ہوتا تو بناتِ رسولؐ درباروں اور بازاروں میں نہ رُلائی جاتیں؟ تو نے محسنؑ کو شہید نہ کر دیا ہوتا تو حسینؑ شہید نہ ہوتے؟ تو نے علیؑ کا حق غصب نہ کیا ہوتا تو زینبؑ وکلثومؑ کی چادریں نہ لوٹی جاتیں؟ تیری خلافت میں بتولؑ پر تازیانہ نہ چلتا تو شمر سکینہ کو طمانچہ نہ مارتا؟ یہ سب خلیفہ اوّل کی غلطیاں ہیں کہ خود اس نے کہا کہ اگر غلطیاں کروں تو اعتراض کرنے کا حق ہے، ہماری کیا مجال کہ ہم تمام غلطیوں کو بیان کر سکیں؟

جس شخص کو رسول اکرمؐ کی آلِ عبا کا خیال نہیں تو اس کی غلطی پر پردہ ڈالنا بھی جرم ہے..دنیا چاہے جتنا اصحاب کی توہین کو جرم کہے میں کہوں گا اگر صحابہ کی توہین جرم ہے تو بتول کی توہین بھی جرم ہے؟ پہلے وہ مجرم تلاش کرو کہ جس نے رسول اکرمؐ کے گھر میں آگ جلائی... پہلے اس مجرم کو تلاش کرو کہ جس نے قرآن کو جلایا..پہلے اس مجرم کی جستجو کرو کہ جس نے رسول اکرمؐ کے چھوٹے بچے رُلا دیئے؟

کتنے گھنٹے بہ حالت قیام بتولؑ دربار میں کھڑی رہی؟ تاریخیں بیان کرتی ہیں کہ کبھی بایاں پاؤں بلند کرتی اور کبھی دایاں پاؤں؟ کسی نے یہ نہیں کہا زہراؑ تھک چکی ہو بیٹھ جاؤ...ہمیں اپنا درد نہیں بلکہ حضورؐ کی آل کا درد ہے۔

مسلمان ہوش کر جو ظلم بھی نبی کی آل پر ہوئے وہ تیرے چھپانے سے چھپ نہیں سکتے..حضرت زہراؑ پر ظلم وتشدد کے پہاڑ گرائے گئے تو محسن کے شہید ہونے

کے بعد جب حضرت علیؑ کو بے دینوں نے بیعت کیلئے لے جانے کا ارادہ کیا تو بی بی نے تیزی سے حضرت علیؑ کی عبا میں ہاتھ ڈال دیا اور فرمایا مسلمانو! علیؑ کو نہ لے جاؤ تو اب کیا ہوا ایک سنگدل پولیس آفیسر نے قنفذ غلام سے تازیانہ کو بلند کرنے کا آرڈر دیا اور کہا کہ کیوں دیکھ رہا ہے جلدی کر تازیانہ بلند کر کے بتولؑ کے ہاتھ کو چھڑا؟ بی بی نے فرمایا کہ خَلُّوْ عَنْ اِبْنِ عَمِّی کہ میرا اور میرے شوہر کا کیا قصور ہے؟ ہمیں چھوڑ دو..فدک بھی غصب کر لی..میرا محسن بھی شہید کر دیا..اب ہمیں گھر پر رہنے سے بھی روکتے ہو؟

یہ بہت افراد فقط یہودی نہیں بلکہ وہ ہیں کہ جو کل تک حضرت خدیجہ کی روٹی کھا کر جیتے تھے جب بھوکے تھے تو ماں کے سخاوت بھرے دستر خوان سے روٹی کھاتے رہے اور جب سیر ہو چکے تو بیٹی پر مصائب کی حد کر دی؟ قنفذ نے تازیانہ بلند کیا اس کے بعد میں اتنا عرض کروں گا کہ بتولؑ کی چیخ نکلی مجبوراً ہاتھ چھوٹ گیا...یہ وہی مقام ہے جس سے غسل کے وقت قمیص جدا نہ ہوتی تھی؟ امّ ایمن نے رو کر پوچھا یا علیؑ کیا حضرت زہراؑ جیسی بنت پیغمبر کے فراق پر گریہ کر رہے ہیں؟ فرمایا اے امّ ایمن! بتولؑ کو غسل دینا ہے اور قمیص تن سے جدا نہیں ہوتی؟ خدا جانے بتول نے یہ دکھ کیسے سہے ہوں گے؟

اے مسلمان! تو کہتا ہے کہ کون نہیں مانتا؟ اگر سب اِنہیں مانتے ہوتے تو کیا رسول اکرمؐ کی بیٹی ایسے گریہ اور آہ وبقا سے دنیا کو الوداع کرتی؟ ایک تو دروازہ کے گرنے کا صدمہ..دوسرا محسن کے شہید ہونے کا ارمان..تیسری تازیانے کی دھمکی؟

آج تک بتولؑ معظّمہ کی قبر میں گریہ زاری ختم نہیں ہوئی...شب ہفتم محرم کو اب فرات کا پانی سادات آلِ زہراؑ پر بند ہوا..بچوں اور بڑوں نے جو پانی پینا تھا وہ پی لیا، عصر کے وقت خیام کو پیچھے ہٹانے کا حکم ملا حضرت عباسؑ علمدار کو..تو حضرت

عباسؑ کے تیور بدلے..امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ بھیا عباسؑ صبر سے کام لو؟ تو حضرت عباسؑ عرض کرتے ہیں کہ مولاؑ کب تک صبر؟ میں بتول معظّمہ کی بتول زادیوں کی گریہ زاریاں اور دردوالم کی یہ فریادیں کب تک سن کر تحمل کروں گا؟ مولاؑ ایسا کریں کہ ایک بار آپ اندر تشریف لے جائیں میں ان ظالموں سے پوچھ تو لوں کہ خیموں کو کیسے ہٹایا جاتا ہے؟

حضرت امام حسینؑ مصروف گریہ ہوئے تو بہن نے سوال کیا کہ برادر کس نے رُلایا عباسؑ کی زندگی میں؟ میرے بھیا عباسؑ بڑے وفادار ہیں، اے ماں فضہ عباسؑ کو بلا لاؤ.. جناب فضہ کی ردا پر حضرت عباسؑ کی نگاہ پڑی تو دل کانپ اُٹھا جناب فضہ نے بآواز بلند کہا کہ عباسؑ اِدھر آؤ؟ کانپتے پیروں سے درِ خیمہ کے قریب جا کر دریافت کیا؟ جناب فضہ کہنے لگی کہ بی بی زینب عالیہؑ آپ کو بلا رہی ہیں..تو حضرت عباسؑ کہتے ہیں کہ میری مخدومہ سے کہو مجھے ان اشقیاؑ سے پوچھنے تو دے تاکہ دوبارہ آپ کے خیام کے ہٹانے کا تو کوئی نہ کہے؟

جناب فضہ نے واپس آ کر بی بی کی خدمت میں پیغام پہنچایا تو فرماتی ہیں کہ اے فضہ! میرے بھائی سے کہہ دے کہ تو خیمہ میں آتا ہے یا برقعہ پہن کر میں خیمے سے باہر قدم رکھوں؟ جس وقت حضرت عباسؑ کو یہ پیغام ملا تو تلوار ہاتھ سے گر پڑی..عمامہ کے پیچ کھل گئے..اور خیام میں آ کر کہتے ہیں میری مخدومہ حکم؟ تو حضرت زینب عالیہ فرماتی ہیں کہ حسینؑ روتے رہیں اور تو تلوار اٹھائے؟ مجھے تیری بہادری کی ضرورت نہیں مجھے حسینؑ کی ضرورت ہے میرا بھائی حسین نہ روئے جس طرح یہ راضی اسی طرح میں راضی۔

حضرت عباس کو جناب امّ البنین مدینہ سے روانہ ہوتے وقت رسول اکرمؐ کے روضہ پر لے گئیں جب کچھ دیر ہوئی تو حضرت امام حسینؑ نے شہزادہ علی اکبرؑ کو

روانہ کیا کہ جاؤ چچا کو لے کر آؤ؟ علی اکبرؑ نے دیکھا کہ ماں بیٹے سے مرقد پیغمبر پر ہاتھ رکھ کر وعدہ لے رہی ہے؟ شہزادہ علی اکبرؑ واپس پلٹے تو امامؑ سے فرمانے لگے کہ بابا میں کچھ نہیں کہہ سکتا جناب امّ البنین اور چچا عباسؑ راز کی باتیں کر رہے ہیں؟ حضرت امام حسینؑ روضہ رسول پر آئے اور دیکھا کہ حضرت عباسؑ کا بازو جناب ام البنین کے ہاتھ میں ہے اور وہ کہہ رہی ہیں کہ عباس! مرقد نبی پر ہاتھ رکھ کر قسم اُٹھاؤ کہ زینبؑ کو اکیلا نہ چھوڑ گے؟

کربلا میں جناب سکینہ کو چچا کے پانی لے آنے پر بڑا ناز تھا کہ میرا چچا پانی لے کر آئے گا..تو مولا غازی عباسؑ نے امام حسینؑ سے اجازت لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر پانی لینے کیلئے نہر فرات کی طرف چلے..جب فرات کے کنارے پہنچے تو وہاں پر موجود اشقیاؑ کی فوجوں کو تہس نہس کیا اور آب فرات سے مشک پُر کر کے خیام کا رُخ کیا..آتے وقت مشک پر کسی ظالم نے تیر مارا..پھر اشقیاؑ نے دونوں بازو شہید کر دیئے اور خیام میں پہنچے سے پہلے پانی سب بہہ گیا اور کسی ملعون کی ضربت سے گھوڑے سے گرے اور فرمایا **أَلسَّـلَامُ عَلَیْکَ یَا أَبَا عَبْدِاللّٰہ** کہ اس وقت امام حسینؑ نے فرمایا **اَلآنَ اِنْکَسَرَتْ ظَھْرِیْ وَ قَلَّتْ حِیْلَتِیْ.**

مسلمان ہر شبیہ کی تعظیم واجب ہے....درست ہے کہ یہ وہ گھوڑا نہیں لیکن تجھے بتلا رہا ہے کہ امام مظلومؑ کا گھوڑا ایسا ہی تھا کہ جس پر امام سوار ہوئے اور جس کی باگ کو امام کی معصوم بیٹی نے پکڑا تھا اور کہتی تھی لوگو میں یتیم ہوں؟

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْن

پینتیسویں مجلس

لَوْ لَا عَلِیٌّ لَمَا کَانَ لِفَاطِمَۃَ کُفُوٌ

سلطانُ الانبیأ..اقلیم رسالت کے تاجدار.. یایوں کہوں کہ برجِ نبوت کے نیّر اعظم ..آسمانِ رسالت کے آفتابِ معظم ..حضرت محمد مصطفیٰ کی زبان وحی ترجمان نے بتول معظّمہ کی شان میں جوکلمات ادافرمائے وہ آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کی عظمت رسول اکرمؐ کی نگاہوں میں کس قدر تھی، خداوند کے نزدیک وہ کیا رتبہ اور مقام رکھتی تھیں اور مسلمانوں نے ان کی کیا عزت کی؟

حضرت پیغمبر اکرمؐ نے دولفظوں میں اپنی بیٹی کا تعارف کرایا کہ اگراس پوری کائنات میں علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کے برابر کوئی نہ تھا..خداوند کی ساری خدائی میں اگرعلیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کے برابر کا کوئی نہ ہوتا؟ اب اگرکوئی بندہ حضرت علیؑ کی عظمت کو سمجھے اوران کی عزت کا اندازہ کرے تو حضرت زہراؑ مرضیہ کی عظمت معلوم ہوگی کہ اگرکائنات میں حضرت علیؑ نہ ہوتے تو اُن کی برابری کرنے والا کوئی نہ تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ براہِ راست مخدومہ دوعالم کی عزت کیوں نہیں بتائی؟ یاجناب سیدہ زہراؑ کا تعارف براہِ راست کیوں نہیں کرایا اور حضرت علیؑ کے بلند رُتبے اور عالیمقام ہونے کا تذکرکردیا کہ اگرعلیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ تھا؟

یہ سب اسلیئے تھا کہ خود حضرت زہراؑ پردے میں..اُن کے اعمال پردے میں..ان کا علم وکردارسب کچھ پردے میں..تو خاتونِ جنت کی عزت جاننے والے وہی ہیں جو

اس پردہ دار کو صحیح معنوں میں سمجھیں؟ اس پردہ دار کو وہی سمجھ سکتے ہیں کہ جن کی زبان پر وحی خدا کی ترجمان ہے، اسی لئے ماینطق کے مصداق فرماتے ہیں کہ میں محمدؐ کہہ رہا ہوں کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کے برابر کوئی نہ تھا۔

حضرت علیؑ خداوند کی خدائی میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کے بعد بے مثال ہیں، اسی خاطر اس بے مثال گوہر امامت کے ساتھ تشبیہ دے کر فرمایا کہ جو خود مرد اور ان کا کردار ظاہر..خود ظاہر..ان کے اعمال ظاہر..ان کی شجاعت ظاہر..ان کی سخاوت ظاہر..ان کی امانت ظاہر..ان کی دیانت ظاہر..ان کا ہر فعل ظاہر..ظاہر کو دیکھ کو پرکھنے والو! ذرا غور سے علیؑ کو دیکھو کہ اگر یہ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کے برابر کوئی نہ تھا۔

مزید ایسے بیان کروں کہ عورت و مرد انسانی زندگی کے دو برابر کے حصے ہیں، عورت نہ ہو تب بھی انسانیت اُدھوری..مرد نہ ہو تب بھی انسانیت ناقص، انسان مرد اور عورت کی مجموعہ زندگی کا نام ہے...عورت ناقص تب بھی انسانیت میں نقص اور مرد ناقص تب ہی انسانیت ناقص، عورت غلط ہو اور مرد صحیح ہو تو یہ غلط عورت صحیح مرد کیلئے عذاب..اگر مرد غلط اور عورت صحیح تو یہ غلط مرد صحیح عورت کیلئے عذاب..اسی طرح اگر دونوں (مرد، عورت) غلط ہوں تو سارے خاندان کیلئے عذاب..اور اگر دونوں صحیح تو پورے خاندان کیلئے جنت، عورت اپنے انداز میں اگر صحیح رہے اور مرد اپنی حیثیت میں صحیح رہے تو ساری انسانیت صحیح..عورت اور مرد دونوں بے داغ تو ساری انسانیت بے داغ اور اگر دونوں داغدار تو ساری انسانیت داغدار، یہ عورت و مرد دونوں انسانی زندگی کے برابر کے پہیے ہیں..اگر ایک جام تو انسانیت جام اور اگر دونوں حرکت میں ہوں تو انسانیت حرکت میں۔

لیکن گھریلو زندگی میں پرودگارِ حاکم نے انہیں برابر کی حیثیت نہیں بخشی بلکہ ایک حاکم اور دوسرا محکوم..اسلئے کہ اگر کوئی حاکم نہ ہو تب بھی گھر کا نظام نہیں چل سکتا

اوراگر دونوں حاکم ہوں تب بھی ہر روز جھگڑا..فساد؟اسی لیے ایک حاکم اور ایک محکوم، عورت کا مزاج چاہتا ہے کہ میں حاکم رہوں اور مرد محکوم اور مرد یہ چاہتا ہے کہ میں حاکم رہوں اور عورت محکوم..انسانیت کے نبض شناس اور کل کائنات کے امام حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ناقص کو کامل پر حاکم کیا جائے تو کامل کی توہین ہے اور کامل کو ناقص کا محکوم کرنے سے ناقص کی حوصلہ افزائی ہے، حق یہ ہے کہ نہ انسانیت کی توہین ہو اور نہ انسانیت کا نظام ناقص ہو لہذا حکومت اس کو ملے کہ جو کامل ہے،تو کامل حاکم ناقص محکوم۔

اب ہم حضرت علیؑ سے سوال کرتے ہیں کہ یا علیؑ ان دونوں یعنی مرد وعورت میں سے کامل کون ہے؟ فرماتے ہیں کہ مرد کامل ہےاور عورت ناقص۔

تین مقامات پرعورت کے ناقص ہونے کا پتہ چلتا ہے:

عبادت ، وراثت ، شہادت(گواہی)

عورت عبادت میں مرد سے کم ہے کیونکہ مرد مہینے کے تیس دن مصلیٰ عبادت پر آ سکتا ہے اور مہینے کے تیس دن روزہ دار ہوسکتا ہے لیکن عورت نہ تیس دن پورے نماز واجب ادا کرسکتی ہے اور نہ ہی ماہِ صیام کے تیس روزے پورے رکھ سکتی ہے، لہذا جن دنوں نماز نہیں پڑھ سکتی ان دنوں قرآن نہیں پڑھ سکتی،اسی لئے عبادت میں ناقص..وراثت میں کم ہےاور شہادت و گواہی دینے میں بھی مرد سے کم ہے...لہذا ناقص ہے، اور حضرت آدمؑ سے لے کر آخری مرد تک اور حضرت حواؑ سے لے کر آخری عورت تک یہ قانونِ الٰہی سب افراد کو شامل ہے کہ مرد کامل اور عورت ناقص..مرد حاکم اور عورت محکوم۔

لیکن سلطانُ الانبیاؐ حضرت محمد مصطفیٰؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس قانون سے میری بیٹی زہراؑ مستثنیٰ ہے...سادات آپ کی عزت کی قسم ہماری ماں زہراؑ بڑی

عزت.. بڑے مرتبے اور مقام برجستہ پر فائز ہیں، رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ پورے قانونِ الٰہی اور انسانیت کے قانون کی حدود سے میری دختر فاطمہ زہراؑ باہر ہیں.. ہر عورت مرد سے کمتر ہے لیکن میری بیٹی مرد کے برابر ہے، نہ وراثت میں کم.. نہ شہادت میں کم اور نہ ہی عبادت میں کم؟

وراثت میں کم نہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کو اولاد ہی نہیں دی تا کہ حضرت زہراؑ کی وراثت میں کوئی حصہ لے.

شہادت میں حضرت علیؑ کے برابر اس لئے کہ آیہ تطہیر نے جہاں حضرت علیؑ کو رکھا وہاں حضرت زہراؑ کو رکھا.

عبادت میں برابر.. کیونکہ جتنے دن حضرت علیؑ مصلّٰی عبادت پر آسکتے ہیں اتنے دن حضرت زہراؑ مصلّٰی پر آسکتی ہیں..... پس نہ وراثت میں مرد سے کم.. نہ شہادت میں ناقص.. اور نہ ہی عبادت میں کم.. اسی لئے تو رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ یہ وہ مستور ہے جو مرد کے برابر ہے بلکہ اس مرد کے برابر جو حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک تمام نبیوں کا سلطان.. حضرت شیثؑ لے کر حضرت مہدیؑ تک تمام ولیوں کا حکمران.. جوادنیٰ سے لے کر جبریل تک تمام عالم ملکوت کا نگران.. اگر یہ نہ ہوتا تو حضرت زہراؑ کے برابر کوئی نہ ہوتا؟

تین منازل ہیں عورت کے جن میں یہ مرد سے مخصوص ہے.. مرد کی زندگی عورت کی زندگی سے الگ ہے اور عورت کی زندگی کے تین شعبے نرالے اور جدا ہیں۔

عبادت میں عورت و مرد اکھٹے ہیں کیونکہ نماز جب عورت نے نہیں پڑھنی تو معاف اور جب پڑھنی ہے تو وہی پڑھے گی جو مرد پڑھتا ہے نہ کہ اس کے لئے کوئی جدا نماز ہوگی.. مثال کے طور پر یہ بھی وہی صبح ظہر عصر مغرب وعشا کی نماز پڑھے گی جو کہ مرد پڑھتا ہے.. عورت کے لئے کوئی جدا نماز نہیں، اسی طرح عورت کے لئے

کوئی جدا روزہ بھی نہیں جب بھی روزہ رکھنا ہوگا تو وہی رکھے گی جو مرد کو رکھنا ہوگا، زکواۃ وخمس میں بھی مرد کے ساتھ ہے، علاوزایں وراثت وشہادت میں بھی جیسے مرد کی وراثت وگواہی ویسی ہی عورت کی فقط ناقص اور کامل کا فرق ہے، اس کے علاوہ کوئی فرق نہیں جس چیز کی وراثت مرد کو مل سکتی ہے اس کی وارث عورت بھی بن سکتی ہے، جیسی مرد کی شہادت جس سلسلے میں ہو جہاں ہو ویسی عورت کی..فقط فرق نقص و کمال کا ہے، تین کام ایسے ہیں کہ جن میں عورت مرد سے الگ ہے اور یہ منازل فقط عورت کے ساتھ مخصوص ہیں کہ مرد کی زندگی میں قطعاً نہیں:

- پہلی منزل یہ ہے کہ جب وہ زندگی میں قدم رکھتی ہے تو بیٹی کی شکل میں.
- جب جوان ہوتی ہے تو شادی شدہ ہونے کے بعد زوجہ کے رنگ میں.
- جب صاحب اولاد ہوتب ماں کی شکل میں.

پہلے بیٹی..پھر بیوی..پھر ماں..کامل عورت وہ ہے کہ جب بیٹی ہو تو بیٹی کامل، جب بیوی ہو تو زوجہ کامل، جب ماں ہو تو ماں کامل.....اس مقام پر حضرت حواؑ سے لے کر قیامت تک کی تمام مستورات حضرت زہراؑ جیسی نہیں بن سکتیں کیونکہ حضرت زہراؑ جب بیٹی بنیں تو محمد مصطفیٰ جیسے والد کیلئے باعث فخر...جب شادی شدہ ہونے کے بعد زوجہ بنیں تو حضرت علیؑ جیسے شوہر کیلئے باعث عزت...جب گود آباد ہونے کے بعد ماں بنیں تو قیامت تک کے ہر سید کیلئے ناز کہ ہماری ماں فاطمہ زہراؑ ہے۔

تین منازل ہیں عورت کی جو کہ بیان ہوئے کہ جب بیٹی ہو تو بے عیب..اور جب بیوی بنے تو بے داغ اور جب ماں ہو تو اولاد کیلئے باعثِ عزت وفخر۔

ایک اور نقطہ اس عالمہ غیر معلّمہ کے بارے میں عرض کرتا چلوں کہ ایک امام حسینؑ دنیا میں آئے اور ایک یزید دنیا میں آیا...دونوں آئے اور کردار کے شناسا ہونے کے بعد دونوں دنیا سے چلے گئے، یزید واصل جہنم اور امام حسینؑ قاسمِ جنت،

ایک مقولہ ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دھراتی ہے لیکن حیران ہے ایک جرمن مورّخ کہ جس کا میں نے مضمون پڑھا ہے وہ کہتا ہے کہ میں حیران ہوں اس کلیہ سے کہ تاریخ اپنے آپ کو دھراتی ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یزید کو تو تاریخ دہراتی رہی لیکن تاریخ نے امام حسینؑ کو کیوں نہیں دہرایا؟ یزید کے دنیا سے چلے جانے کے بعد لاکھوں یزید پیدا ہو گئے ..ملک ملک میں ..وطن وطن میں ..زمانے زمانے میں ..شہر شہر میں ..محلّہ محلّہ میں ..گھر گھر میں؟ یزید کے چلے جانے کے بعد تو لاکھوں یزید پیدا ہو گئے لیکن امام حسینؑ کے بعد کوئی حسینؑ پیدا نہ ہوا؟ تاریخ نے حسینؑ کو کیوں نہیں دہرایا؟ تو اس اعتراض کو مطرح کرنے کے بعد اس سوال کا جواب بھی خود اُسی مورّخ نے دیا کہ یزید کے چلے جانے کے بعد یزید کی ماں جیسی لاکھوں مائیں پیدا ہوئیں اور لاکھوں یزید پیدا کر گئیں اور امام حسینؑ کے بعد نہ ان کی ماں (حضرت زہرا) جیسی کوئی ماں پیدا ہوگی نہ حسینؑ جیسے فرزند پیدا ہوں۔

حضرت زہراؑ کائنات کی واحد مستور ہے کہ اگر امام علیؑ نہ ہوتے تو اس کی برابری کرنے والا کوئی نہ ہوتا؟ حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ و حضرت ابراہیمؑ کی جرأت بھی نہیں... اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو حضرت زہراؑ کا کوئی کفو اور برابری کرنے والا نہ ہوتا؟

مولاؑ کا نام بھی علیؑ ہے، علیؑ کا معنی ہے بلند.. کتنا بلند؟ جتنا نام رکھنے والے کا تصور ہو مثلاً اگر ایک عام شخص سے سوال کیا جائے کہ بڑا عالم کون ہے؟ تو وہ کسی پڑھے لکھے کا نام بتائے گا اور جب پڑھے لکھے سے سوال کیا جائے کہ بڑا عالم کون ہے؟ تو وہ کسی زیادہ تعلیم یافتہ اور سند یافتہ کا نام لے گا اور جب سند یافتہ سے سوال کیا جائے کہ بڑا عالم کون ہے؟ تو وہ امام خمینیؒ کا نام لے گا اور جب امام خمینیؒ سے سوال کیا جائے کہ بڑا عالم کون ہے؟ تو وہ امام جعفر صادقؑ کا نام لے گا اور جب امام

جعفر صادقؑ سے سوال کیا جائے کہ بڑا عالم کون ہے؟ تو وہ حضرت علیؑ کا نام لیں گے اور جب حضرت علیؑ سے سوال کیا جائے کہ بڑا عالم کون ہے؟ تو وہ حضرت محمدؐ کا نام لیں گے اور جب حضرت محمدؐ سے سوال کیا جائے کہ بڑا عالم کون ہے؟ تو وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیں گے؟

تو اب حضرت علیؑ کا نام نہ حضرت ابو طالبؑ نے رکھا کہ ان سے سوال کیا جائے کہ علیؑ کا معنیٰ کیا ہے؟ اور نہ ہی جناب فاطمہ بنت اسد نے رکھا ہے کہ ان سے سوال کیا جائے؟ اور نہ ہی حضرت محمدؐ نے نام رکھا بلکہ علیؑ کا نام رکھا ہے جلی نے، اب اللہ کے نزدیک بلندی کا جتنا تصور ہے اتنا علیؑ بلند..اور اتنی بلند و بالا شخصیت موجود تھی کہ جو زہراؑ کی برابری کرتی، یہ ہے نبی کریمؐ کے نزدیک زہراؑ کی عظمت۔

اور مسلمانوں کے نزدیک یہ کہ اب بھی کم ظرف اور ناواقف افراد یہ الفاظ مبینہ طور پر کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ کیا ہو گیا جو ایک مستور دربار سے خالی واپس لوٹی؟ اگر مسلمانوں کے نزدیک بھی زہراؑ کی عظمت ہوتی تو کمر پر ہاتھ رکھ کر نہ چلتی؟ سادات غیر سادات جو تاریخ سے واقف ہیں کیا بتا سکتے ہیں کہ حضرت آدمؑ سے آج تک مخدومہ دو عالم کے علاوہ کوئی ایسی مستور آئی ہے جس کا سن ۱۸ سال کا ہو اور سر کے بال سفید ہوں؟ اور ۱۸ سال کی ہو اور کمر جھکا کر چلے؟ فقط ایک زہرا ہی نہیں بلکہ دنیا جہان کے گوشے گوشے میں حضرت زہراؑ کی اولاد تقسیم ہے، زاہدان سے گزرنے کے بعد پرتقال اندلس تک کوئی قبر نظر آئے کہ جس پر سبز رنگ کا علَم نصب ہو تو جس کسی سے بھی پوچھا جائے تو وہ جواب میں یہی کہے گا کہ کسی پردیسی اور بے وطن سید یا سیدہ کی قبر ہے۔

تمام آئمہ معصومینؑ میں سے ایک مظلومِ کثیر العیال حضرت امام موسیٰ کاظمؑ ہیں جن کی ۳۷ اولادیں تھیں، جن میں سے ۱۹ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں ہیں..لیکن تاریخ

کی ستم ظریفی یہ ہے کہ نہ دو بھائیوں کی مزار اکھٹی اور نہ دو بہنوں کی قبر اکھٹی؟ بھائیوں نے کہیں بے وطنی میں ملک الموت کو لبیک کیا اور بہنوں نے کسی اور جگہ؟

میں نے جس امام مسموم کا تذکرہ کیا ہے یہ بھی امام حسینؑ کے ایک فرزند ہیں اوران کی نسل کے ایک فرد ہیں...میں کیا عرض کروں؟

مولا پر انتہائے اسیری گزر گئی
زندان میں جوانی و پیری گزر گئی

یہ کثیر العیال امام باوجود یکہ ۳۵ یا ۳۷ اولادیں تھیں لیکن اس کی اپنی قسمت؟ آپ اس بات کا تاریخ میں مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کثیر العیال امام کتنی بے دردی سے اس دنیا سے رخصت ہوا؟ قید خانہ بدلتے رہے لیکن امام کا جسم نہیں بدلا؟ کبھی بصرہ میں..کبھی بغداد میں..کبھی کوئی زندان بان..کبھی کوئی؟

کبھی ہارون الرشید کی قید میں تو کبھی عیسیٰ بن جعفر کی قید میں..کبھی فضل بن ربیع کی قید میں تو کبھی فضل بن یحییٰ کے زندان میں؟ آخری زندان بان جس کا نام سندی بن شاہک ہے بڑا بے درد تھا۔

عبرت میں ڈوبی داستان اور حیرت زدہ بیان ہے کہ امام کے ایک غلام نے امام ہفتم کو ایک قیدی کی حیثیت سے حجرۂ زندان کی ایک کھڑکی سے سلام کیا..امام نے جواب دیا تو اس غلام نے مولیٰ سے استدعا کی کہ آپ زندان میں ہیں اور چونکہ قیدی کی دعا مستجاب ہوتی ہے اور آپ تو آلِ رسول ہیں آپ کی دعا تو ردّ ہو ہی نہیں سکتی لہذا آپ میرے حق میں کوئی ایک دعا کریں اپنی مرضی سے..میری کوئی مخصوص دعا نہیں؟ پس اس نے سکوت اختیار کیا۔

امامؑ نے فرمایا اے شخص! میری دعا یہ ہے کہ خداوند تجھے کبھی کسی مسلمان کی قید میں نہ رکھے..اور کسی مسلمان کا قیدی نہ بنائے! یہودیوں..نصرانیوں..کافروں

اور غیر مسلم کی قید میں رہو تو کوئی فرق نہیں مسلمان کی قید سے خداوند تجھے بچائے۔

وہ کہنے لگا مولاؑ مسلمانوں کا زندان اور اتنا سخت؟ تو مولاؑ فرماتے ہیں کہ میں کافی مدت سے اس زندان میں ہوں..اس زندان میں انسان کی گزر اوقات بہت مشکل ہے؟ تو وہ کہنے لگا وہ کیسے؟

مولاؑ نے اپنی زخمی پشت سے پیراہن ہٹایا اور اپنی قمیص کو کمزور بدن سے برطرف کیا پھر ضربت کے نشان دکھا کر فرماتے ہیں کہ ہر روز وہ شقی القلب زندان میں آتا ہے اور تازیانے سے میری پشت پر چند سطریں لکھتا ہے اور ابھی تک وہ سیاہی خشک نہیں ہوتی کہ دوبارہ آتا ہے اور نئی سطریں تحریر کر کے چلا جاتا ہے اور مجھے اس زندان میں سالہا سال ہو گئے لیکن اس زندان بان نے کبھی مجھ پر رحم نہیں کیا اور نہ ہی ترس کھایا؟ اس لئے میری دعا ہے کہ تو کبھی مسلمانوں کی قید میں قید نہ ہو۔

ہم تو فقط امام زین العابدینؑ کی مصائب کو دیکھ کر ان پر گریہ کرتے ہیں کہ ان کا زندان میں جانا وغیرہ مشکل تھا لیکن امام موسیٰ کاظمؑ کہ جنھوں نے چودہ سال زندان میں اس مشکل سے گزارے کر تازیانے کی ضرب سے مولاؑ کی پشت پر لکیریں کھینچی جاتیں یہ بھی بہت مشکل ہے۔

مرحوم مولانا حافظ کفایت حسین صاحب فرماتے تھے ایک عجب روایت ہے کہ ۲۵ رجب کی رات کو شب ڈھلے ایک نوجوان درِ زندان پر آیا اور چلا گیا..پھر آیا اور دروازے پر رُکا تو سندی بن شاہک نے کہا کہ اب چلا جا صبح کو جب دروازہ کھلے گا تو اس وقت ملاقات ہو گی، اس نوجوان نے کہا کہ ظالم ظلم بھی کرتے ہو اور ہمیں اسیر بغداد سے ملاقات کا وقت بھی نہیں دیتے؟ میں مدینے سے آیا ہوں..میں اس زندانی کا بیٹا ہوں..میرا نام علی رضاؑ ہے اور مجھے بابا نے پکارا ہے کہ مرا وقتِ اخیر ہے، لہذا مجھے اجازت دے تا کہ میں اندر جاؤں؟ اس نے اجازت نہ دی تو حجتِ خدا کے

فرزند نے درِزندان پر لگے قفل پر ہاتھ رکھا..تالا ٹوٹا..قفل کھلا..دروازہ کھلا۔

سامعین! یہ حقیقت آپ کے مشاہدے میں ہے کہ جو شخص اندھیرے مکان اورحجرہ میں ہو وہ دروازے پر موجود شخص کو دیکھ لیتا ہےاور پہچان لیتا ہےلیکن دروازہ پر موجود شخص اندروالے کونہیں دیکھ سکتا۔

جونہی امام رضاؑ زندان میں داخل ہوئے تو دیواروں پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آہستہ چلے،اندھیرے کا یہ عالم تھا کہ امامؑ دیوار پر ہاتھ رکھ کر دیوار کا آسرا لئے جب قریب گئےتو محسوس کیا کہ یہاں کوئی سویا ہوا ہے.. پاس بیٹھ گئے،امامؑ نے فرمایا اے بیٹا علی رضاؑ! خیر سے آئے ہوئے؟ فرمایا اَلْحَمْدُلِلّٰہ پہنچ گیا ہوں بابا..اب کافی عرصہ بیت چکا ہے کہ آپ اس زندان میں ہیں اگر اجازت ہوتو اس خاکِ زندان کو مٹھی میں محفوظ کرلوں کہ جو خاک آپ کے بدنِ اقدس سے مس ہوئی ہے؟ اورآپ کو زمین سے الگ کروں؟ تو امام ہفتم فرماتے ہیں کہ بیٹے تیرے بابا کا جسم اس خاک سے مانوس ہو چکا ہے..اب مجھے یہ زمین تکلیف نہیں دیتی، میں چونکہ تیرے آمد کیلئے ترس رہا تھا میرے سینے پر سینہ لگا کر سوجا تا کہ تیری خوشبو سے میری وہ حسرت پوری ہو جائے؟ امام رضاؑ نے اپنے بابا کے سینے سے سینہ لگایا..پس امام موسیٰ کاظمؑ نے امام رضاؑ کے دائیں رخسارے کو چوما پھر بائیں پر بوسہ دیا پھر فرمایا تیری بہنوں کا کیا حال ہے؟ ان کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟ تو امام رضاؑ نے فرمایا کہ شہر مدینہ میں امامت کے گھر میں اورنبوت کے سائے میں تیرے فراق کی حسرت لئے وہ رو رہی تھیں؟

امام موسیٰ کاظمؑ نے امام علی رضاؑ کو وصیتیں کیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ بیٹا مجھے غسل بھی تو نے دینا ہے..کفن بھی تو نے دینا ہے..اس لئے کہ معصوم کو سوائے معصوم کے کوئی غسل نہیں دے سکتا۔

تو امام رضاؑ نے فرمایا کہ بابا ایک سوال ذہن میں ہے اگر تکلیف نہ ہو تو عرض

کروں؟ امام فرماتے ہیں کہ بیٹا پوچھو..عرض کیا بابا جان! آپ کا بستر یہی ہے؟ امام فرماتے ہیں ہاں بیٹا، امام رضاؑ فرماتے ہیں کہ یہیں رہتے ہیں؟ فرمایا ہاں بیٹا، تو امام رضاؑ فرماتے ہیں کہ جب دروازے سے داخل ہوا ہوں اور دیواروں پر مجھے خون نظر آیا ہے کوئی دیوار خون سے خالی نہیں تھی؟

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں کہ آج تیسرا دن ہے کہ مجھے زہر ملی ہوئی ہے اور زہر کی وجہ سے میرا خون اور جگر کے ٹکڑے باہر کو آتے ہیں، یہ دیواروں پر تیرے بابا کا خون ہے، امام رضاؑ نے عرض کیا بابا جان! بڑی تکلیف کی گھڑی گزری؟

سامعین! بس کیا عرض کروں کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے پاؤں دراز کیئے..اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور امام رضاؑ بابا کو غسل وکفن دینے کے بعد غائب ہو گئے، صبح کو اعلان ہوا کہ رافضیوں کا امامؑ جہانِ فنا سے کوچ کر گیا..بڑی دردناک خبر تھی۔

امامؑ سے کسی نے دریافت کیا کہ ہم نماز پڑھتے ہیں..روزہ رکھتے ہیں..اسلامی احکام کی پابندی کرتے ہیں تو پھر رافضی کیسے؟

امامؑ فرماتے ہیں پہلے بھی ہر دَور میں آئمہؑ کے ماننے والوں کو رافضی کہا جاتا تھا لیکن آپ احکامِ اسلامی کی پابندی کریں اور ان کے رافضی کہنے کو برا محسوس نہ کریں۔

امامؑ کی شہادت کے بعد اب خدا جانتا ہے کہ خوف تھا یا کوئی اور وجہ کہ کسی مسلمان نے قید خانے میں جانے کی جرأت نہ کی؟ حالانکہ یہ ایک سید..امام..فرزند رسول ہے لیکن مسلمان یہ کہہ کر کہ رافضیوں کا امامؑ ہے کفن ودفن کرنا بدعت سمجھ کر دور ہو گئے؟

چار مزدور آئے وہ قید خانے میں گئے اور انہوں نے اسیر بغداد کا میت اٹھایا؟ آپ شاید یہ سمجھیں کہ چارپائی منگوائی گئی ہوگی اور میت امامؑ پر کپڑا بچھایا گیا ہوگا یا کوئی تابوت ہوگا؟ خدا گواہ ہے جس چٹائی پر میرے امامؑ نے دارِ فنا کو خدا حافظی کی تھی اُسی چٹائی کے چاروں گوشے خود مزدوروں نے پکڑے اور اُٹھا کر گلی میں رکھ دیا

اورشہر بغداد میں اعلان کر دیا کہ یہ رافضیوں کا امام ہے؟

اگر آپ کو نجف اشرف جانا نصیب ہو تو وہاں کے مومنین اسیر بغداد کے غم میں بغداد کی پل سے ایک تابوت لے جاتے ہیں جس پر زنجیر لٹک رہے ہوتے ہیں اور ان کا نوحہ اور یہ بین ہوتا ہے کہ یاباب الحوائج اے امام موسیٰ کاظمؑ!

جب آپ جنازہ کو اٹھانے والا کوئی نہ تھا اور مزدوروں نے جنازہ اٹھایا اُس وقت آپ کے یہ نوکر کہاں تھے کہ آپ کا جنازہ اُٹھاتے؟ اگر یہ نوکر وہاں ہوتے تو مزدور آپ کا جنازہ نہ اٹھاتے؟

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَىَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْن

سادات تے ظلم عباسیاں دے تاریخ دا منہ شرما گئے
سنڑ واقعہ موسیٰ کاظم دا دارین دا دل گھبرا گئے
میڈا چودہ سال دا قیدی آقا تیڈا درد جگر کوں کھا گئے
تیڈے وطن تے اُنوی پتر آہن مزدور جنازہ چا گئے

سلام.....دربارگاہِ امام حسینؑ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علامہ مرحوم کی مختلف ڈائریوں سے کچھ نوحے..دوہڑے..مذہبی اشعار اور قصائد جمع کر کے مجالس فاخرہ میں شائع کر رہے ہیں۔

تیری نماز کو کعبہ سلام کہتا ہے　　تیری جبین کو سجدہ سلام کہتا ہے
تیرے دیار کو مکہ سلام کہتا ہے　　حسینؑ تجھ کو مدینہ سلام کہتا ہے
تیری ضریح کو قبلہ سلام کہتا ہے　　رسول عربی کا روضہ سلام کہتا ہے

خدا کے دین کی عظمت کا پاسبان ہے تو　　کلام پاک کی عزت کا پاسبان ہے تو
نبیؐ کی شان رسالت کا پاسبان ہے تو　　غرض وقارِ شریعت کا پاسبان ہے تو
اٹھ اٹھ کے خاک کا ذرّہ سلام کہتا ہے　　جھک جھک کے عرش کا کنگرہ سلام کہتا ہے

اندھیر گردیوں اور ظلمتوں پہ چھا کے رہا　　غرور سلطنت کو خاک میں ملا کر رہا
قدم کو عظمتوں کے سینہ پر جما کے رہا　　خدا کے دین کو آبِ بقا پلا کے رہا
تجھے کلیم کا جلوہ سلام کہتا ہے　　اُتر کے ساکن سدرہ سلام کہتا ہے

تجھے بہن کی دعائیں سلام کہتی ہیں　　مجاہدوں کی وفائیں سلام کہتی ہیں
بچوں کی ادائیں سلام کہتی ہیں　　دشمنوں کی جفائیں سلام کہتی ہیں
تجھے لہو بھرا نیزہ سلام کہتا ہے　　جواں کا زخمی کلیجہ سلام کہتا ہے

دمشق دُور نہیں جانے والے جاتے ہیں سلام کر کے پھر جو خیریت سے آتے ہیں
وہ اپنی درد بھری داستان سناتے ہیں زبانِ حال سے پیغام ساتھ لاتے ہیں
تجھے سکینہؑ کا کرتہ سلام کہتا ہے اسیر بہن کا پردہ سلام کہتا ہے

جب علامہ مرحوم ۱۹۶۷ء سفر حج پر گئے تو جب آپ کو مدینہ منورہ میں جانے کا شرف حاصل ہوا تو مسجد نبویؐ میں داخل ہو کر نماز سے فراغت کے بعد مسجد نبویؐ میں کھڑے ہو کر یہ بند لکھا:

اے مسجد نبویؐ علم ہووی کیوں زہراؑ دَر تے آئی
رہی کتنی دیر کھڑوتی دَر تے کہیں جھڑکاں نال ولائی
اوہ کونڑ آہن جنہاں پاک نبیؐ دی دختر پاک رُوائی
کیویں سند دے ٹکڑے چا کے وَلی اَتے پاک نبیؐ دی جائی

پھر روضہ رسول اکرمؐ کی طرف رُخ پھیر کر کے یہ بند لکھے:

اے منبر مسجد پاک حرم اَتے روضہ پاک نبیؐ دا
میکوں خبر ڈسا کیویں زخمی ہا پاسا ہائے زینبؑ دی امڑی دا
اوہ کونڑ آہن جنہاں قدر نہ کیتا پاک رسولؐ دی دھی دا
معصومہ عالم بی بی کون ڈِتا کہیں طعنہ غلطی دا

تیڈے روضے پاک دی سک آہی بہوں پاک بتولؑ دے چن کوں
معلوم نہیں کیوں جھا نہیں ملی تیڈے نورُالعین حسنؑ کوں
بیا اُمت دی مجبوری توں ڈِتا چھوڑ حسینؑ وطن کوں
تیڈا روضہ چھوڑ کے ونج کیتا آباد آوارے بن کوں

پھر رسول اکرمؐ کو خطاب کر کے عرض کیا:

اے بانی دین اسلام دا آقا اے کل عالم دا ہادی
لکھ شکر تھیا ربّ پاک ڈکھائی اَتے نگری تیئں مولا دی
دل خوش تھیندا ائے اَج ڈیکھ کے مولا تیڈے روضے دی آبادی
ارمان ہے پاسے نال تیڈے ہوندی قبر حسینؑ دی مادی

لولاک دا والی وسدا رہے تیڈا نت نوری دربارے
تیڈا منبر مسجد روضہ بھی اَتے حرم دے کل مینارے
کس جرم دے وچ تھئے آل تیڈی دے کل روضے اِنج مسمارے
نہیں قبر بتولؑ دی آج تیئں لبھدی حیران مورّخ سارے

دھیاں پاک بتول دیاں اتے امن دے ملک دیاں سینی
آئیاں شام اِچ خونی پتن اُتے گھن نازک پور حسینی
دربار یزید وچ عابد دی گئی ودھ بے حد بے چینی
جڈاں حاکم ظالم ول ول پچھیا کھڑیاں کتھ شبیرؑ دیاں بھینی

اے فلک توں کیوں نہیں ترٹ پوندا سن درد بھرے حالاتِ
تیڈے سائے تلے شامِ غریباں اَتے روندی رہی ساداتِ
ربّ جانڑیں کیویں اُجڑیاں سینڑیں کٹ چھوڑی یارہویں راتِ
جڈاں ہتھ افسوس دے مل کے غازی ونج ست منڑ دریاتِ

۱۰جنوری ۱۹۸۱ء______(امیر مسلمؑ)

جے توں وکیل شبیرؑ دا ہیں میں ہاں زہراؑ دی بانی
میڈی ہے دعاشالا خوش پیا وسے وچ گھر دے زہراؑ جانی
میں سنیائے شاہ توں وطن چھڑایا کہیں استبداد دے بانی
ڈس وطنیں ہے یا نال بھرا دے ٹری سفریں زہراؑ ثانی

ترائے منزلہ اُچی ماڑی تے تھیا قتل عقیل دا لعلے
تقدیر آکھیا ہائے سفریں رل گئی اتے پاک رسول دی آلے
جاں تیڈی لاش زمین تے آئی کھل گئے زہراؑ دے والے
ریہیا سر دروازہ کوفہ تے رُلی لاش بازار وچالے

۱۱جولائی ۱۹۸۱ء______(امیر مسلمؑ)

ساڈی موت شہادت زینت ہے اَتے خاص مشن اسلامِ
میں ہاشمی ہاں اَسانتے ربّ بھیجے خود آپ درود سلامِ
ایہا حسرت ہم کوئی ونج ڈیوے میڈے شاہ کوں اے پیغامِ
اِتھ بھینڑیں کوں نہ گھن آنویں دو جگ دا پاک امامِ

میڈا ناں ہے مسلم اے مائی میڈے پیو دا نام عقیلے
میکوں لعل بتول دے بھیجا ہے کوفے دی طرف وکیلے
شبیرؑ دی بیعت تروڑ گئے کوفے دے لوگ رذیلے
پردیسی ہاں میڈا وطن مدینہ اِتھوں دورے سیکڑے میلے

۷ فروری ۱۹۸۱ء______(امیر قاسمؒ)

جھنڑ یا پتر حسنؑ دا گھوڑے توں ملی خیمے ونج اطلاع
اُٹھی تلیاں ٹیک تے چوب کوں نپ کے درداں ماری مائے
کہیں بیوہ ما کوں موت پتر دی دِکھلا نہ ذات خدائے
کئی واری جھنڑ پئی در خیمے تے زہراؑ دی نونہہ بیوائے

۱۲ جنوری ۱۹۸۱ء______(امیر قاسمؒ)

سنڑی ہکل یتیم دی در خیمہ تے زہراؑ دے بدر منیرے
پس روندا نیر وہیندا ثریا کلثوم زینبؑ دا ویرے
کتھ نازک گل کتھ سم گھوڑاں دے بس روندی رہی تقدیرے
بہوں اوکھیاں لاش سمالی کیتی رج رُنیا پیر شبیرے

آسرا بیوہ امڑی دا نہ چڑیا شاخ جوانی
اجاں تیرہویں سال اِچ قدم آیا تھی ختم گئی زندگانی
ربّ جانڑے کیوی نہیں چم سگی منہ پتر دا ما نمانی
کیویں ڈیکھ کے گل دیاں تریٹیاں کلیاں یارو سہہ گئی زہراؑ ثانی

سن کے حکم امام دا یارو رَج رُنیا حسنؑ دا جانی
تیڈے بخت اقبال کو رج مانڑے تیڈی پھوپھی زہراؑ ثانی
ایں ظلم دے ویڑھ کوں موڑ نہیں سگدی میں کمسن دی قربانی
پر حیدری خون نہیں باہنڑ ڈیندا کرو میں تے مہربانی

جڈاں اذن جہاد منگنڑ کیتے ٹر آیا حسنؑ دا جایا
شاہ پتر کوں چم کے گل لایا ول رو رو کے فرمایا
میڈے زہر دے سبک توں موئے ویرنڑ دی زندگی دا سرمایہ
توں بیوہ مادی ٹیک ہیں بچڑا کر حوصلہ اللہ وسایا

۱۱جنوری ۱۹۸۱ء______(علی اکبرؑ)
کوئی پیو نہ ڈیکھے پتر دے سینے اِچ اِنج ترٹا پھل برچھی دا
ربّ جانڑے کیویں سہہ گیا ہوسی ایں درد کوں پتر علیؑ دا
کیویں چمیا ہوسی دھی زہراؑ دی یارو زخم ہمشکل نبی دا
جیہندا پتر جوانی چڑھ کے مویا کیا حال ہوسی امڑی دا

۱۰جنوری ۱۹۸۱ء______(علی اکبرؑ)
ربّ جانڑے کیویں پیو بے کس نے لاش جوان دی چائی
دیکھ بے بسی شاہ بے کس دی تقدیر بھی روندی ہائی
تیڈا کوئی ریہیا جیڑھا لاش چاوے ہک کوک ہمشیر دی آئی
جے امر ہووے آ لاش چاواں بہوں اوکھا تھی نہیں بھائی

اولاد بغداد دے قیدی دی چنڑ چنڑ کے قتل کرائی گئی
ایندیاں دھیاں پتر سب نکھڑ کے موئے تاریخ ایویں دُہرائی گئی
کچھ نسل ایندی بغداد دیاں دیواراں وچ چنڑوائی گئی
او دھی ایندی مظلوماں دھی ہے جیڑھی قم وچ دفن کرائی گئی

نوحہ

تیڈا چہلم سمجھ کے قبر اُتے میں ویرنڑ کرنڑ دعا آئی ہاں
اٹھی مل گھن بھینڑ مسافرہ کوں میں شام دی قید نبھا آئی ہاں
بازار ڈٹھے دربار ڈٹھے جھڑکاں جھلیم نروار ڈتے
جتھ جتھ گئی ہاں تیڈے نام کولوں باغی دا لفظ مٹا آئی ہاں
نہ بھلسی پند بازاراں دا اَتے ٹرنا پردہ داراں دا
پڑھ خطبے حیدری لہجے وچ میں حق باطل سمجھا آئی ہاں
کیا ظلم ڈساں بے دیناں دا نہیں ملیا کفن سکینہؑ دا
تائیں شام دے وچ تیڈی چھوٹی دھی ہک چولے وچ دفنا آئی ہاں
تیئں کربل وچ آرام کیتا تیڈی بھینڑ نے مشن تمام کیتا
پرچم تیڈی مظلومی دا وچ شام دے نصب کرا آئی ہاں

مُسدّس

کہہ دو یہ حکومت سے ہم غدار نہیں ہیں   ہم صاف ہیں حق باز ہیں مکار نہیں ہیں
کرار کے شیعہ ہیں فرار نہیں ہیں   ہم حنفی فقہ لینے کو تیار نہیں ہیں
ہم حنفی فقہ لے لیں بے ہوش نہیں ہیں
ہم قائلِ حلّیتِ خرگوش نہیں ہیں

مُسدّس

اے مصطفیٰؐ و زہراؑ وحیدر کا لہو سوچ   للکارتا ہے اب تجھے حیدر کا عدو سوچ
پی موج مودت کا چھلکتا سا سبو سوچ   گر بارہ اماموں کا پرستار ہے تو سوچ
مومن ہے تو شبیرؑ کے اکبرؑ کے قدم چل
میدان میں نکل چوم کے غازیؑ کا علم چل

مُسدّس

حاسد تیری طینت کا مجھے شکوہ نہیں ہے　　حیدر کی عداوت تیرا پیشہ تو نہیں ہے
بدظنی و بدگوئی تیرا شیوہ نہیں ہے　　معیار ولادت کوئی پوشیدہ نہیں ہے
حیدر کی وِلا صاف امانت کا اثر ہے
اور بغض علیؑ ماں کی خیانت کا ثمر ہے

مُسدّس

اے حیدرؑ کرار کے میخوارِ ولا جاگ　　دشمن نے جھنجھوڑا ہے تجھے بہر خدا جاگ
تو شیر ہے سنتا ہے کیا گیڈر کی صدا جاگ　　اے حیدریہ جعفریہ شیعہ ذرا جاگ
مروانیت کے ابھرے ہوئے نقش مٹا دے
ہر قصر یزیدی کی بنیادوں کو ہلا دے

رباعی

مٹ گئے آپ مٹاونڑ والے نام علی کیوں مٹے
اَپنڑاں خاص عقیدہ ہے نئیں کئیں فرقے تے ہٹے
دشمن پاک بتول و علی دے ہنی کافر چٹے
دوزخ دے وچ بھجدے ویسن ہنے پنجتن پاک دی پٹے

جے ما دا پتر تاں ما دے قاتل دے نال تیڈا ہے پیار کیویں
جنئیں چونے دے کھوہ وچ سٹایا تیڈے عقل تے غبار کیویں
سمجھ نئیں آندی علیؑ دے دشمن کوں بغض حیدرؑ توں ڈسدا کجھ نہیں
جو ما دا قاتل ہے ماما کیویں تے پیو دا ویر ہے تاں یار کیویں

نوحہ

اے ماتم عین عبادت ہے ساڈی رُت ماتم دے آگئی اے
دھی زہراؑ دی ہے رُل رُل کے ساڈے کل آرام مکا گئی اے
دنیا آکھے بدعت ہے اساں ماتم شاہ دا چھوڑنا نہیں
اے بنت علیؑ دی سنت ہے اساں رووݨ توں منہ موڑنا نہیں
جیڑھی سفراں دے وچ رُل رُل کے اسلام دی لج رکھوا گئی اے
قیدݨ ہو کے سین سکینہؑ سفراں دے وچ رُل گئی اے
مٹیاں تے بہوں سم سم کے ہن پیو دا سینہ بھل گئی اے
میڈے پیر دی دھی معصومہ کوں زنداں دی گرمی کھا گئی اے
معصومہ کوں دربار دے وچ اے جھڑکاں نال رویندن کیوں
بہوں دیر تائیں نہیں کھڑ سگدی اے ظالم ظلم کریندن کیوں
نو میل مسلسل ٹر ٹر کے ہن تھک پئی ہے گھبرا گئی اے
شیعہ بے شک روندے ہن سن سن کے ظلم سیدانیاں دا
شام گھولی وچ ملیا نہیں سجاد کوں کفن سکینہ دا
تائیں قبر دے وچ وی کفن دی جھاتے میلا چولا پا گئی اے

....

چم ہتھ ملوٹے بھیݨ دے سید بیٹھا بند رسن دے کھولے
ہتھ رکھ معصومہ دے منہ تے عابد بیٹھا آکھے ہولے ہولے
نہ پیو کوں شام دا حال ڈیویں رکھیں ویر غریب دے اولے
پیا میلا چولے نال دفن کریندا ں نئیں کفن غریب دے کولے

نظم ۱۹۸۰ء کنونشن اسلام آباد

آ گیا دامن مرتضیٰ ہاتھ میں بادشاہی خزانے کی پرواہ نہیں
دشمنِ مُرتضیٰ کا گلہ جُرم ہے تو ہمیں جیل جانے کی پرواہ نہیں
قوم شیعہ کی بے لوث آواز ہے آلِ احمد پہ ہم کو بجا ناز ہے
فقہِ جعفریہ جو چھینی گئی پھر ہمیں سر کٹانے کی پرواہ نہیں
آیت اللہ خمینی کا فرمان ہے کفر سے لڑنا ایمان کی شان ہے
دین اسلام کی برتری کیلیئے موت کے منہ میں جانے کی پرواہ نہیں
موت کے دام میں مسکرا کے کہا ہم نے اِسلام آباد جا کے کہا
حُکمرانو! نہ چھوڑیں گے ہم اپنا حق سینے پر گولی کھانے کی پرواہ نہیں
دین حق کو بچایا ہے شبیر نے مر کے جینا سِکھایا ہے شبیر نے
ہم نے دُنیا میں فرعون دیکھے بہت ان کے پھر لوٹ آنے کی پرواہ نہیں
مُلا جی اپنے فتوے نہ ہم پہ لگا فقہ نعمان سے ہم کو کیا واسطہ
ہم شراباً طہورا کی لہروں پہ ہیں اب ہمیں ڈوب جانے کی پرواہ نہیں
بچے کچلے گئے مرد مارے گئے زندگی کے ختم ہو ستارے گئے
حوصلے تھے بلند دین حق کیلیئے اب بھی چادر لٹانے کی پرواہ نہیں

رباعی

آ مجلس شبیر میں آنسو بہا کے دیکھ
آل نبی کے درد پہ خود کو رُلا کے دیکھ
درماں ہیں تیرے درد کا آل نبی ضرور
آنسو کو ان کے درد کا درماں بنا کے دیکھ

بیادِ علامہ مرحوم

رہ رہ کے یاد آتی ہے تیری جو مہرباں
صد حیف ہوگیا ہے کہ آنکھوں سے تو نہاں
یاس و ملال و درد و غم مشکلات نے
صحرا میں زندگانی کا گھیرا ہے کارواں
ہر ذرّہ ریگزار کا ہے صد اضطراب
مضطر ہے تیری یاد میں پیر و نوجواں
مکتب شعور و فکر کا بھولے گا کس طرح
لکھی ہے تو نے جس طرح خود اپنی داستان
گرچہ قضا نے چھینا ہے ملت سے بے محل
باقی ہیں تیری آج بھی ملت نوازیاں
تشنہ دہن رہے ہیں یوں دریائے فیض میں
بے شک جو بد نصیب ہیں ہم اہل دریاخاں
چھپ چھپ کے آرہا ہے کیوں خوابوں میں ہمنوا
میرا یہ دل تو ہے تیرا دیرینہ آستاں
ہر پیر و نوجوان کی ہے شام وسحر دعا
جنت تجھے عطا کرے خلّاقِ دو جہاں

خراج عقیدت از طاہر ملک دریاخان ۱۹۹۲ء

دعائے مغفرت

پانی کی شکل بہتے ہیں اشک غم حسین
یاربّ انہیں بصورت رنگ حنا تو کر
یاربّ! شعورِ مجلس سبط رسول دے
پیدا دلوں میں جذبہ صدق و صفا تو کر
امی کے غم میں روتا ہوں یارب جہاں بھی ہو
اس کو سپرد سایہ لطف وعطا تو کر
صدقہ جناب فاتحِ دربار شام کا
آسان اس کی منزل راہِ بقا تو کر
یاربّ فشار قبر کو اس کا امیں بنا
کنج لحد کو مخزنِ نور و ضیا تو کر
ظلِّ لوائے پنجتن اس کو نصیب ہو
کامل ولائے حضرت مشکل کشا تو کر
یاربّ ہے تجھ کو واسطہ بنت رسول کا
زہراؑ کی یہ کنیز ہے جنت عطا تو کر
یاربّ پل صراط کی منزل سمیٹ دے
اس پہ کرم یوں خالق ارض و سما تو کر
اس کے جہانِ قبر پہ رحمت تیری رہے
ایسی عطا نئی اسے صبح و مسا تو کر
شاخِ گل دعا پہ ہے طائرؔ کی التجا
یاربّ قبول تحفہ سوز دعا تو کر

ازقلم شاعر آلِ محمد ملک غلام حیدر طائرؔ مرحوم

نذرانۂ عقیدت

نتیجہ فکر: مولانا محمد بخش جھکانہ سائل مرحوم

عالم با عمل تھے علامہ حسین بخش
فاضل بے بدل تھے علامہ حسین بخش

تدریس میں تحریر میں تقریر میں ضرور
کہنے دو بے مثل تھے علامہ حسین بخش

مرحوم مولانا کی تھیں ان گنت خوبیاں
ایسے صاحب فضل تھے علامہ حسین بخش

علمائے صالحین کے زمرہ میں بالخصوص
بے نمبر اوّل تھے علامہ حسین بخش

پیش نظر تھے جتنے مسائل مشکلہ
انہی کا ایک حل تھے علامہ حسین بخش

یادِ خدا نبی و علی اہل بیت سے
غافل نہ ایک پل تھے علامہ حسین بخش

اللہ کی قدرت کے کارخانے میں ضرور
بالکل نئی شکل تھے علامہ حسین بخش

باب النجف ہے جاڑا ہمیشہ کی یادگار
اعلیٰ پرنسپل تھے علامہ حسین بخش

سائل بجانب حق ہے کہنے میں بالیقین
بس فاضل اجل تھے علامہ حسین بخش

علامہ مرحوم کی تصانیف

تفسیر انوار النجف: قرآن مجید کی اردو زبان میں بہترین تفسیر ہے

لمعۃ الانوار: اس میں شیعہ عقائد پر روشنی ڈالی گئی ہے

اصحاب الیمین: شہداء کربلا کے بارے میں لکھی گئی ہے

مجالس المرضیہ: علامہ سید محمد چکڑالوی کی مجالس کا مجموعہ ہے

مجالس الفاخرہ: علامہ مرحوم کی مجالس کا مجموعہ ہے

شیعہ مذہب حق ہے: مذہب شیعہ کی حقانیت پر مدلل کتاب ہے

احباب رسول: کتاب اصحاب رسول کا جواب ہے

اسلامی سیاست: اصول دین کی تشریح پر مفصل بحث ہے

امامت وملوکیت: خلافت وملوکیت کا جواب ہے

معیار شرافت: اخلاقیات کے موضوع پر لکھی گئی ہے

انوار شرافت: خواتین کے مسائل پر مبنی ہے

انوار شرعیہ: مسائل فقہیہ پر لکھی گئی ہے

مناظرہ مصر: اتحاد بین المسلمین پر مبنی مناظرہ ہے

نماز امامیہ: شیعہ نماز کا طریقہ اور ضروری مسائل پر مبنی ہے

حکیم محمد باقر جاڑا

مکتبہ انوار النجف ڈیرہ روڈ دریا خان ضلع بھکر